بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ وآلہ واصحابہ اجمعین

دیباچہ

سیر الصحابہؓ کے نام سے دار المصنفین کے زیر اہتمام جو سلسلہ تیار ہو رہا ہے پیش نظر کتاب اس کی ایک جلد ہے، اس مین انصار کرام کے حالات و سوانح، اور انکے علمی، مذہبی، اخلاقی، اور سیاسی کارنامون کی پوری تفصیل کی گئی ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مقدس صف مین انصار کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے، اور سیر الصحابہ کا یہ حصہ اس حیثیت سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس مین انہی مقدس بزرگون کے اکابر اور مشاہیر کے سوانح و حالات مذکور ہین، یہ واقعات کتب احادیث اور سیر و رجال کی مستند کتابون کے سینکڑون، ہزارون صفحات کی ورق گردانی کرکے فراہم کیے گئے ہین،

ان حالات و خدمات کی تفصیل سے پہلے ایک بسیط مقدمہ مین انصار کی قبل اسلام کی مفصل تاریخ، ان کے نسب نامے، آداب و تمدن اور معاشرت واخلاق،

کو نمایاں کیا گیا ہے، اس طرح یہ حصہ انصار کی تاریخ قبل الاسلام اور بعد الاسلام کا ایک بہترین مجموعہ بن گیا ہے،

اس سے پہلے سیر الصحابیات کی جو جلد شائع ہوئی تھی ملک کے بعض مشہور اہلِ قلم نے اس "لف ونشر مرتب" کو "غیر مرتب" کرکے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے، اب اسی سلسلہ کی ایک اور نئی جلد ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

"دارالمصنفین"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انصار کا نسب نامہ

اہل عرب تین بڑے قبیلوں میں منقسم ہیں، بائدہ، عاربہ، مستعربہ بائدہ میں وہ قبائل شامل ہیں جنھوں نے طوفان نوحؑ کے بعد عرب میں حکومت کی اور ناپید ہوگئے۔ عاد، ثمود، عمالقہ طسم، جدیس وغیرہ انہی میں داخل ہیں، عاربہ سے وہ قبائل مراد ہیں جو بائدہ کے ہمعصر تھے اور ان کے بعد عرب کے مالک ہوئے، قحطان، سبا، حمیر، معین وغیرہ انکی شاخیں ہیں مستعربہ سے وہ خاندان مراد ہیں جو حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد تھے اور عرب کے شمالی حصہ میں بودوباش رکھتے تھے،

انصار کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ عرب عاربہ کی اولاد ہیں، اس بنا پر عرب کے تمام نسابہ ان کے نسب نامے قحطان بن عابر تک پہنچاتے ہیں جو عرب عاربہ کا مورث تھا لیکن قحطان تک پہونچ کر اختلاف شروع ہوتا ہے، اور نسابہ عرب دو گروہ میں منقسم ہو جاتے ہیں،

(۱) ایک گروہ کہتا ہے کہ قحطان خود ایک مستقل خاندان کا بانی تھا، اس کا سلسلہ نسب یہ ہے، قحطان بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام اس کے نزدیک قحطان اور یقطن جس کا ذکر بائبل میں آیا ہے ایک ہیں،

(۲) دوسرا گروہ قحطان کو کوئی علیحدہ شاخ نہیں مانتا، بلکہ نابت بن اسمٰعیل کی اولاد بتاتا ہے، چنانچہ کلبی نے اپنے باپ سے یہی روایت کی ہے، کہ

انه ادرك اهل العلم والنسب	اُنھوں نے اہل علم اور نسابین کو
ينسبون كذالك	قحطان کی نسبت یہی فیصلہ کرتے پایا ہے،

ابن خلدون جلد ۲ ص

کلبی کے علاوہ بعض اہل یمن بھی اس کے مدعی ہیں[1]،

لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے حد درجہ کمزور ہے اور اس کی تردید میں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ تمام اہل یمن اس کے مخالف ہیں، چنانچہ مورخ مسعودی نے لکھا ہے کہ

واسائر الیمانیۃ تابی ذالک و	یعنی تمام اہل یمن اس کے منکر ہیں، اور
تذھب الی انہ قحطان بن عابر[2]	قحطان کو عابر کا بیٹا سمجھتے ہیں،

دوسری جگہ ہے (ص۸۲)

والقوم اعرف بانسابھم ینقلہ	اہل یمن اپنے نسب کو زیادہ جانتے ہیں
الباقی عن الماضی قولا وعملا متوارثاً	اور سلسلہ بہ سلسلہ نقل کرتے آئے ہیں کہ
انھم من ولد قحطان بن عابر	وہ قحطان بن عابر کی نسل سے ہیں، ان کے
لایعرفون غیر ذالک۔۔۔	سوا ان کا کوئی خیال نہیں،

البتہ پہلے خیال سے ہم کو اتفاق ہے، قحطان ایک مستقل قوم اور ایک مستقل سلطنت کا بانی تھا یمن میں اسکی اولاد موجود تھی اور سیکڑوں برس تک برسرحکومت رہی لیکن یہ کہنا کہ انصار بھی قحطان کی اولاد ہیں ہمارے نزدیک صحیح نہیں، اور یہ وہ خیال ہے جس کی تردید نہایت مشکل ہے،

نسابۂ عرب میں جو لوگ انصار کو قحطان کی اولاد مانتے ہیں ان کے دلائل اگرچہ کسی تاریخ میں مذکور نہیں تاہم ایسے مواقع پر وہ اشعار عرب سے استناد کرتے ہیں، اس بنا پر ہم اس دعویٰ کی تقویت کے لئے چند اشعار بھی درج کرتے ہیں، حضرت حسانؓ کا شعر ہے[3]،

تعلمتموا من منطق الشیخ یعرب	ابینا فصرتم معربین ذوی نفر

اس میں اگرچہ قحطان کا نام مذکور نہیں تاہم چونکہ یہ عدنانیوں (اسمعیلیوں) کے مقابلہ میں کہا گیا ہے

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۷ [2] کتاب التنبیہ والاشراف ص ۸ [3] العرب واطوارہم ص ۳۱،

اس لئے ضرور ہے کہ یعرب، قحطان کی اولاد سے ہو اور تھا،

عبد الرحمن بن حسان یا نعمان بن بشیر کا شعر ہے[1]،

لنا من بنی قحطان سبعون تبعا   افرت لها بالجزیۃ منها الاعاجم

لیکن یہ دونوں شعر صحت کے لحاظ سے بالکل مشکوک ہیں، پہلا شعر جو حضرت حسان رضی
کی طرف منسوب ہے، انکے دیوان میں موجود نہیں، اور حسان کے اشعار کی نسبت عام فیصلہ ہی کہ

تنسب الیہ اشیاء کثیرۃ لا تصح عنہ[2]   ان کی طرف بہت سے ایسے اشعار منسوب ہیں جو ان سے ثابت نہیں،

دوسرے شعر کی یہ کیفیت ہے کہ خود کہنے والے کا پتہ نہیں، پھر مضمون ایسا ہی کہ اسکو
دیکھکر ہنسی آجاتی ہے، عبد الرحمان ہوں یا نعمان کوئی بھی اتنا صریح جھوٹ گوارا نہیں کر سکتا تھا
ہمارا خیال یہ ہے کہ انصار قحطانی نہیں، بلکہ نابت بن اسمٰعیل کی اولاد ہیں یعنی وہ عرب
عاربہ نہیں بلکہ مستعربہ ہیں، یہ خیال مورخین اور نسابین کے خیال سے بالکل جدا ہی اور ہم اسکو
کسی قدر پھیلا کر لکھنا چاہتے ہیں، لیکن قبل اس کے کہ ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوں یہ
بتلانا ضروری ہے، کہ اس باب میں ہمارا طریقہ استدلال کیا ہوگا؟

مورخین عرب کسی قبیلہ کے نسب ثابت کرنے میں عموماً دو چیزوں سے مدد لیتے ہیں (۱)
نسابین کی روایت (۲) شعرائے قبیلہ کے اشعار اور یہ دونوں چیزیں تنہا قابل اعتماد نہیں نسابین
کی روایتیں اس درجہ لغو اور مہمل ہوتی ہیں کہ ان پر مشکل سے یقین آسکتا ہے، پرانے نسب نامے اٹھا کر
دیکھو تو معلوم ہوگا کہ تمام عالم آبائے توراۃ کے اندر سمٹ آیا ہی مثلاً منوچہر حضرت اسحٰق کا پوتا
ہے، ضحاک حمیر کا نواسہ[3] سبا کی اولاد ہیں، ہند، یونان، ترک جو خود نہایت قدیم قومیں ہیں سام

[1] التنبیہ والاشراف ص۸۵ [2] استیعاب ص۱۳۰ ج ۱ [3] ابن اثیر ص ۱۱۵ و ۱۱۶ ج ۱

حام اور یافث کی اولاد ہیں قحطان بن عابر (یہودیوں کے نزدیک) حام کی اولاد ہو وغیر ذلک یمن کے تبع، السحارث الرائش کے نسب نامہ میں اس درجہ اختلاف ہو کہ دو مورخ بھی ایک رائے سے متفق نہیں، یہانتک کہ طبری نے ایک جگہ اسکو سبا اصغر کی اولاد بتایا ہے لیکن دوسری جگہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اس پر قائم نہیں ہیں، وقس علیٰ ھذا،

اشعار عرب پر بے شک اعتماد ہو سکتا تھا لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کے بھی صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے، یہ ظاہر ہے کہ عرب بالکل امی تھے اور ان میں لکھنے پڑھنے کا بہت کم رواج تھا اس بنا پر ان کے پاس قدما کا ذخیرہ کیونکر محفوظ رہ سکتا تھا ؟ یہی وجہ ہے کہ جاہلیت کا جو کچھ کلام ہم تک پہنچا ہے، بہت کم ہے اور وہ بھی اسلام سے صدی دو صدی آگے کا نہیں،

اس کے علاوہ عرب میں بہت سے ایسے خاندان بھی تھے جن کے نسب نامے گڈمڈ ہو گئے، چنانچہ نعمان بن منذر شاہ حیرہ کے متعلق مشہور ہو کہ وہ قبیلہ لخم سے تھا لیکن جبیرؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اسکو عجم بن قنص کی اولاد بتایا[1]، قضاعہ، انمار، بجیلہ اسمٰعیلی اور نزاری تھے، اور مکہ ہی سے یمن گئے تھے لیکن امتداد زمانہ اور جہالت کے باعث قحطانیوں میں ضم ہو گئے اور جدید نسب نامے تیار کر لئے[2] اوروں کا بھی یہی حشر ہوا جن میں غسان، خزاعہ اور انصار بھی داخل ہیں، ایسی صورت میں ان قبائل کے شعراء اگر اپنے نسب نامے کسی غیر نسل تک پہنچائیں اور اسکو اشعار میں ظاہر کریں تو انکا کہانتک اعتبار کیا جا سکتا ہے ؟

اصل یہ ہے کہ انصار کے نسب نامہ میں سخت دقتیں واقع ہو گئی ہیں جن کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم قدیم طرز استدلال کو چھوڑ کر تحقیق و تفتیش کی ایک نئی راہ نکالیں جو نہایت صاف

---

[1] طبری ص ۷۴۵ ج ۲ [2] سیرت ابن ہشام ص ۱۱۸، ۷۶ ج ۱

واضح اور مستقیم ہو، چنانچہ اس کے لئے ہم نے حسب ذیل ماخذ قرار دیئے ہیں،

(۱) قرآن مجید،

(۲) احادیث صحیحہ،

(۳) اشعار عرب، جو روایت اور درایت کے اصول سے صحیح ہوں،

(۴) اکتشافات اثریہ،

۱۔ قرآن مجید سے اگر کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اسکی صحت میں کوئی مسلمان شک نہیں کرسکتا، لیکن دقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان قوموں کے نام آئے ہیں، جن کے حالات نہایت موثر اور عبرت خیز ہیں، اور چونکہ انصار اور تمام اسمٰعیلیوں نے جاہلیت میں کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے، اس لئے قرآن مجید میں ان کا ذکر کیونکر آسکتا ہے،

۲۔ حدیث میں البتہ انصار کے متعلق کچھ اشارے اور تصریحیں موجود ہیں، مثلاً حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ

مر النبی صلعم علی نفر من اسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو اسلم کے پاس سے
ینتضلون فقال النبی صلعم ارموا	گذرے جو تیر اندازی میں مصروف تھے اور
بنی اسمٰعیل فان اباکم کان	فرمایا آل اسمٰعیل! تیر پھینکو کیونکہ تمہارا
رامیاً[۱]	باپ قدر انداز تھا،

اسلم کا قبیلہ عرب میں خزاعہ کی اولاد مشہور تھا، اور خزاعہ، حارثہ بن مزیقیا، کا بیٹا ہے جو بقول نسابین قحطانی عرب تھا، چنانچہ امام بخاری نے بھی اسلم کا نسب نامہ اسی طرح نقل کیا ہے، اور وہ یہ ہے، اسلم بن افصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر[۲]، اور اس کے بعد لکھا ہے من خزاعۃ

[۱] صحیح بخاری ص۴۰۲ ج ۱ باب التحریض علی الرمی الخ [۲] ایضاً ص۴۹۹ باب نزل القرآن بلسان قریش،

ہم کو اس وقت اس نسب نامہ کی صحت اور سقم سے بحث نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ ایک مسلم الثبوت قحطانی خاندان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسمٰعیلی فرمایا، اور تمام مجمع نے اس کو قبول کیا،

دوسری حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی ہے، وہ حضرت ہاجرہؑ کے حالات بیان کرنے کے بعد انصار سے[1] مخاطب ہو کر کہتے ہیں[2]،

فتلک امکم یا بنی ماء السماء ‌ ‌ ‌ اے ماء السماء کے بیٹو! یہ تمھاری ماں تھیں،

ماء السماء عامر کا لقب ہے جو مزیقیا کا باپ تھا، ظاہر ہو کہ اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو نہ صرف ابوہریرہؓ اسکو بیان کر سکتے، اور نہ انصار میں اسکو کوئی سن سکتا، اس حدیث کے ساتھ اگر وہ حدیث بھی ملاؤ جس میں غیر کے نسب میں داخل ہونے والے کو جہنم میں جانے کی خبر دی گئی ہے تو یہ مسئلہ اور بھی زیادہ صاف ہو جاتا ہے،

مذکورۂ بالا حدیثیں بخاری میں متعدد جگہ آئی ہیں اور صحت کے لحاظ سے اس درجہ کی ہیں کہ ان میں شک نہیں کیا جا سکتا، اس بنا پر ان سے زیادہ انصار کے اسمٰعیلی ہونے پر اور کوئی شہادت نہیں پیش کیجا سکتی، انہی وجوہ سے خطابی نے اہل یمن کو اسمٰعیلی کہا ہے، بخاری نے جامع صحیح میں ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا نام "باب نسبۃ الیمن الی اسمٰعیل" ہے، ابن حجر تحقیق و کاوش کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں، ھذا ھو الذی یترجح فی نفسی[3]، قاضی عیاض بھی اسی کی طرف مائل ہیں[4]، اور سعید سمہودی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے[5]،

لیکن ان بزرگوں کی رایوں میں کچھ مبالغہ ہے، مذکورۂ بالا حدیثوں میں صرف دو قبیلوں کی

---

[1] فتح الباری ۳۹۰ ج ۶ باب نسبۃ الیمن الی اسمٰعیل [2] صحیح بخاری ۴۷۴ ج ۲ باب اتخاذ السراری و من اعتق جاریۃ ثم تزوجہا [3] فتح الباری ۳۹۰ ج ۶ [4] عمدۃ القاری عرف عینی ۲۵۵ ج ۷ مطبوعہ مصر [5] خلاصۃ الوفا ۱۸۱

نسبت تصریح آئی ہے، اسلئے ہم کو یہیں توقف کرنا چاہیے، اصل یہ ہے کہ یمن میں کچھ قبیلے یقیناً اسمٰعیلی تھے جو قحطانی مشہور ہوگئے تھے، لیکن اس سے تمام یمن اور خود قحطان کا اسمٰعیلی ہونا لازم نہیں آتا ہے

(۳) اشعار عرب میں سے دو شعر ہمارے پاس نہایت مستند ذریعہ سے پہنچے ہیں، جو حضرت حسان کے دادا منذر بن عمرو کے ہیں، وہ کہتا ہے[1]

وورثنا من البہلول عمرو بن عامر ۔۔۔ وحارثۃ الغطریف مجدا مؤثلا

مآثر من آل ابن نبت بن مالک ۔۔۔ ونبت بن اسمٰعیل ما ان تحولا

اس میں شاعر نے اپنے تمام سربرآوردہ بزرگوں کے اس ترتیب سے نام لئے ہیں، عمرو بن عامر، حارثۃ الغطریف، ثابت بن مالک اور پھر ثابت بن اسمٰعیل،

اسی شاعر کی ابوطاہر مقدسی نے جو نہایت قدیم مصنف ہے ایک روایت بھی نقل کی ہے اور وہ یہ ہے[2]

وقال المنذر بن حرام جد	حسان بن ثابت کا دادا منذر بن حرام جو
حسان بن ثابت بن المنذر فی الجاھلیۃ	خالص زمانہ جاہلیت میں تھا اُنکا (اوس خزرج)
العمیاء یذکر نسبھم الی	کا نسب غسان تک اور غسان سے ثابت بن
غسان ... ثم الی ثابت بن مالک	مالک تک اور ثابت بن مالک سے ثابت بن
ثم الی ثابت اسمٰعیل بن ابراہیم	اسمٰعیل بن ابراہیم تک پہنچاتا ہے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منذر اپنے کو غسان کا ہم نسب سمجھتا تھا، اور ان کا سلسلہ قحطان کے بجائے ثابت بن اسمٰعیل تک پہنچاتا تھا، اب اگر اس کے ساتھ اتنا اور بڑھایا جائے کہ یہ شاعر شاہان غسان کا معاصر تھا اور یہ اشعار انہی کے زمانہ میں لکھے گئے تو انصار اور آل غسان کے نسب کے

[1] فتح الباری ص ۲۹۳ ج ۶ [2] کتاب البدء والتاریخ لابی طاہر المقدسی المنسوب الی ابی زید البلخی ص ۱۲۲ وص ۱۲۳ ج ۴

متعلق اس سے موثوق تر شہادت کوئی نہیں مل سکتی،

۴۔ اکتشافات اثریہ میں ہمیں حسب ذیل چیزوں سے بحث کرنا ہے،

(۱) نظام اجتماعی یا طرز بود و ماند (۲) زبان (۳) مذہب، (۴) نام (۵) قرابت (۶) شکل و صورت

۱۔ نظام اجتماعی :۔ سامی زبانوں میں عرب کے معنی صحرا اور بادیہ کے ہیں، اس بنا پر عرب درحقیقت وہ ہیں جو بدوی بھی ہوں، یہی وجہ ہے کہ فراعنہ، اشوریوں اور فنیقیوں کے زمانہ میں عرب صرف شمالی حصہ کا نام تھا جو نیل سے دریائے فرات تک پھیلا ہوا ہے، اور یہ مسلم ہے کہ یہاں قاطبۃً اسمٰعیلی عربوں کی آبادی تھی،

انصار کی تاریخ پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ان کی زندگی بھی مدت تک بدویانہ رہی ہے چنانچہ وہ نابت بن اسمٰعیل کی وفات کے بعد یمن گئے ہیں، اور ۳۰۰ئہ تک یعنی تقریباً ڈھائی ہزار برس عرب کے مختلف حصوں میں مارے مارے پھرے ہیں، قدیم تاریخ کو چھوڑ کر اگر صرف مزیقیا اور اسکی اولاد ہی کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ سے یثرب کے قیام تک ان لوگوں نے سیکڑوں مقامات کی خاک چھانی ہے چنانچہ ان مقامات کے نام ہم نے انصار کی تاریخ میں لکھدیئے ہیں،

اس بدویت کے ساتھ انصار میں کسی قدر حضریت بھی پیدا ہو گئی تھی یعنی وہ مدینہ اکثر کاشت کرتے تھے، قلعے بناتے تھے، اور یہ انکے قحطی ہونے کا اثر تھا، اور اپنی حفاظت کیلئے قلعے تیار کرتے تھے۔

۲۔ زبان :۔ قحطانیوں اور اسمٰعیلیوں میں دوسرا فرق زبان کا ہے، قحطانیوں یا اہل یمن، کی زبان حمیری تھی اور وہ حجاز کی زبانوں سے بہت مختلف تھی چنانچہ مورخ مسعودی نے اسکی صاف تصریح کی ہے وجعل اللغۃ ولد قحطان بخلاف لغۃ ولد نزار بن معد (مروج الذہب ضہ ج ۱)

ہمدانی نے اس کو اور بھی مفصل بیان کیا ہے مثلاً ایک یمنی قبیلہ (خشب) کی زبان کے متعلق لکھتے ہیں،

والخشب عربی یخلط حمیریۃ — اور خشب کی زبان حمیری ملی ہوئی عربی ہے

خیوان کی نسبت

فصحاء وفیھم حمیریة کثیرة — فصیح ہیں لیکن حمیری بہت بولتے ہیں،

اہل صنعاء،

فی اھلھا بقایا من العربیة المحضة — اس کے باشندوں میں کسی قدر خالص عربی

ونبذ من کلام حمیر" — اور کچھ حمیری باقی ہے،

شبام، اقیان، مصانع، تخلی،

حمیریة محضة . . . . — ان کی زبان خالص حمیری ہے،

ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیری عربی زبان سے بالکل جدا گانہ چیز نہیں، اب اگر ہم خود اس عربی زبان کو لو جو یمن میں رائج تھی، تو ہم کو حجاز اور یمن کی زبانوں کا فرق صاف معلوم ہوگا، یہ صحیح ہے کہ دونوں زبانوں کی اصل ایک ہو لیکن ان میں اعراب ضمیر میں، اشتقاق اور تصریف میں جس قسم کا اختلاف موجود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے بولنے والوں میں اخلاق وعادات کے لحاظ سے کتنا فرق تھا،

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا یمن کی عربی حمیری زبان سے مخلوط تھی، اور اکثر مقامات میں غیر فصیح بھی تھی، بخلاف اس کے ہم جس قدر شمال کی طرف بڑھو گے زبان زیادہ صاف اور شستہ ملے گی یہانتک کہ حجاز پہنچکر نظر آئیگا

کذلک الحجاز فنجد السفلی فالی — حجاز، نجد سفلی، حدود شام، دیار مضر

الشام والی دیار مضر ودیار — اور دیار ربیعہ فصاحت کے معدن ہیں،

ربیعة فیھا الفصاحة ...

یمن اور حجاز کی عربی میں جس قسم کے اختلافات تھے انکو مختصر طور پر علامہ ہمدانی نے صفۃ جزیرۃ العرب میں بیان کیا ہے اور ہم طوالت کے خیال سے اسکو قلم انداز کرتے ہیں،

زبان کے اختلافات کے ساتھ حجاز و یمن کے رسم خط میں بھی اختلاف ہے، اہل یمن کا خط مسند تھا، بخلاف اس کے اہل حجاز کا نبطی اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے،

(۳) مذہب، حجاز و یمن کے باشندوں میں بڑا فرق طرق عبادت اور بتوں کے ناموں کا ہے، اہل یمن یا بنو قحطان کے بت اہل بابل کے بتوں سے مشابہ تھے، مثلاً ان کے نام یہ تھے عشتار، ایل، بعل وغیرہ، بخلاف اس کے اسمٰعیلیوں کے بت اُن سے بالکل علیحدہ تھے، چنانچہ انکے نام یہ ہیں لات، مناۃ، عزیٰ، ہبل، وغیرہ، نبطیوں کے جن بتوں کا کتبات میں ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں، ذوالشریٰ، خرا، اشتہ، لات، عمند، منوت یا منو تو (منات) قیس یا قینہ،

اب انصار اور قریش کے بتوں کا ان بتوں سے مقابلہ کرو تو صاف معلوم ہوگا کہ انکے اور نبطیوں کے بت بالکل ایک تھے، چنانچہ ہم نے اوپر جو نام لکھے ہیں اُن میں ذوالشریٰ، قبیلۂ دوس کا، لات ثقیف کا اور مناۃ انصار اور غسان کا بت تھا،

ہم اس سے بیخبر نہیں ہیں کہ اسماعیلیوں میں بھی بعض قبیلے بابلیوں کے بُت پوجتے تھے، مثلاً قبیلہ ہذیل اور کلب بن دبرہ (قضاعہ) سواع اور ود کی پرستش کرتے تھے، لیکن یہ بالکل جزئی واقعات ہیں جن سے ہمارے کلیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا،

اہل حجاز اور اہل یمن کے ہاں عبادت کے طریقے اس قدر مختلف تھے کہ اسماعیلیوں میں حج وا بت پرستی کے بعد بھی مذہب حنیف کی کچھ نہ کچھ یادگاریں باقی تھیں، مثلاً حج کعبہ چنانچہ انصار کے متعلق متفقاً مذکور ہے کہ وہ حج کرتے تھے، بخلاف اسکے اہل یمن کی نسبت اسکے مخالف شہادتیں ملتی ہیں، چنانچہ جب ابرہۃ الاشرم نے حج روکنے کیلئے کعبہ پر حملہ کیا ہے تو اُن کے ساتھ یمنیوں کی ایک

۱؎ ۲؎ قاموس ص ۹۳ ج ۲ ۳؎ سیرت ابن ہشام ص ۵ ج ۱ ۴؎ صحیح بخاری ص ۲۲۲ ج ۱ باب وجوب الصفا والمروۃ ۵؎ طبقات ابن سعد ص ۱۰ ج ۲ قسم ۱ ۶؎ سیرت ابن ہشام ص ۵ ج ۱ ۷؎ صحیح بخاری ص ۲۲۲ ج ۱ باب قول اللہ تعالیٰ واتوا البیوت من ابوابہا

جماعت بھی جس کا سرغنہ حناطہ حمیری تھا[1] اور خود بادشاہ حمیر بھی اسکے ساتھ آیا تھا[2]۔ اب اگر انصار یمانی النسل تھے تو انکو قدرۃً ابرہہ کے حملہ سے خوش ہونا چاہیئے تھا، کیونکہ کعبہ کے بجائے یمن میں ایک دوسرا کعبہ بنایا گیا تھا، اور ابرہہ اسکی طرف تمام عرب کو بجبر مائل کرنا چاہتا تھا لیکن واقعات شاہد ہیں کہ انصار کو مسرت نہیں بلکہ حد درجہ غم ہوا اور جس طرح قریش نے اس حملہ کی نسبت نہایت پر درد اشعار لکھے انصار نے بھی لکھے، چنانچہ انکے ایک شاعر ابو قیس صیفی بن اسلت نے متعدد قصیدوں میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے[3]،

ابراہیمی مذہب کی ایک یادگار ختنہ ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خود اپنے ہاتھ سے ختنہ کیا تھا[4]۔ انصار کے مورثوں میں ایک شخص کا نام تیم اللات ہے، اسکے نسبت ایک روایت ہے کہ اس نے بھی اپنے ہاتھ سے ختنہ کیا تھا اور اسی وجہ سے نجار مشہور ہوا[5]، اسکے ماسوا انصار نے مسلمان ہونے کے بعد اسلام کے تمام اوامر و نواہی پر عمل کیا ہے لیکن یہ کہیں مذکور نہیں کہ ان لوگوں نے مسلمان ہوکر ختنہ بھی کیا تھا،

(۴) نام، ہر قوم کے ناموں میں کچھ نہ کچھ خصوصیت اور امتیاز پایا جاتا ہے، قحطانی اور اسمعیلی قوموں کے ناموں میں بھی صریح تفاوت موجود ہے، قحطانیوں کے نام حموراییوں یا بابلیوں سے ملتے جلتے تھے جیسے یدع ال، ینفع، شرح ال، معدی کرب، ابوکرب، علہان، الیشرح، کرب ال، ذمر علی، وہب ال، یاسر ینعم، شمر یرعش، بخلاف اس کے اسمٰعیلیوں کے نام ان سے بالکل الگ ہوتے تھے مثلاً اسد، نمر، ثعلبہ، کلب، بکر، صخر، ثعبان، ہبل وغیرہ اس اختلاف کی ایک وجہ یہ تھی کہ قحطانی مدت سے صاحب حکومت تھے اور انھوں نے مال و دولت کے آغوش میں پرورش پائی تھی، اسلئے انکے ناموں میں تمدن کی جھلک

۱؎ سیرت ابن ہشام صفحہ ۳۲ ج ۱ ۲؎ طبری صفحہ ۹۴۲ ج ۳ ۳؎ سیرت ابن ہشام صفحہ ۳۰ ج ۱ ۴؎ صحیح بخاری صفحہ ۴۷۳ ج ۱ باب قول اللہ عزوجل واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا الخ ۵؎ عمدۃ القاری عرف عینی صفحہ ۹ ج ۷،

نظر آتی تھی، بخلاف اس کے اسمٰعیلی ازل سے بدو تھے، اس لئے حالات گرد و پیش کے اثر سے کتا، بھیڑیا، شیر، چیتا، پہاڑ، پتھر وغیرہ نام رکھتے تھے، کیونکہ یہی چیزیں ہر وقت ان کی نگاہ کے سامنے رہتی تھیں انصار قریش اور نبطیوں کے ناموں میں یہ فرق صاف معلوم ہوگا، مثلاً

قریش کے نام یہ ہیں، فہر، کنانہ، نزار، اسد، زہرہ، عدی، کعب، سعد، عمرو، عثمان، حرب، خالد،

نبطیوں کے نام یہ ہیں، حارث، عبادہ، مالک، جمیلہ،

انصار کے نام یہ ہیں، غضب، خزرج، اوس، خالد، زید، کلیب، ثعلبہ، غنم، عبادہ، عمرو، عامر، حارثہ

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انصار اور قریش کے نام، قحطانیوں کی بہ نسبت نبطیوں سے زیادہ ملتے ہیں،

۵۔ **قرابت:** یہ مسلم ہے کہ عرب میں خاندان اور کفو کا بڑا لحاظ کیا جاتا تھا، انصار کے اسمٰعیلی ہونے کا یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ انکی قرابتیں مکہ اور خاص قریش میں ہوتی تھیں، چنانچہ اسکو ہم کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں،

انصار کے مورثین میں ایک شخص کا نام ازد ہے جس کی نسبت حضرت حسانؓ کہتے ہیں[۱]،

اما سألت فانا معشر نجب　　　الازد نسبتنا و الماء غسان

قریش کی اسکی اولاد سے قرابتیں نہایت قدیم زمانہ سے چلی آتی ہیں، چنانچہ کنانہ بن خزیمہ کی شادی ہالہ بنت سوید سے ہوئی تھی جو حارثۃ الغطریف کی حقیقی پوتی تھی[۲]،

کنانہ کے بعد غالب بن فہر نے قبیلۂ خزاعہ میں شادی کی[۳] اور خزاعہ کی نسبت مشہور ہے کہ وہ عمرو مزیقیا کی اولاد تھا[۴]،

مرہ بن کعب نے جو غالب کی نسل سے تھا، ام تیم بنت سریر سے نکاح کیا جو بارق کے خاندان سے تھی[۵]

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام ص ۹ ج ۱ [۲] تاریخ یعقوبی ص ۲۶۷ ج ۱ [۳] سیرۃ ابن ہشام ص ۵۸ ج ۱ [۴] یعقوبی ص ۲۳۲ ج ۱

اور بارق متفقاً مزیقیا کی نسل تسلیم کیا جاتا تھا[۱]

قصی بن کلاب نے بھی خزاعہ میں نکاح کیا تھا، جن سے عبد مناف پیدا ہوئے[۲]،

ہاشم بن عبد مناف نے سلمی بنت عمرو سے شادی کی جو خاندان بنو نجار سے تھیں، عبد المطلب جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد بزرگوار تھے، انہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے،

رفت شیبۃ والنجار قد جعلت　　ابناء ها حوله یا لنبل تنتضل

ہاشم نے ثعلبہ بن خزرج میں بھی ایک شادی کی تھی، اور ابو صیفی انہی سے پیدا ہوئے تھے[۳]

عبد المطلب نے قبیلۂ خزاعہ میں دو شادیاں کی تھیں، جن سے ابو لہب اور حجل پیدا ہوئے تھے[۴]

عبد المطلب کے بیٹوں میں مقوم اور حضرت حمزہ رض کا نکاح مدینہ میں ہوا، چنانچہ مقوم کی بیوی

مالک بن نجار کے خاندان سے تھیں، حضرت حمزہ کی دو شادیاں ہوئیں اور دونوں انصار میں ہوئیں، ایک بیوی

بنو نجار سے تھیں اور دوسری قبیلۂ اوس سے، جو بنو نجار سے تھیں ان کا نام خولہ بنت قیس تھا[۵]

ان لوگوں کے علاوہ انصار کے متعدد اشخاص نے بھی قریش میں نکاح کئے تھے، چنانچہ ان میں سے

بعض کے نام یہ ہیں،

انیس بن قتادہ، عمرو بن عوف کے خاندان سے تھے، ان کی شادی خنامہ بنت وہب سے

ہوئی، جو بنو اسد (خزیمہ بن مدرکہ کی اولاد) سے تھیں[۶]،

ابو قیس بن اسلت قبیلہ اوس سے تھے، ارنب بنت اسد سے جو قصی بن کلاب کے

خاندان سے تھیں، شادی کی، ارنب حضرت خدیجہ رض کی پھوپھی اور حضرت زبیر رض بن عوام کی دادی ہوتی تھیں[۷]

خیر یہ تو زمانہ جاہلیت کا زمانہ تھا، اسلام کے زمانہ میں مہاجرین سے مدینہ آکر جو قرابتیں کیں، وہ

---

[۱] سیرت ابن ہشام ص ۶ ج ۱ [۲] طبری ص ۱۰۹۶ ج ۲ [۳] سیرت ابن ہشام ص ۱۶۰ ج ۱ [۴] یعقوبی ص ۲۹۱ ج ۱
[۵] زرقانی ص ۳ ج ۳ مسند ص ۳۸۰ ج ۶ [۶] اسد الغابہ ص ۱۲۱ ج ۵ [۷] سیرت ابن ہشام ص ۱۲۵ ج ۳،

ان سے الگ ہیں، مہاجرین مکہ سے عموماً یکہ و تنہا آئے تھے، کیونکہ ان میں سے بہتوں کی بیویاں یا تو علانیہ اسلام سے منحرف تھیں اور یا ہجرت کرنے میں ان کے خاندان مزاحم تھے، اس بنا پر مدینہ آکر مہاجرین نے انصار میں شادیاں شروع کیں، چنانچہ مسند احمد میں ہے، [1]

لما قدم المهاجرون المدينة	یعنی جب مہاجرین مدینہ آئے تو انصار کی
على الانصار تزوجوا من نسائهم	عورتوں سے شادیاں کیں،

چونکہ مہاجرین عموماً قریشی تھے اور قریش سے انصار کی قدیم قرابتیں چلی آتی تھیں، اسلئے انصار کو ان سے قرابت کرنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا؟ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ نے انصار کے مختلف خاندانوں میں شادیاں کیں، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے دو نکاح کئے جن میں سے ایک کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے، [2] البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار میں کوئی شادی نہیں کی لیکن اس شرف سے نہ صرف انصار بلکہ خود بنو ہاشم بھی محروم رہے، چنانچہ علامہ ابن اثیر نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیب (حضرت عباسؓ کی صاحبزادی) کو دیکھا تو فرمایا کہ اگر یہ میری زندگی میں جوان ہو گئی تو اس سے نکاح کرونگا لیکن پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی انتقال فرما گئے، [3] انصار کے متعلق بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ حبیبہ بنت سہل سے آپ نکاح کرنا چاہتے تھے لیکن جب انصار کی غیرت کا خیال آیا تو یہ خیال چھوڑ دیا، [4]

(۶) **شکل و صورت**: انصار شکل و شباہت میں بھی اسماعیلیوں سے مشابہ تھے، انکا عام حلیہ یہ تھا کہ وہ خوبصورت، سڈول، گورے یا گندمی، میانہ قد اور صاف ستھرے ہوتے تھے، چنانچہ قرآن مجید میں منافقین کے متعلق ہے،

---

[1] مسند ج ۳ ص ۲۱۷ [2] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۵ باب قول الرجل لاخیہ انظر ای زوجتی شئت الخ
[3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۶۱۲ [4] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۲۲ .

وَاِذَا رَأَیْتَہُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُہُمْ (منافقون) — اور تم جب ان کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تم کو بھلے معلوم ہوتے ہیں،

اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری میں لکھا ہے[1]،

کانوا رجالاً اجمل شیٔ — یعنی وہ نہایت خوبصورت لوگ تھے

یہ ظاہر ہے کہ منافقین انصار ہی کے قبیلوں سے تھے، چنانچہ عبد اللہ ابن ابی جو راس المنافقین تھا اور جس کی نسبت یہ آیت نازل ہوئی تھی خود انصار کے ایک قبیلہ کا سردار تھا، اس کے ماسوا انصار میں بہت سے بزرگوں کے حلیے ہم انکے حالات میں لکھیں گے، انکو پڑھ کر ایک مرتبہ قریش کے حلیوں پر نظر ڈالو تو صاف معلوم ہوگا کہ دونوں قوموں کی شکل و شباہت میں کچھ فرق نہیں، بخلاف اس کے قحطانی چونکہ یمن میں رہتے تھے اس لئے انکا رنگ سیاہ اور قد نہایت دراز ہوتا تھا، چنانچہ عاد کے قد و قامت کی درازی کا خود قرآن مجید میں ذکر آیا ہے،

بہر حال انصار کے نسب نامہ کے متعلق ہماری جو رائے تھی اسکو ہم نے نہایت تفصیل کے ساتھ لکھدیا ہے، متقدمین کے اقوال بھی نقل کر دیئے ہیں، اور اب ناظرین کو موقع ہے کہ ان رایوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے لیں،

انصار کی تاریخ

مورخین عرب کا بیان

چونکہ عرب کے مورخین انصار کو قحطان کی اولاد سمجھتے ہیں، اسلئے وہ انکی تاریخ قحطان کے عہد سے شروع کرتے ہیں، قحطان کی اولاد میں عبد شمس نامی ایک شخص تھا جو سبا کے لقب سے مشہور ہے اور یمن کی سبائی سلطنت کا بانی سمجھا جاتا ہے، اس کے دو بیٹے تھے حمیر اور کھلان، اُس نے اپنی وفات کے وقت دونوں بیٹوں، خاندان شاہی اور عمائد سلطنت کو طلب کیا اور وصیت کی کہ حمیر کو جو میرا بڑا

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۲۸ باب تفسیر سورۂ منافقین

لڑکا ہے، سلطنت کا دایاں قطعہ اور کھلان کو بایاں قطعہ دیا، چونکہ داہنے ہاتھ کے لئے تلوار کوڑے اور قلم کی ضرورت ہوتی ہے اور بائیں کے لیے عنان، ڈھال اور کمان کی، اس لئے سب نے طے کیا کہ بادشاہ حمیر کو بنانا چاہیئے اور کھلان صرف سلطنت کا محافظ رہیگا، چنانچہ حمیر یمن کا بادشاہ بنا دیا گیا اور اس کے بعد اسکی اولاد نسلاً بعد نسلٍ مسند حکومت پر متمکن ہوتی رہی، کھلان اور اسکی اولاد سلطنت کے استحکام حفاظت اور مدافعت کا کام انجام دیتی تھی، الحارث الرائش کے زمانہ میں عامر بن حارثہ جو ماء السماء کے لقب سے مشہور ہے اور اس کے بعد اسکا بیٹا عمرو مزیقیا بھی یہی خدمت انجام دیتے رہے، عمرو کی بیوی نے جس کا نام طریفہ بنت جبر تھا اور کاہنہ تھی ایک روز یہ خواب دیکھا کہ یمن کو ایک سیاہ بادل محیط ہو گیا ہے، بجلی نے چمک چمک کر تمام یمن میں زلزلہ ڈال دیا ہے، اور جہاں گرتی ہے وہ مقام ایک تودہ خاکستر ہو جاتا ہے، گھبرا کر اٹھی تو عمرو سے یہ خواب بیان کیا اور کہا اب خیر نہیں، عمرو نے کہا پھر کیا کرنا چاہیئے؟ بولی کہ یمن کو جلدی چھوڑ کر کسی طرف نکل جانا چاہیئے ورنہ دیوار (عرم) ٹوٹنے والی ہے جس سے تمام یمن غرقاب ہو جائیگا،

عمرو کے پاس ساز و سامان، مال و دولت اور خیل و حشم کی وہ فراوانی تھی کہ وفعۃً کوچ نہیں کر سکتا تھا، اسکے علاوہ لوگوں سے کیا کہتا؟ اس لئے اس نے ایک تدبیر سوچی اور اپنے بڑے لڑکے ثعلبہ سے کہا کہ میں تمکو ازدیوں کے سامنے کوئی حکم دونگا، تم اسکی تعمیل سے انکار کرنا اور جب تنبیہ کروں تو ایک تھپڑ مارنا، ثعلبہ نے کہا یہ گستاخی کیونکر ممکن ہے؟ بولا کہ مصلحت اسی میں ہے، غرض تمام سرداروں کو ایک پرتکلف دعوت دی، جب سب جمع ہو گئے تو ثعلبہ کو کسی کام کا حکم دیا، اسنے انکار کیا تو عمرو نے نیزہ اٹھایا، ثعلبہ نے فوراً ایک تھپڑ کھینچ مارا، عمرو بولا ہائے افسوس! یہ ذلت! اتنا سننا تھا کہ ثعلبہ کے بھائی اسکے قتل پر کمربستہ ہو گئے، عمرو نے روکا اور کہا، اسکو چھوڑ دو، میں اپنی جائداد فروخت کر کے کہیں نکلا جاتا ہوں، اور اسکو اس گستاخی کے عوض ایک حبہ بھی نہ دونگا، غرض اس بہانہ

سے عمرو نے اپنی تمام جائداد نہایت سستے داموں فروخت کر ڈالی، اور اپنے بیٹوں، پوتوں، اور کنبہ والوں کو لے کر یمن سے نکل کھڑا ہوا، اس کے بعد یمن میں عام تباہی آئی اور سد ٹوٹ گیا، عمرو نے مارب سے نکل کر بلاد عک میں سکونت اختیار کی، اور اپنے تین بیٹوں یعنی حارثہ، مالک، اور حارثہ کو آگے روانہ کیا۔ یہ لوگ ابھی واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ عمرو نے وفات پائی اور ثعلبۃ العنقاء اس کا بڑا بیٹا جانشین ہوا[1]، اس کے بعد ان لوگوں نے عک سے بھی کوچ کیا، اور عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئے، چنانچہ خزاعہ حجاز (مکہ) میں، غسان شام میں، اور اوس و خزرج یثرب میں مقیم ہوئے[2] اور اس طرح سبائے اولی کا خاتمہ ہوگیا، عرب میں یہ مثل "تفرقوا ایدی سبا" اسی وقت سے مستعمل ہوئی،

یہ روایت اگرچہ تمام تر خرافات کا مجموعہ ہے لیکن اس میں اصولی حیثیت سے جو غلطیاں ہیں ان کا ظاہر کرنا نہایت ضروری ہے،

(۱) مزیقیا نے محض ایک کاہنہ کے کہنے سے یمن کو خیرباد کہا، اور چاروں طرف مارا مارا پھرا، نہایت لغو ہے، اور اگر ہمارے مورخین کی یہ روایت صحیح ہے کہ عمران بن عامر اور اس کا بھائی عمرو (مزیقیا) یمن کے بادشاہ تھے اور عمران کے زمانہ میں سلطنت حمیر سے کہلان میں منتقل ہوگئی تھی[3]، تو اس لغویت کی کیا انتہا رہ جاتی ہے

(۲) بند مارب یمن تھا، اس لیے اس کے ٹوٹنے سے تمام یمن تباہ نہیں ہوسکتا تھا، اور نہ اس لیے مزیقیا کو مارب چھوڑنے کی ضرورت تھی نہ کہ تمام یمن کی،

(۳) یہ بند مزیقیا کے بعد بھی کئی بار ٹوٹا ہے، چنانچہ ابرہہ کے زمانہ میں بھی ۵۴۲ء دستہ حمیری میں ٹوٹ گیا تھا، لیکن اسکی مرمت کرا دی گئی، اور جیسا کہ ابرہہ نے کتبہ میں ظاہر کیا ہے اسکی تعمیر میں ۱۱ ماہ،

---

[1] العقود اللؤلؤیہ ص ۱۰ ج ۱، [2] ابن اثیر ص ۲۹۴ ج ۱، [3] تاریخ ابوالفداء ص ۱۰ ج ۱

اٹھاون دن صرف ہوئے تھے،[1] عمرو مزیقیا جو عرب مورخین کے نزدیک بڑے سطوت و جبروت کا بادشاہ گذرا ہے کیا اس کی تعمیر سے عاجز تھا؟

(۴) سب سے اخیر یہ کہ سبا والوں کی تباہی سیلاب کی وجہ سے نہین ہوئی، اسکی وجہ سے مارب کے صرف وہ باغ ویران ہوئے جو اسکے دائین اور بائین واقع تھے، اور جن کو قرآن مجید نے "جنتین" کے نام سے یاد کیا ہے، سبا کی بربادی کا اصلی راز حبش پر اکسومی خاندان کا تسلط، شمالی عرب میں اسماعیلیون کا خروج، اور یمن میں حمیر کا ظہور تھا جس کی وجہ سے انکی نوآبادیان نکل گئین، تجارت مسدود ہوگئی، اور قوت و شوکت کا شیرازہ بکھر گیا،

ہمارا خیال

ہم انصار کو نابط کی اولاد بتلا چکے ہین، اس لیے ہم کو ان کی تاریخ نابط کے عہد سے شروع کرنا چاہیے،

نابط نابط (نابت) یا نبت، عبرانی مین نبایوت (נביות) ہے، توراۃ مین ان کا نام حضرت اسمعیلؑ کے بیٹون کے سلسلہ مین آیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ ان کے سب سے بڑے بیٹے تھے،[2] مورخین عرب نے بھی انکا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں،[3]

من نابت وقیدار نشر اللہ العرب	یعنی خدا نے عرب کو نابت اور قیدار سے پھیلایا،

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں لکھا ہے،[4]

ولی البیت بعد اسماعیل ابنہ	یعنی حضرت اسماعیلؑ کے بعد کعبہ کی تولیت
نابت	ان کے بیٹے نابت کو پہنچی،

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نابت مکہ مین رہتے تھے، اور خانہ کعبہ جس کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ نے تعمیر کیا تھا، ان کی تولیت مین تھا، اس کے علاوہ ان کے حالات کچھ معلوم نہیں، اور معلوم بھی کیونکر ہون،

[1] Mitt 1897، [2] سفر تکوین ۲۵-۱۳، [3] تاریخ طبری ص ۳۵۲ ج ۱، [4] سیرت ابن ہشام ص ۴ ج ۱،

اس زمانہ تک اسماعیلی عربوں نے کوئی تمدن پیدا نہیں کیا تھا، بلکہ محض بدویانہ حیثیت سے رہتے تھے،

نابط کی اولاد | چونکہ مکہ کی سرزمین بالکل بے آب وگیاہ تھی، اس لیے نابت کی وفات کے بعد ان کی اور ان کے بھائیون کی اولاد عرب کے مختلف حصون مین جاکر آباد ہوگئی[1]، چنانچہ دوماہ، دومۃ الجندل مین تیما، نجد مین، نافیش، وادی القری مین، مسا، حدر (حدو) قیدماہ یمن مین، اور نابت کی اولاد عرب کے شمالی مغربی حصہ مین مقیم ہوئی لیکن قیدار بن اسمٰعیل اب تک مکہ ہی مین تھے[2]، لیکن جب مضاض بن یہی نے خانہ کعبہ پر قبضہ کرلیا[3]، تو انھون نے بھی مکہ کی سکونت ترک کردی اور کاظمہ، غمر ذی کندہ، اور شعبتین وغیرہ مین جابسے، اور اس طرح حضرت موسیٰ کے اس بیان کی تصدیق کی جس مین انھون نے آل اسمٰعیل کی آبادی کی نسبت فرمایا ہے کہ" وہ حویلاہ (یمن) سے شور (شام) تک آباد ہوئے[4]،

انباط | اوپر گذر چکا ہے کہ نابت کی اولاد، حجاز کے شمالی حصہ مین مقیم ہوئی تھی، چنانچہ یہان انھون نے ایک زمانہ کے بعد حضرت مسیحؑ سے چار سو برس پہلے ایک حکومت قائم کی جو تاریخ میں دولۃ الانباط کے نام سے مشہور ہے، اس کی حکومت کا پایۂ تخت حجر (پٹرا) تھا جس کو یہودی سالاع (סלע) کہتے ہیں، سکندر اعظم کے زمانہ میں یہ حکومت اس درجہ قوی تھی، کہ جب اس نے ایران، مصر پر فوج کشی کی تو اسکی فوجین بھی رومی فوجون کے پہلو بہ پہلو لڑ رہی تھیں، انٹیگون (Antigon) جانشین سکندر نے ۳۱۲ ق م مین اس پر حملہ کیا، لیکن شکست کھائی، اس کے بعد ڈیمتریوس نے پٹرا کا محاصرہ کیا، اور ناکام واپس ہوا[5]،

۲۰۰ ق م مین نبطی حکومت نہایت پرزور ہوگئی اور سبا کا اثر شمال سے اکھاڑ دیا[6]، ۱۶۲ ق م مین حارث تخت نشین ہوا، جو اس حکومت کا سب سے بڑا بادشاہ گذرا ہے، اس کے عہد میں اس حکومت کے

---

[1] یعقوبی ص ۲۵۳ ج ۱ [2] الاخبار الطوال ص ۱۱ [3] طبری ص ۱۱۳۱ ج ۳ [4] تکوین ۲۵-۱۸،

[5] Encycl. Brit. vol. 19, P. 264 [6] Sharpe 1.274

حدود جنوب مین وادی القری تک مشرق مین حدود عراق تک اور مغرب مین جزیرہ نمائے سینا تک تھے، سٹرابواس (Strabo's) نے نبطیون کا ملک اس سے بھی وسیع بتایا ہے،

اور بائبل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اپنے زمانہ مین نہایت مشہور اور زبردست تھی[۱]،

غرض دوسری صدی عیسوی کے اوائل تک نبطیون نے نہایت زور و قوت کے ساتھ حکومت کی یہان تک کہ ۱۰۶ء مین ٹراگان شاہنشاہ روم نے ایک کثیر لشکر بھیجکر ان کو پامال کر دیا، وسبحان من یرث الارض ومن علیہا!

ازد انباط کی طرح آل ثابت کی ایک شاخ ازد بھی ہے، جو کسی نامعلوم زمانہ مین یمن جا کر آباد ہوئی،

ہماری مراد اس سے قبیلۂ ازد یا اسد ہے، جو نبت بن مالک کی اولاد مین تھا[۲]، چنانچہ حضرت حسان کہتے ہیں

اما سألت فانا معشر نجب ... الازد نسبتنا والماء غسان[۳]

وغن نالنعوت من بنت الذي اس ... من يکهلان وہ اہل المفاخر[۴]

من تلک ... معشر الاسد سائل ... فنحن بنو النعوت بن زید بن مالک

اوپر گذر چکا ہے کہ اسماعیلیون کے چند خاندان یمن مین مقیم ہوے تھے، غالباً اسی زمانہ مین یا اس کے بعد یہ لوگ بھی یمن گئے ہون گے، چنانچہ ان کی اقامت کا سب سے پہلے مارب مین پتہ چلتا ہے، جب یہ خاندان وسیع ہوا تو قحط سالی یا دوسرے اسباب کی بنا پر مارب کو چھوڑنے کی ضرورت لاحق ہوئی، اس زمانہ مین اس خاندان کا رئیس عمرو بن عامر تھا، جو تاریخ عرب میں مزیقیا کے لقب سے مشہور ہے، اور جو تمام انصار و غسان کا مورث اعلیٰ ہے، چنانچہ اوس بن حارثہ جد قبیلۂ اوس کہتا ہے[۵]،

تقربهم من آل عمرو بن عامر ... عیون لدی الداعی الی طلب الوتر

---

[۱] اشعیاء ۶۰-۷، [۲] البتیہ والاشراف ص، [۳] انساب سمعانی ص، [۴] سیرت ابن ہشام ص ج ۱، [۵] یعقوبی ص ج
[۶] دیوان حسان ص، [۷] خلاصۃ الوفا ص،

حضرت حسان فرماتے ہیں

ارحنا بنی مسعود والسعود التقی سمت	بمکۃ من اولاد عمرو بن عامر[۱]
ورثنا اولاد عمرو بن عامر	لنا شرف یعلو علی کل مرتق[۲]
لحفنۃ والقمقام عمرو بن عامر	واولاد ماء المزن وابنی محرق

حضرت اوس بن صامت کا شعر ہے[۳]،

انا ابن مزیقیا عمرو وجدی	ابو عامر ماء السماء

انصار کی تاریخ اسی کے زمانہ سے روشنی میں آئی ہے، چنانچہ اس کے اور اسکی اولاد کے مقامات سفر نہایت تفصیل سے کتابوں میں قلمبند ہیں، اور ہم ان ہی کی مدد سے انصار کی تاریخ مرتب کرنا چاہتے ہیں،

عمرو نے اولاً مالک بن یمان اور قبیلہ ازد کو لے کر مارب سے کوچ کیا، نواح خولان، سرزمین عس اور کشت زار صنعا میں قیام کرتے ہوئے اذال اور ہمدان میں مقیم ہوئے، چونکہ آدمیوں کا ایک جم غفیر ساتھ تھا، اور اونٹ، گھوڑے، گائے، بکریاں بھی با فراط تھیں، اس لیے ان کو شاداب مقاموں کی تلاش رہتی تھی، اور ان کے آدمی اس مقصد کے لیے مختلف حصوں میں گشت لگاتے تھے جب پانی اور سبزی کا ذخیرہ ختم ہوجاتا اور کسی دوسرے مقام کی اطلاع ملتی تو وہاں روانہ ہوجاتے اور اس جگہ کو چھوڑ دیتے تھے، ہمدانی لکھتے ہیں[۴]

فاقبلوا لا یمرون بماء الا نزفوہ	یہ لوگ جہاں جاتے تھے پانی کو صاف کر دیتے
ولا بکلاء الا سفوہ	تھے اور گھاس کو چرا دیتے تھے،

غرض کچھ زمانہ تک اذال اور ہمدان میں ٹھہرنے کے بعد جب پہاڑوں پر چڑھنے کی قوت پیدا ہوگئی تو سہام اور رمع کی سمت سے پہاڑوں پر چڑھ کر وادی ذوال میں اترے، اور

---

[۱] اصابہ صفحہ ۸۷ ج ۲، [۲] دیوان حسان ص ۳۰۵، [۳] استیعاب صفحہ ۳۳ ج ۱، [۴] صفت جزیرۃ العرب صفحہ ۲۰۶،

قبیلۂ غافق کو شکست دی[1]، اس کے بعد یہاں سے نکل کر تہامہ یا غور کے اس حصہ میں قیام کیا جہاں قبیلۂ عک کی آبادی تھی، یہ ایک تالاب تھا جس کا نام غسان تھا[2]، قبیلۂ عک جو ایک اسماعیلی قبیلہ تھا، یمن آکر آباد ہوا تھا، چنانچہ عباس بن مرواس عدنانی کہتا ہے[3]

وعک بن عدنان الذین تلعبوا بغسان حتی طردوا کل مطرد

عمرو بن عامر کے غسان پر مقیم ہونے کی شہادت حضرت حسانؓ کے ایک شعر سے بھی ملتی ہے، وہ فرماتے ہیں:-[4]

اما سألت فانا معشر نجب الازد نسبتنا والماء غسان

لیکن اس کے قیام کا زمانہ مورخین عرب متعین نہیں کرتے، البتہ یونانی مورخین نے متعین کیا ہے، چنانچہ بطلیموس نے سنہ ۲ء کے اواسط میں قبیلہ غسان کا تذکرہ کیا ہے[5]، اور یہ معلوم ہے کہ غسان اور مزیقیا کوئی جداگانہ چیز نہیں[6]،

معارف ابن قتیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو نے اولاد عک سے کسی قدر دور سکونت اختیار کی تھی، لیکن جب وبا پھیلی اور عمرو نے انتقال کیا تو ثعلبہ بن عمرو نے جو عنقا کے لقب سے مشہور ہے، عک کے رئیس شملقہ بن الجباب کے پاس کہلا بھیجا کہ ہمارے ہاں کی آب و ہوا خراب ہو گئی ہے، اس لیے ہم تمہارے پاس آنا چاہتے ہیں، اور چند روز ٹھہر کر کہیں اور چلے جائیں گے، لیکن عک نے اس کو نامنظور کیا، اور دونوں قبیلوں میں ایک خونریز جنگ چھڑ گئی جس میں عک نے شکست کھائی، اور شملقہ مارا گیا، اب ثعلبہ کو غسان میں رہنے کا موقع تھا لیکن جیسا کہ علامہ ہمدانی نے لکھا ہے، عک کا تمام خاندان ان لوگوں کا دشمن ہو گیا تھا، اس کے

---

[1] صفۃ جزیرۃ العرب ص۲۰۹ [2] عقد الفرید ص۵ ج ۲ [3] سیرت ابن ہشام ص۸ ج ۱ [4] خلاصۃ الوفاء ص۲

[5] اسپرنگر ۲۲۴ و ۲۲۵ [6] تاریخ یعقوبی ص۲۳۱ ج ۱

علاوہ جذع بن سنان جو خود ثعلبہ کا سپہ سالار تھا، سخت چالاک اور مکار واقع ہوا تھا، اس کی چال بازیوں نے ثعلبہ کو اور بھی تکلیفیں پہونچائیں، جن کی وجہ سے وہ غسان سے کوچ کرنے پر بالکل آمادہ ہو گیا،[1]

ثعلبۃ العنقاء، عمرو مزیقیا، کا سب سے بڑا لڑکا اور اوس وخزرج کا جد اعلیٰ ہے حضرت حسانؓ اس کی نسبت فرماتے ہیں،[2]

ولدنا بنی العنقاء وابنی محرق فاکرم بنا خالا واکرم بذا ابن ما

اس نے بلادِ عک سے نکل کر نجران میں اقامت کی اور یہاں قبیلۂ مذحج سے جنگ ہوئی،[3] اس کے بعد حجاز کا قصد کیا، اور چلتے پھرتے مکہ کے قریب آکر فروکش ہوا، مکہ میں قبیلۂ جرہم آباد تھا، اس لیے ثعلبہ نے اس سے سکونت کی اجازت طلب کی اور کہلا بھیجا کہ "ہم جہاں گئے وہاں ہمارا نہایت تپاک سے خیر مقدم ہوا ہے، اس بنا پر ہم تم سے بھی اسی کے آرزومند ہیں، ہم کو چند روز مکہ میں قیام کرنے دو، جب وقت کوئی عمدہ اور پرفضا مقام مل جائے گا، یہاں سے چلے جائیں گے، ہمارے آدمی شام اور مشرق میں اس غرض سے گئے ہوئے ہیں، لیکن جرہم پر ان باتوں کا کچھ اثر نہ پڑا، اور اس کو ٹھہرانے سے صاف انکار کر دیا، ثعلبہ نے کہا "اب ہم ضرور ٹھہریں گے، خواہ تم خوش ہو یا ناخوش"، غرض تین دن تک لڑائی ہوئی، جس میں جرہم نے شکست کھائی،[4] اور ثعلبہ نے مکہ، طود یا سراۃ (عرفہ کا پہاڑ) سروم، اور جدہ وطائف تک تمام مقامات پر قبضہ کر لیا،[5]

چونکہ یہاں کی آب و ہوا ان لوگوں کے ناموافق تھی، اس لیے ایک ہی سال قیام

---

[1] صفۃ جزیرۃ العرب صفحہ ۲۰۹ [2] دیوان حسان صفحہ ۹۷ [3] تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۳۳ ج ۱ [4] خلاصۃ الوفاء صفحہ ...
[5] صفۃ جزیرۃ العرب صفحہ ۲۰۱،

کے بعد بخار میں مبتلا ہوگئے،[1] اور ثعلبہ مکہ میں وفات پاگیا، جب ان قبائل کو دوسرے مقامات
تلاش کرنے کی ضرورت ہوئی تو بنو خزاعہ کی اولاد مکہ سے نکل کر ثعلبیہ اور ذی قار تک مقیم
ہوئی، اور وہاں کے تالاب پر قبضہ کر لیا[2] خزاعہ نے مکہ ہی میں رہنا پسند کیا اور تہامہ وادی مر
(مرالظہران) پر اپنا تسلط جمایا حسان بن ایوب انصاری بھی کہتے ہیں[3]

فلما هبطنا بطن مر تخزعت خزاعة منا في حلول كراكر

اسماعیل بن رافع انصاری کا شعر ہے

فلما هبطنا مكة احمدت خزاعة دار الآكل المتحامل

نصر بن ازد نے عمان اور بحرین میں سکونت کی، مالک بن فہم نے عراق کا راستہ لیا،
اور جفنہ بن عمرو نے شام کی سکونت اختیار کی، غرض اس طرح یہ تمام قبائل نجد یمامہ بحرین
عمان، عراق، حجاز اور شام تک پھیل گئے[4]

اوس وخزرج ثعلبہ میں ان قبائل کی جو شاخ قیام پذیر تھی، جب اس کی تعداد میں اضافہ ہوگیا،
تو وہ اس مقام سے کوچ کرکے یثرب کی سمت روانہ ہوئی، اور قریظہ، نضیر، خیبر، تیما، وادی القریٰ
کے درمیان اقامت کی اور ان کا بیشتر حصہ یثرب میں اترا[5] اور ضرار میں مقیم ہوا[6]

یثرب میں اس وقت یہودیوں کی آبادی تھی، جو بقول بعض حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں
ایک خیال کے مطابق بخت نصر (بخت نصر) کی تباہی بیت المقدس کے بعد سے عرب
میں آباد ہوئے[7] اور یثرب اس کے نواح پر قابض تھے، اوس وخزرج نے یہاں قلعے
اور مکانات بنا کر رہنا شروع کیا[8] اور یہود سے جان ومال کی محافظت کا عہد وپیمان

---

[1] خلاصۃ الوفاء ص ۸۳۔ [2] معجم البلدان ص ۸۸ ج ۲۔ [3] ابی الفداء ص ۱۱۲ ج ۱۔ [4] سیرت ابن ہشام ص ۵۳ ج ۱۔ [5] صفۃ
جزیرۃ العرب ص ۲۱۔ [6] معجم البلدان ص ۳۵۳ ج ۸۔ [7] اغانی ص ۹۵ ج ۱۹

کرلیا، اور عرصہ تک کچھ خراج دیتے رہے[۱] لیکن جب ان کی اولاد اور مال و دولت میں ترقی ہونے لگی تو یہودی خائف ہوئے کہ مبادا کہیں ہم پر غالب نہ آجائیں، اوس و خزرج کو بھی یہ خیال دامن گیر ہوا کہ یہودی ان کو جلا وطن نہ کردیں، اس بنا پر سخت کشمکش پیدا ہوئی، اور دونوں قبیلے جنگ و جدل پر بالکل آمادہ ہوگئے،

مالک بن عجلان کے زمانہ میں جو اوس و خزرج کا سردار تھا[۲] اور سالم بن عوف ابن خزرج کے خاندان سے تھا، فیطون، یہودیوں کا سردار مقرر ہوا، چونکہ وہ نہایت جابر اور بدباطن شخص تھا، اس لیے مالک نے اس کے ظلم واستبداد کی غسان کے ایک رئیس سے فریاد کی، غسانی رئیس جس کا نام ابوجبیلہ تھا ایک کثیر لشکر لے کر شام سے یثرب آیا، اور ذی حُرض نامی ایک مقام میں یہود کے تمام سرداروں کو جمع کرکے قتل کرادیا، اس وقت سے یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور اوس و خزرج کا تمام یثرب پر تسلط ہوگیا، رمق بن زید خزرجی ابوجبیلہ کی تعریف میں کہتا ہے[۳]

وابوجبیلۃ خیر من یمشی واوفاہ یمینا

وابرھم براً واعلمھم بھدی الصالحینا

ابقت لنا الایام والحرب المھمۃ تعترینا

کبشا لہ قرن یعض حسامہ الذکر السنینا

اس کے بعد یمن کا ایک تبع جس کا نام مسعودی نے ابن حسان بن کلیکرب[۴]، اور طبری نے تبان اسعد ابوکرب بتایا ہے، یثرب سے گذرا، چونکہ یہاں اس کا ایک لڑکا مارا گیا تھا اس لیے اس نے یثرب کے بالکل تباہ کردینے کا فیصلہ کرلیا، اوس و خزرج کے رئیس عمر ابن طلۃ نجاری کو خبر ہوئی تو مدافعت کے لیے آمادہ ہوا اور تبع سے چند لڑائیاں ہوئیں لیکن ان ایام میں اوس و خزرج نے

---

[۱] معجم البلدان ص۴۲۲ ج ۷، [۲] خلاصۃ الوفا ص۸۳، [۳] ابن اثیر ص۴۹۳ و ص۴۹۴ ج ۱، [۴] مروج الذہب بر نفح الطیب ج ۱ ص۵۹،

اس کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا تھا یعنی باانہمہ کہ یہ سر پیکار تھے، رات کو اسکی ضیافت کرتے تھے، وہ ان کریمانہ اخلاق پر سخت متعجب تھا، اور ان کی دل سے عزت کرتا تھا، اسی اثنا میں یہود کے دو عالم اس کے پاس گئے اور اس نے یہودی مذہب قبول کیا، اور محاصرہ اٹھا کر یمن چلا گیا، انصار کے ایک شاعر خالد بن عبد العزی نجاری نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے، وہ کہتا ہے:

اصحا ام انتهی ..... ذکره ام قضی من لذة وطره

ام تذکرت الشباب وما ذکرك الشباب او عصره

انها حرب رباعية مثلها اتی الفتی عبره

فسلا عمران او فسلا اسدا اذ يغدو مع الزهره

فيلق فيها ابو كرب سابغا ابدا نها ذ فره

ثم قالوا من يام بها ابنی عوف ام النجره

يا بنی النجار ان لنا فيهم قبل الاوان تره

فتلقتهم عشنقه مدها كالغبية النثره

سيد سامی الملوك ومن يغز عمر الا يجد قدره

دوسرا انصاری کہتا ہے[1]

تكلفنی من تكاليفها نخيل الاساويف والمنصعة

نخيلا حمتها بنو مالك خيول ابی كرب المقطعة

یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً ۲۴۰ برس قبل کا ہے[2]

---

[1] طبری ص ۹۰۱ ج ۲ [2] حمزہ ص ۱۲۴ ا

انصار کی شاخین

گذشتہ بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ انصار کے تمام خاندان دو شخصون پر جا کر مل جاتے ہین جن کے نام اوس اور خزرج ہین، یہ دونون اگرچہ حارثہ (مزیقیا کے پوتے) کے بیٹے تھے، لیکن قیلہ کے بیٹے مشہور ہین جو ان کی مان تھی، ابن حزم اور ابن کلبی کے نزدیک وہ عمرو بن جفنہ کی بیٹی تھی[1] لیکن قبیلہ قضاعہ کے لوگ اس کو اپنے قبیلہ سے بتلاتے ہین[2] بہرحال وہ دونون صورتون مین اسماعیلی تھی، پہلی صورت مین وہ جفنہ کی پوتی تھی، جو عمرو مزیقیا کا بیٹا[3] اور شاہان غسان کا پدر اعلیٰ تھا، اور عمرو کو ہم اسماعیلی ثابت کر چکے ہین، دوسری صورت میں تو صاف ظاہر ہے کہ قبیلہ قضاعہ حضرت اسماعیل اور معد بن عدنان کی اولاد تھا[4]،

اوس و خزرج، جہان تک ہمین معلوم ہے تین بھائی تھے، اور تیسرے کا نام عدی تھا اسکی اولاد بھی مدینہ مین موجود تھی، چنانچہ ابو زید عمرو بن اخطب کو بعض لوگون نے اسی کی نسل بتایا ہے[5]،

خزرج کے حالات کچھ معلوم نہین، البتہ اوس کے کسی قدر معلوم ہیں وہ خطیب اور شاعر تھا، اس کے چند جملے محفوظ ہین جو اس نے اپنی وفات کے وقت کہے تھے، کہتا ہے:

لن یہلک هالک ترک مثل مالک ان الذی یخرج النار من الزند[6]

قادر علی ان یجعل لمالک نسلا ورجالا بسلا[7] المنیۃ ولا الدمنیۃ والتأ ولا عار[6]

اس کے اشعار یہ ہیں[8]:-

[1] خلاصۃ الوفا ص۳۳ [2] التنبیہ والاشراف ص۲۷۰ [3] حمزہ ص۱۰۱ [4] ابن ہشام ص۵ ج۱ [5] اسد الغابہ ج۴ ص۳۰۲

[6] خلاصۃ الوفا ص۳۳ [7] کتاب الشعر والشعراء ابن قتیبہ ص۱۷۶ [8] خلاصۃ الوفا ص۳۳،

ففعل الذی اودی ثمودًا وجرھما ｜ سیعقب لی نسلا علی آخر الدھر
تقرّھم من آل عمرو بن عامر ｜ عیون لدی الداعی الی طلب الوتر

اس مین کچھ اشعار الحاقی معلوم ہوتے ہیں، مثلاً

اذا بعث المبعوث من آل غالب ｜ بمکۃ فیما بین زمزم والحجر
ھنالک فابغوا نصرہ ببلادکم ｜ بنی عامر ان السعادۃ فی النصر

فارسٹر صاحب نے حصن غراب (حضرت موت) کے کتبون مین سے ایک کتبہ مین لفظ عوآ(ا)
کو اوس اور عوس (A W S) پڑھا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ "یہ عرب کے خانہ بدوش خاندانون کا نام ہے"[1] چونکہ
اس نام کے عرب مین دو قبیلے ہیں عوص (عاد) اور اوس (یثرب) اس بنا پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ
اس سے کہیں وہ اوس تو مراد نہین جو انصار مدینہ کا پدر اعلیٰ تھا،

اگر فارسٹر صاحب نے یہی سمجھا ہے تو ہم کو کہنا پڑتا ہے، کہ اس مین انھون نے سخت غلطی کی
اولاً تو یہ کہ انصار کے مورثین مین عمرو بن عامر نے یمن سے ہجرت کی تھی، اور اس وقت اوس وخزرج
کا پتہ تک نہ تھا، دوسرے ان قبائل نے اپنی خانہ بدوشی کے زمانہ مین کبھی حضر موت مین سکونت
نہین کی، اور سب سے آخر یہ کہ یہ نام عوص بن ارم بن سام (پدر عاد) کا ہے، اور اس کے متعلق مسلم
ہے کہ وہ یمن اور حضر موت میں آباد تھا،[2]

غرض اوس وخزرج اور عدی کی اولاد یثرب میں رہ کر خوب پھلی پھولین اور متعدد
خاندانون میں تقسیم ہوگئیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

عدی اس کے نام سے کوئی جداگانہ شاخ نہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسکی
اولاد بھی اوس وخزرج ہیں ضم ہو کر انصار کہلاتی تھی، اور اسکی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عرب مین بھتیجا

[1] جغرافیۂ عرب فارسٹر صفحہ ۱۳۹ ج ۲ [2] ابو الفدار صفحہ ۹۹ ج ۱

اپنے چچا کی شہرت کی وجہ سے اسی کا بیٹا مشہور رہوجاتا تھا[۵]

اوس کے صرف ایک بیٹا تھا جس کا نام مالک تھا، مالک کے پانچ بیٹے پیدا ہوئے جو مختلف شاخون کے مورث ہوگئے،

عمرو بن مالک مین ابتداءً دو شاخین ہوئین، خزرج اصغر، اور عامر، عامر عمان مین رہتے تھے، اور چونکہ مدینہ مین ان کا ایک متنفس بھی نہ تھا، اس لیے وہ انصار مین داخل نہیں[۶]، خزرج مین کعب (ظفر) اور حارث مین جشم اور حارثہ، اور جشم مین زعور (اہل راتج) اور عبدالاشہل داخل ہین، انہی چارون بطنون یعنی کعب (ظفر) حارثہ، زعور اور عبدالاشہل کو نبیت کہا جاتا ہے،

عوف بن مالک میں عمرو اور زید ابن مالک بن عوف عمرو میں جو قبائل ہیں رہتے تھے، بہت سے بطون تھے جنمیں مشہور یہ ہیں، لوذان و بنو سمیعہ علیۃ بن زید ضبیعہ، معاویہ (بن مالک بن عوف) جحجبا ابن کلفہ بن عوف جبیب، ابنو لوذان میں جو بنو سمیعہ کے نام سے مشہور ہیں، لوذان عوف (پۂ معاویہ و جحجبا) اور ثعلبہ (ابن عمرو) داخل سمجھے جاتے ہیں،

مرہ بن مالک مین سعد (اہل راتج) اور عامر، امرمین امیہ، وائل اور عطیہ، مالک بن اوس کے یہ تینون خاندان (عمرو، عوف، مرہ) جعادرہ اور اوس اللہ کے نام سے مشہور ہین،

امرء القیس بن مالک مین واقف اور سلم،

جشم بن مالک مین خطمہ (عبداللہ)

خزرج کے پانچ بیٹے تھے، عمرو، عوف، جشم، کعب، حارث، ان کی اولاد حسب ذیل ہے:-

عمرو بن خزرج، اس میں بنو نجار کی تمام شاخین شامل ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا ننہال یہیں تھا، نجار سے دینار، عدی، مازن، مالک، مالک سے

---

[۵] اسد الغابہ صفحہ ۲۰۲ ج ۵، [۶] خلاصۃ الوفا ص ۸۳،

عمرو، غنم، عامر (مبذول)، عمرو سے عدی (بنو معاویہ)، اور معاویہ (بنو جدیلہ)،

عوف بن خزرج سے سالم، عمرو، قطن، قطن سے سائب، یہ لوگ عمان میں رہتے تھے،

عمرو سے عوف اور غنم (قوقل) عوف سے حبلی (مالک بنو سالم، قبیلہ عبداللہ بن ابی) اور عجلان،

جشم بن خزرج سے تزید اور غضب، تزید میں سلمہ، اور سلمہ میں حرام، غنم، اور غنم میں عبید (بن عدی)

سواد اور حرام، غضب سے عبد حارثہ، کعب (بنو غدارہ) معاویہ (بنو اجدع)، عبد حارثہ سے زریق اور حبیب، زریق سے بیاضہ اور زریق،

کعب بن خزرج سے ساعدہ، ساعدہ سے طریف، قشبہ، عمرو، ثعلبہ، طریف سے وقش، عثمان، ابو خزیمہ، (خاندان سعد بن عبادہ)

حارث بن خزرج سے جشم، زید، عوف، عوف سے خدرہ اور خدارہ،[1]

چونکہ اوس، خزرج اور عدی میں تعداد اور غلبہ کے لحاظ سے خزرج کا نمبر سب سے بڑھا ہوا تھا، اس لیے ان قبائل کو عرب تغلیباً خزرج کہا کرتے تھے،[2]

انصار کی آبادی

اوس و خزرج پہلے ایک ہی جگہ آباد تھے لیکن جب ابو جبیلہ کی وجہ سے یہود کا زور ٹوٹ گیا تو وہ یثرب کے تمام نشیبی اور بالائی حصوں میں منتشر ہو گئے، اور اپنی علیحدہ علیحدہ آبادیاں قائم کر لیں، چنانچہ قبیلہ اوس میں سے عبدالاشہل اور حارثہ کا خاندان یثرب کے شرقی سنگستان میں آباد ہوا اور وہاں کئی قلعے تعمیر کیے جن میں سے ایک کا نام واقم تھا، اور ان کا محلہ بھی

[1] اس تمام تفصیل کے لیے دیکھو خلاصۃ الوفاء ص ۵۰۲ تا ۵۰۹ عقد الفرید ص ۱ ج ۲ و معارف ابن قتیبہ ص ۳۶ و ص ۳۷ [2] شرح ابن ہشام ص ۱۲۹ ج ۲،

اسی نام سے مشہور تھا، انصار کا ایک شاعر کہتا ہے :

نحن بیننا واق ما بالحرة   بلازب الطین وبالاصرة

یہ قلعہ حضیر بن سماک کے قبضہ میں تھا،

اس کے بعد بنو حارثہ عبد الاشہل کے پاس سے ہٹ کر ان سے شمال کیطرف رہنے لگے،

بنو ظفر (کعب بن خزرج اصغر) بقیع سے پورب طرف عبد الاشہل کے پاس مقیم تھے، وہاں انھوں نے اسلام لانے کے بعد ایک مسجد بنائی تھی جسکا نام مسجد بغلہ تھا، بنو زعورا بن جشم بھی یہیں سکونت کرتے تھے،

یہ چاروں خاندان نبیت کہلاتے ہیں، جو ان کا مورث اعلیٰ تھا اور عمرو بن مالک بن اوس کی اولاد میں تھا،

عوف بن مالک بن اوس، اس کے خاندان میں بہت سی شاخیں ہیں جو سب کی سب قبا میں آباد تھیں، ان میں سے بنو ضبیعہ شنقیف نامی ایک قلعہ میں رہتے تھے، جو احجار المراء اور مجلس بنی الموالی کے درمیان واقع تھا، کلثوم بن الہدم کا قلعہ عبد اللہ بن ابی احمد کے احاطہ میں تھا، اور احیحہ ابن الجلاح جحجی کا بھی ایک قلعہ تھا،

زید بن مالک بن عوف میں ۲ قلعے تھے، اور صیاصی کے نام سے مشہور تھے، ان کا ایک قلعہ مسجد قبا سے مشرقی جانب مسکبہ میں بھی تھا، دوسرا جس کا نام مستظل تھا، چاہ غرس کے پاس تھا، اور احیحہ کا تھا،

بنو جحجبا کچھ دنوں بنو ضبیعہ کے ساتھ رہ کر مسجد قبا کے مغرب عصبہ میں چلے گئے، یہاں احیحہ نے سفید پتھروں کا ایک قلعہ بنایا لیکن وہ گر گیا تو ایک مربع سیاہ قلعہ تیار کرایا، بنو مجدعہ اور جحجبا نے ہجیم نامی بھی ایک قلعہ تعمیر کیا تھا، جو اس مسجد کے قریب واقع تھا جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ﻪ وفاء الوفا صفحہ ۱۲۲ ج ۲،

نے ایک بار نماز پڑھی تھی،

معاویہ بن مالک پہلے قبا میں رہتے تھے، پھر بقیع الغرقد کے باہر رہے، وہاں انکی مسجد اجابہ یادگار ہے۔

بنو سمیعہ (لوذان بن عمرو بن عوف) ریح کے کوچہ کے پاس آباد تھے، اور سعدان نامی ایک قلعہ بنایا تھا،

واقف اور سلم (مالک بن اوس) مسجد فضیح کے پاس رہتے تھے، بعد میں سلم، عمرو بن عوف میں چلے گئے، اور تقریباً ۱۹۹ برس وہیں مقیم رہے، اور ان کی آبادی نے اتنی ترقی کی کہ زمانۂ جاہلیت ہی میں ایک ہزار جوان (انہیں) موجود تھے،

جاورۃ میں سے بنو واثل بن زید اپنے نام کی مسجد کے پاس جو مسجد قبا کے پورب ایک بلند مقام پر واقع تھی سکونت کرتے تھے،

امیہ بن زید بطحان کے مشرقی سمت جہاں مذینبت کا پانی بھرتا ہے اور کھیت سینچے جاتے ہیں بودوباش رکھتے تھے،

عطیہ بن زید بنو حبلی کے قریب رہتے تھے، اور شاشش نامی ایک قلعہ بنایا تھا، مسجد قبا میں قبلہ رخ کھڑے ہونے پر یہ قلعہ بائیں ہاتھ کی طرف پڑتا تھا،

سعد بن مرۃ، راتج میں رہتے تھے،

خطمہ بن جشم، ماجشونیہ اور عرس کے پاس بودوباش رکھتے تھے، اور دو ورتک قلعے بنائے تھے، چونکہ یہ مقام شہر کے باہر اور نسبتاً کم آباد تھا، اس لیے جب اسلام کے زمانہ میں ان لوگوں نے مسجد بنائی، اور ایک شخص کو اسکی حفاظت کیلیے مقرر کیا تو روزانہ صبح اٹھکر اس کی خیریت دریافت کرتے تھے، کہ کوئی درندہ تو نہیں اٹھالے گیا، اس کے بعد پھر ان کی اتنی کثرت ہوئی کہ اس بستی کا نام ہی غزہ پڑگیا، جو شام کا ایک نہایت آباد شہر ہے۔

قبیلۂ خزرج میں سے بنو حارث وادی بطحان اور بر صعیب کے مشرق جانب آباد ہوئے،

ان کا محلہ حارث کہلاتا تھا، حارث کے لڑکوں جشم اور زید نے اپنے قلعہ سنح میں اقامت کی جو مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلہ پر اور مدینہ کے بالائی حصہ کی منزل اول ہے، خدرہ بن عوف بن حارث کا خاندان بازار مدینہ کے شمالی جانب، جرار سعد میں مقیم ہوا، خدرہ ابن عوف نے چاہ بصہ کے پاس اجرد نامی ایک قلعہ میں سکونت اختیار کی، یہ قلعہ ابوسعید خدری کے دادا کا تھا،

سالم اور غنم (عوف بن عمرو بن خزرج) مغربی سنگستان میں مسجد جمعہ کے پاس اترے، قوافل کا قلعہ انہی کا تھا، بنو حبلی (مالک بن سالم بن غنم) بنو نجار اور ساعدہ کے درمیان ٹھہرے، ان کی آبادی کی پشت پر ایک قلعہ تھا جس کا نام مزاحم تھا اور وہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی ملکیت تھا،

بنو سلمہ (جشم بن خزرج) میں بنو حرام مسجد قبلتین سے مزاد تک آباد ہوئے، ایک قلعہ بھی تعمیر کیا، جابر بن عتیک کی زمین میں بھی ان کا ایک قلعہ تھا، ان کی آبادی میں ایک چشمہ تھا جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دادا عمرو کے قبضہ میں تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسکی مرمت کرائی، بنو سلمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد نبوی کے قریب بسنا چاہا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی ویرانی کے خیال سے منع کیا اور فرمایا "تم کو وہاں سے نماز کے لئے آنے میں زیادہ ثواب ملتا ہے"[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایام خلافت میں بنو حرام کو سلع میں منتقل کر دیا اور یہاں انھوں نے ایک عالی شان مسجد بنائی،

بنو سواد (سلمہ) کی آبادی مسجد قبلتین سے ابن عبید دیناری کی زمین تک تھی، (مسجد قبلتین انہی کی تھی) بنو عبید مسجد خربہ سے کوہ دونخل تک رہتے تھے، مسجد خربہ اور دو قلعے انکی ملکیت میں تھے،

بنو بیاضہ، زریق، حبیب، عذارہ، اجدع (معاویہ بن مالک) مغربی سنگستان سے بطحان تک بنو سالم کے شمالی جانب رہتے تھے، ان کے پاس بیس قلعے تھے، بعض کے نام یہ ہیں، عقرب، سوید، ودی، مرار،

---

[1] صحیح بخاری ص ۲۵۱ ج ۱ باب کراہیۃ النبی صلعم ان تعری المدینۃ۔

بنو ساعدہ (کعب بن خزرج) سے چار جگہ سکونت کی بنو عمرو اور بنو ثعلبہ بازار مدینہ کے مشرقی اور شمالی حد تک آباد ہوئے، ان کے دو قلعے تھے ایک ابو دجانہ کے مکان کے پاس اور دوسرا مسجد بنو ساعدہ کے سامنے، مدینہ میں سب سے آخر یہی قلعہ تعمیر ہوا، بنو قشبہ ان لوگوں سے پورب جانب بنو حدیلہ کے قریب مقیم ہوئے، بنو ابی خزیمہ (سعد بن عبادہ کے خاندان نے جرار سعد میں جو بازار مدینہ کی انتہائی حد پر واقع تھا سکونت کی اور بنو وقش اور غسان مسجد الرایہ کے پاس (جرار سعد کے قریب) اترے۔

بنو مالک بن نجار میں سے بنو غنم مسجد نبوی کے پورب طرف رہتے تھے اور ایک قلعہ بنایا تھا جس کا نام قویرع تھا مسجد نبوی انہی کی تھی، بنو مغالہ (عدی بن عمرو) مسجد سے مغربی جانب باب الرحمہ کے پاس مقیم تھے، ان کے قلعہ کا نام فارع اور جائداد کا بیرحا تھا فارع حسان بن ثابت کے قبضہ میں تھا، بنو حدیلہ (معاویہ بن عمرو) مسجد کے شمالی اور شرقی جانب بقیع اور بیرحا کے قریب آباد تھے، ان کے قلعہ کا نام مشعط تھا جو مسجد ابی بن کعب کے پاس واقع تھا، بنو مبذول (عامر بن مالک) بنو غنم سے پورب طرف رہتے تھے،

بنو عدی بن نجار مسجد سے مغرب طرف آباد تھے، لیکن حضرت انسؓ کا مکان باوجودیکہ بنو عدی سے تھے مسجد سے شمال اور مشرق کی طرف تھا، ان کے قلعہ کا نام زاہریہ تھا،

بنو مازن بن نجار، بنو زریق سے پورب طرف سکونت کرتے تھے انکا محلہ بنو مازن کہلاتا تھا

بنو دینار بن نجار بطحان کی پشت پر رہتے تھے[1]

---

[1] یہ مضمون خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفےٰ ص ۸۵ تا ۹۰ سے ماخوذ ہے،

ایام الانصار

یعنی

انصار کی خانہ جنگیاں

تبع کے بعد اوس خزرج عرصہ تک متحد رہے لیکن پھر خانہ جنگیوں کا ایسا خطرناک سلسلہ شروع ہوا کہ اگر اسلام نہ آتا تو یہ قوم صفحۂ ہستی سے یقیناً نیست و نابود ہو جاتی سید سمہودی خلاصۃ الوفا میں لکھتے ہیں

ثم وقعت بینھم حروب کثیرۃ	پھر ان میں اس قدر لڑائیاں ہوئیں کہ کسی قوم
لم یسمع فی قوم اکثر منھا ولا اطول	میں ان سے زیادہ اور دیرپا جنگیں نہیں سنی گئیں

لڑائیوں کی ابتدا جنگ سمیر سے ہوئی اور تقریباً ایک سو بیس برس تک جاری رہ کر جنگ بعاث پر اختتام ہوا جو ہجرت سے ۵ سال قبل واقع ہوئی تھی، اس طویل زمانہ میں خدا معلوم کتنے معرکے پیش آئے ہونگے لیکن ان میں سے جو زیادہ مشہور ہیں تاریخوں میں انہی کا ذکر آتا ہے، علامہ ابن اثیر ایک مقام پر فرماتے ہیں[۲]

بینھا وبین حرب سمیر نحو مائۃ	حرب حاطب اور حرب سمیر میں تقریباً سو برس
سنۃ وکانت بینھما ایام ذکرنا المشھور	کا فرق ہے، اور ان دونوں کے درمیان بہت سی
منھا وترکنا مالیس بمشھور	لڑائیاں ہوئی تھیں جنہیں سے ہم نے مشہور لڑائیوں کو
وحرب حاطب اخر وقعۃ	درج کیا ہے اور غیر مشہور کو چھوڑ دیا ہے اور حرب
کانت بینھما الا یوم بعاث	حاطب بعاث کے ماسوا سب سے اخیر لڑائی تھی،

[۱] خلاصۃ الوفا ص ۸۶ [۲] ابن اثیر ص ۵۹۲ ج ۱

جس جنگ کو علامہ نے سب سے اخیر جنگ قرار دیا ہے، اسکی یہ حالت ہے کہ وہ بھی متعدد جنگوں کا مجموعہ ہے[1]، پھر ان تمام مشہور لڑائیوں کی نسبت کیا کہا جا سکتا ہے جن کے ضمن میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں پیش آئی ہونگی اور جن کو ہمارے مورخین نے قلم انداز کر دیا،

جنگ سمیر | انصار کی سب سے پہلی جنگ جنگ سمیر ہے، اس کا سبب یہ ہوا کہ مالک بن عجلان سالمی کا کعب ذبیانی حلیف بنا تھا، ایک روز وہ بازار قینقاع میں پھر رہا تھا، کہ ایک غطفانی کی آواز سنی کہ میرا گھوڑا وہ لے سکتا ہے جو یثرب کا سب سے بڑا شخص ہو، کعب نے اپنے حلیف کی سفارش کی کسی نے احیحہ بن الجلاح اوسی کا نام پیش کیا اور بعضوں نے ایک یہودی کی نسبت کہا کہ وہ مدینہ کا سب سے بڑا شخص ہے، اس بنا پر گھوڑے کا مستحق وہی ہے، غطفانی نے گھوڑا مالک بن عجلان کو دیدیا، اس پر کعب نے فخر اً کہا "کیوں! میں نہ کہتا تھا کہ مدینہ میں مالک سے بڑھ کر کوئی نہیں"، عمرو بن عوف کا ایک شخص جس کا نام سمیر تھا یہ گفتگو سن رہا تھا، غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور گالیاں دیتا ہوا چلا گیا، کعب دوسرے بازار میں جو قبا میں لگتا تھا، ایک مرتبہ گیا، تو چونکہ یہ عمرو بن عوف کا محلہ تھا، سمیر نے موقع پاکر اسکو قتل کیا، مالک بن عجلان کو خبر ہوئی تو اس نے عمرو بن عوف کے پاس کہلا بھیجا کہ قاتل ہمارے حوالہ کر دو" عمرو بن عوف نے انکار کیا، اور کہا "تم دیت لے سکتے ہو"، مالک نے اس شرط پر منظور کیا کہ دیت پوری دینا ہوگی، چونکہ انصار میں حلیف کی دیت نصف دیجاتی تھی عمرو بن عوف نے نہایت شدت سے انکار کیا، مالک کو اصرار تھا اس بنا پر لڑائی کی تیاریاں ہوئیں جس میں انصار کے تمام قبیلے شریک ہو گئے دو مرتبہ نہایت معرکہ کا رن پڑا، اخیر میں اوس نے فتح پائی اور مالک کو کہلا بھیجا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ منذر بن حرام نجاری (حضرت حسانؓ کے دادا) پر چھوڑ دینا چاہئے، منذر نے کہا کہ

---

[1] ابن اثیر ۵۲۲ ج ۱

اُس مرتبہ تم مالک کو پوری دیت ادا کردو، آیندہ پھر اپنے قدیم دستور کے مطابق دینا دونوں فریق نے اِس رائے کو پسند کیا، اور دیت ادا کردی گئی، لیکن دلوں میں جو غبار اور کدورت پیدا ہوگئی تھی وہ کسی طرح دفع نہیں ہوسکتی تھی اس لیے چند ہی روز کے بعد دوسری لڑائی کا افتتاح ہوا،

جنگ کعب بن عمرو | کعب بن عمرو مازنی نے جو بنو نجار سے تھا، بنی سالم میں شادی کی تھی، اور اپنی سسرال اکثر آیا جایا کرتا تھا، احیحہ بن جلاح سردار حجبا (اوس) نے چند آدمیوں کو اس کے قتل پر آمادہ کیا، اور کامیابی حاصل کی، کعب کے بھائی عاصم کو اطلاع ہوئی تو اس نے حجبا کو اعلانِ جنگ دیدیا، اور رحابہ میں نہایت سخت لڑائی ہوئی، جس میں حجبا نے شکست کھائی احیحہ بھاگ گیا، عاصم نے تعاقب کیا اس پر تیر چلایا، احیحہ قلعہ کے اندر جا چکا تھا، وہ تیر اس کے بھائی کے لگا اور وہ مرگیا، عاصم کو اب بھی چین نہ تھا اس لئے احیحہ کی گھات میں لگا رہا،

احیحہ نے شبخون مارنے کی تجویز سوچی، سلمیٰ بنت عمرو اس کی بیوی خاندانِ نجار سے تھی، اس نے ایک رات موقع پاکر اپنی قوم کو مطلع کردیا اور بنو نجار ہتھیاروں سے آراستہ ہوگئے صبح اٹھکر احیحہ اور بنو نجار میں مڈبھیڑ ہوگئی، اور تھوڑی دیر لڑائی رہی، احیحہ کو سلمہ کی نسبت پتہ لگ چکا تھا، اس لئے اس کو زدوکوب کرکے اپنے نکاح سے علٰحدہ کردیا،

جنگ سرارہ | اس کے بعد عمرو بن عوف اور حارث بن خزرج میں نہایت معرکے کی ایک لڑائی ہوئی، بنی حارث کے ایک شخص نے بنی عمرو کے ایک شخص کو قتل کیا تھا، بنی عمرو اس کی فکر میں تھے ایک روز موقع پاکر اس کو مار ڈالا، بنو حارث نے جنگ کا اعلان کیا، اور سرارہ میں دونوں فوجیں جمع ہوئیں، اوس پر حضیر بن سماک (حضرت اسیدؓ کے والد) اور خزرج پر

پر عبداللہ بن ابی بن سلول افسر تھا، چار دن تک جنگ جاری رہی جس میں اوس ہمت ہار کر واپس گئے،

جنگ حصین بن اسلت — حصین بن اسلت وائلی (اوس) اور قبیلۂ مازن بن نجار کے ایک آدمی میں کچھ جھگڑا ہوا اور حصین نے اسکو قتل کر دیا، بنو مازن کو خبر ہوئی تو وہ اس کے پیچھے دوڑے اور گھیر کر مار ڈالا، حصین کے بھائی ابوقیس بن اسلت نے بنو وائل کو اُبھارا، تمام اوس اس کی حمایت پر کمربستہ ہو گیا، ادھر مازن کی طرف سے خزرج نے ساتھ دیا، اور دونوں قبیلے نہایت جوش سے لڑے اور بہت آدمی کام آئے، اخیر میں مازن نے شکست کھائی،

جنگ ربیع — ربیع ظفری (اوس) مالک بن نجار کے کسی اوسی کی زمین پر سے گذر رہا تھا، اس نے منع کیا، لیکن ربیع نے نہ مانا اور اس کو مار ڈالا، پھر دونوں قبیلے جمع ہوگئے اور ایسا کشت و خون ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا، اس جنگ میں بنو نجار نے شکست کھائی،

جنگ فارع — بنو نجار کے ایک شخص نے قبیلۂ قضاعہ دیلی کا ایک غلام پایا تھا جس کا چچا معاذ ابن نعمان اوسی (والد حضرت سعدؓ) کے پڑوس میں رہتا تھا، ایک دن وہ اپنے بھتیجے کو دیکھنے آیا تو نجاری نے اسکو قتل کر دیا، معاذ نے کہا کہ بنو نجار یا دیت دیں یا قاتل کو میرے حوالہ کریں، بنو نجار نے انکار کیا، اس لئے حضرت حسانؓ کے قلعہ فارع کے سامنے دونوں میں لڑائی ہوئی، چونکہ عبد الاشہل کا خیال تھا کہ دیت نہ ملنے کی صورت میں عامر بن اطنابہ کو قتل کریں گے اور عامر خزرج کے ممتاز اشخاص میں تھا اس لئے عامر نے دیت خود ادا کی، اور دونوں قبیلوں میں مصالحت ہوگئی، عامر نے اس کے متعلق کچھ اشعار بھی لکھے ہیں جو نہایت بہتر ہیں،

جنگ حاطب — اس کو جنگ جسر بھی کہتے ہیں، جنگ سمیر کے تقریباً سو برس بعد ہوئی، اس کا سبب

یہ ہوا کہ حاطب بن قیس اوسی کے ہاں قبیلۂ ثعلبہ بن سعد کا ایک شخص مہمان اترا تھا ایک روز وہ بازار قینقاع میں گھوم رہا تھا کہ ابن فسحم (یزید بن حارث خزرجی) نے ایک یہودی سے کہا "میں تم کو اپنی چادر دونگا تم اس ثعلبی کو یہاں سے نکال دو" یہودی نے چادر لیکر اسکو اس بری طرح نکالا کہ بازار کے تمام لوگوں نے اسکی آواز سنی، ثعلبی نے اپنے میزبان کو پکارا کہ حاطب تمہارے مہمان کی بری ذلت ہوئی، حاطب نے جوش غضب میں اس یہودی کا سر اڑا دیا، ابن فسحم کو معلوم ہوا تو حاطب کا تعاقب کیا، حاطب اپنے قبیلہ کے کسی شخص کے ہاں چھپ گیا لیکن ابن فسحم کو تسکین نہیں ہوئی اپنی معاویہ (اوس) کا ایک شخص چلا آرہا تھا اسکو قتل کر دیا، اس پر اوس و خزرج میں بنو حارث بن خزرج کے حلیف ہوئے۔ جنگ عظیم برپا ہوئی خزرج کا لشکر عمرو بن نعمان بیاضی کے تحت میں تھا اور اوس کی زمام حضیر بن سماک اشہلی کے ہاتھ میں تھی چونکہ ان لڑائیوں کا چرچا مدینہ کی تمام آبادیوں میں پھیل چکا تھا اس لئے عیینہ بن حصن و خیار بن مالک فزاری بھی آئے ہوئے تھے کہ کسی صورت سے ان دونوں قبیلوں میں صلح ہو جائے۔ ابھی باہم میں لڑائی پیش آگئی، عیینہ اور خیار دونوں میدان جنگ میں موجود تھے جس جوش و خروش سے دونوں قبیلے معرکہ آرا ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ صلح ناممکن ہے، اس لڑائی میں ... کے ہاتھ رہا، اس کے بعد چند اور لڑائیاں ہوئیں جو درحقیقت اسی کا ضمیمہ تھیں، چنانچہ

جنگ ربیع | سلخ کے ایک گوشہ میں دیوار ربیع کے پاس اوس و خزرج میں ایک نہایت شدت کا معرکہ ہوا علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں،

فاقتتلوا قتالا شديدا حتى	یہ لوگ نہایت سخت لڑائی لڑے یہاں تک
كاد يفنى بعضهم بعضا،	کہ ایک دوسرے کو فنا کر دینے پر بالکل تل گیا تھا

جوش کا یہ عالم تھا کہ جب اوس شکست کھا کر بھاگے تو دستور کے خلاف خزرج نے ان کے گھروں تک ان کا پیچھا کیا، اس پر اوس نے امان چاہی، لیکن بنو نجار نے امان دینے سے انکار کیا، اس کے بعد اوس قلعہ بند ہو گئے، اس وقت خزرج نے مصالحت منظور کی، اس معرکہ میں قبیلۂ خزرج میں سے سوید بن صامت اور اوس میں سے ابن اسلت اور صخر بن سلمان بیاضی زیادہ نمایاں تھے،

جنگ بقیع | یہ لڑائی بقیع الغرقد میں ہوئی، ابو قیس بن اسلت وائلی اوس کی فوجوں کا سردار تھا، اس میں اس نے فتح پائی،

اس کے بعد ابو قیس نے قبیلۂ اوس کو جمع کر کے کہا کہ میں جس قوم کا سردار ہوتا ہوں وہ شکست کھاتی ہے، اس لئے تم کسی اور شخص کو سردار منتخب کر لو، چنانچہ سب نے بالاتفاق حضیر الکتائب اشہلی کو سردار لشکر بنایا، حضیر نے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی اور ہوشیاری سے ادا کئے، چنانچہ جب قبا میں عرس کے پاس دونوں قبیلوں میں جنگ ہوئی تو محض حضیر کی تدبیر و سیاست کی بدولت اوس نے فتح حاصل کی، اور اس شرط پر صلح ہوئی، کہ "کہ مقتولین کا شمار کیا جائے، جس کے زیادہ نکلیں وہ منہا کرنے کے بعد باقی کی دیت لے لے، چنانچہ اوس کے ۳۔ آدمی زیادہ تھے، قبیلۂ خزرج نے دیت کے عوض رہن کے طور پر اوس کو ۳ غلام دئے، اوس نے غلاموں کو قتل کر ڈالا اور معاہدہ سابق ٹوٹ گیا،

جنگ فجار اول | خزرج کو اوس کی یہ پیمان شکنی صد درجہ ناگوار ہوئی، اور مدینہ کے باغات میں نہایت شدت کا رن پڑا، خزرج کا سپہ سالار عبد اللہ بن ابی ابن سلول، اور اوس کا ابو قیس بن اسلت تھا، اس معرکہ میں قیس بن خطیم نے بڑی جانبازی دکھائی تھی، یہاں پر یہ بتلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ فجار اس کے علاوہ ہے، جو کنانہ اور قیس میں برپا ہوئی تھی، اور جو تمام

عرب میں مشہور ہے،

جنگ معبس و مضرس: معبس اور مضرس دو دیواریں ہیں جن کی آڑ میں بالترتیب اوس اور خزرج
نے چند دنوں تک جنگیں کیں، اس میں اوس نے ایسی شکست کھائی کہ اس سے پہلے کبھی نہ
کھائی تھی، یہانتک کہ ان کے لئے گھروں اور قلعوں میں چھپنے کے سوا اور کوئی چارہ کار
نہ رہ گیا، عمرو بن عوف اور اوس مناة نے جداگانہ صلح کرنا چاہی لیکن عبد الاشہل اور ظفر نے
انکار کیا اور کہا کہ "ہمکو خزرج سے پورا بدلہ لے کر مصالحت کرنا چاہیئے"، خزرج کو معلوم ہوا
تو انھوں نے اشہل اور ظفر کو قتل و غارت کی دھمکی دی، جس کی وجہ سے اوس کا اکثر حصہ
مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا،

ادھر بنو سلمہ نے عبد الاشہل کی ایک زمین کو جس کا نام رعل تھا لوٹ لیا، اور دونوں
قبیلوں میں لڑائی شروع ہو گئی، سعد بن معاذ رئیس قبیلہ اوس کے سخت چوٹ آئی،
وہ عمرو بن جموح خزرجی کے ہاں اٹھا کر لائے گئے، عمرو نے ان کو پناہ دی اور خزرج کو رعل
کے جلانے اور درختوں کے کاٹنے سے منع کیا، چونکہ اوس لڑتے لڑتے بہت کمزور ہو گئے
تھے، اس لئے وہ عمرہ کے بہانہ سے مکہ گئے اور قریش سے حلف کا سلسلہ قائم کیا، ابوجہل
موجود تھا، اس کو معلوم ہوا تو قریش کے اس فعل کو برا کہا اور بولا تم نے اگلے لوگوں کا قول
نہیں سنا، "باہر کے آنے والے گھر والوں پر تباہی لاتے ہیں" اور جو دوسروں کو اپنے ہاں
بلا کر ٹھہراتا ہے وہ اپنا ملک کھو بیٹھتا ہے" یہ لوگ طاقتور اور کثیر التعداد ہیں، قریش نے
کہا پھر اب حلف منقطع کرنے کی کیا صورت ہے؟ ابوجہل نے کہا یہ کام میں کئے دیتا ہوں
چنانچہ وہاں سے اٹھ کر اوس کے آدمیوں کے پاس گیا، اور کہا میں نے سنا ہے کہ تم قریش
کے حلیف بنے ہو اور میں اس کو پسند کرتا ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہماری لونڈیاں بازار

میں پھرتی ہیں اور جو چاہتا ہے ان کو بازار میں مارپیٹ لیتا ہے، تم یہاں آکر رہوگے تو جو حشر ہماری عورتوں کا ہوتا ہے وہی تمھاری عورتوں کا بھی ہوگا، اگر تم یہ ذلت گوارا کر سکتے ہو تو خوشی سے آؤ، ورنہ حلف منقطع کردو۔ چونکہ انصار میں بدرجۂ غیرت تھی اس لئے سب نے انکار کیا اور حلف کو رد کرکے واپس چلے گئے

جنگ فجار ثانی

قریش کی طرف سے مایوسی ہوئی تو اوس نے قریظہ اور نضیر سے حلیف بننے کی درخواست کی، خزرج کو معلوم ہوا تو انھوں نے یہود کو اعلان جنگ دیدیا، یہود نے کہلا بھیجا کہ ہمکو یہ منظور نہیں اور ضمانت کے لئے خزرج کے پاس ۴۰ غلام بھیج دیئے اور معاملہ دب گیا،

ایک دن زید بن قیس خزرجی نے مستی کی حالت میں چند اشعار پڑھے جن میں اس واقعہ کا نہایت ذلت آمیز طریقہ سے ذکر کیا، یہود کو خبر ہوئی تو نہایت غضبناک ہوئے اور کہا ہم اتنے بے غیرت نہیں" یہ کہہ کر اوس کو اپنا حلیف بنالیا، خزرج نے ان چند غلاموں کے علاوہ باقی سب کو قتل کرڈالا، اور اوس یہود اور خزرج کے مابین ایک سخت لڑائی ہوئی،

بعض لوگوں نے اس کا اور سبب بیان کیا، جو بظاہر زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ بنو بیاضہ کو رہنے کے لئے کوئی عمدہ جگہ نہ تھی، عمرو بن نعمان بیاضی نے ان سے قسم کھاکر کہا کہ میں تم کو رہنے کے لئے قریظہ اور نضیر کے مقامات دلوا دونگا ورنہ پھر ان کے غلاموں کو قتل کرڈالوں گا، چونکہ ان لوگوں کی سکونت مدینہ کے بہترین حصہ میں تھی، اس لئے عمرو نے کہلا بھیجا کہ تم ان مقامات کو ہمارے لئے خالی کردو، یہود نے اسکو عملاً تسلیم کرلینا چاہا لیکن کعب بن اسد قرظی نے کہا، تم اپنے گھروں کی حفاظت کرو اور غلاموں کو قتل کرنے دو، اس پر تمام یہودی متفق ہوگئے، اور عمرو کو جواب دیا کہ ہم اپنے گھروں کو نہیں چھوڑ سکتے عمرو نے یہ دیکھکر غلاموں کے قتل کا فیصلہ کرلیا، عبد اللہ بن ابی بن سلول نے منع کیا اور

کہا کہ یہ گناہ اور ظلم ہے، اور تم کو میں دیکھتا ہوں کہ مقتول ہو کر چار آدمیوں پر لدے چلے آرہے ہو لیکن عمرو نے نہ مانا اور اس کے قبضہ میں جتنے غلام تھے سب کو قتل کرا دیا، ابن ابی اور اس کے طرف داروں کے پاس جو غلام تھے رہا کئے گئے، چنانچہ محمد بن کعب قرظی کا دادا سلیم بن اسد انہی لوگوں میں تھا،

جنگ بعاث | اب قریظہ اور نضیر خزرج کی مخالفت پر بالکل تل گئے، اور اوس کے ساتھ نہایت مستحکم عہد و پیماں کر کے لڑائی کی ... کرنا شروع کیا، آس پاس کے یہودیوں کو جنگ پر ابھارا، اس نے اپنے حلیف ... سے مدد طلب کی، اور ۴۰ روز تک جنگ کا سامان مہیا کیا، خزرج کو معلوم ہوا تو انھوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں کیں، اور اپنے حلفا اشجع اور جہینہ کو مدد پر آمادہ کیا، غرض اس سر و سامان سے بعاث کے مقام میں جو بنو قریظہ کے علاقہ میں شامل تھا ایک نہایت خونریز جنگ ہوئی، جس میں اولاً تو اوس و خزرج نہایت پامردی سے لڑے لیکن پھر اوس نے ہمت ہار کر بھاگنا شروع کیا، یہ دیکھ کر حضیر الکتائب جو اوس کا سپہ سالار تھا گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہو گیا، نیزہ کی نوک پیر میں چھید لی اور پکارا کہ ہائے اونٹ کی طرح ہاتھ پیر کٹ گئے، گروہ اوس! اگر تم مجھ کو بچا سکتے ہو تو بچاؤ، خدا کی قسم! میں بغیر قتل ہوئے یہاں سے نہ جاؤنگا" اس آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ عبد الاشہل کے دو لڑکے محمود اور یزید مدد کو پہنچ گئے، اور لڑ کر قتل ہوئے،

ایک تیر عمرو بن نعمان بیاضی سردار خزرج کے لگا اور وہ مر گیا، عبداللہ بن ابی اس جنگ میں بالکل ناطرفدار تھا، وہ لڑائی کی خبریں لینے گیا تو دیکھا کہ عمرو بن نعمان کی لاش چار آدمی اٹھائے ہوئے چلے آرہے ہیں، بولا ذق وبال البغی! یعنی اب اپنے ظلم کا مزہ چکھو، عمرو کے قتل ہونے سے خزرج کے قدم ڈگمگا گئے، اور وہ فرار ہونے لگے

اوس نے یہ سراسیمگی دیکھ کر تمام خزرج کو تلوار کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔ اتنے میں ایک آواز آئی کہ گروہ اوس! اپنے بھائیوں کے قتل سے باز آؤ کیونکہ ان کا رہنا لومڑیوں کے رہنے سے بہتر ہے۔" اوسیوں نے یہ سنکر ہاتھ کھینچ لیا، لیکن قریظہ اور نضیر کو یہ فقرہ باز نہیں رکھ سکتا تھا، اس لئے انھوں نے لوٹ مار برابر جاری رکھی، اوس حضیر کو میدان سے زخمی، اٹھالے گئے، اور خزرج کے مکانات اور باغات میں آگ لگادی، اس موقع پر بنو سلمہ کے مکانات اور جائداد بیں سعد بن معاذ کی وجہ سے تمام آفتوں سے محفوظ رہیں،

جنگ بعاث، انصار کی مشہور جنگوں میں سب سے آخری جنگ تھی، اور ہجرت سے دو سال قبل وقوع ہوئی تھی، ان لڑائیوں کی بدولت انصار کے دونوں قبیلے جس درجہ کمزور ہو گئے تھے، اس کو حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے،[1]

کان یوم بعاث یوما قدمہ اللّٰہ	جنگ بعاث کو خدا نے اپنے رسول کیلئے
عزوجل لرسولہ فقدم	کرایا تھا، چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
رسول اللّٰہ صلعم وقد افترق	آئے تو انصار کے معززین متفرق اور رؤسا
ملؤھم وقتلت سرواتھم	قتل ہو چکے تھے، اور انصار بہت خستہ اور
وجرحوا قدمہ اللّٰہ لرسولہ	نزار ہو گئے تھے، اسلئے یہ دن خدا نے
فی دخولھم فی الاسلام	اپنے رسول پر انصار کے ایمان لانے کیلئے بھیجا تھا

حضرت انسؓ، غیلان بن جریر اور دوسرے ازدیوں کو یہ واقعات سنایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ تمہاری قوم نے فلاں فلاں جنگ میں فلاں فلاں کام کئے،[2]

انصار کی مشہور لڑائیوں کے بعد اب ہم ان کی چند غیر مشہور لڑائیوں کا تذکرہ کرتے

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۳۴ ج ۱ باب القسامۃ فی الجاہلیۃ [2] ایضاً ص ۵۳۳ ج ۱ باب مناقب الانصار

ہیں، اور چونکہ ان کا سنہ معلوم نہیں اس لیے انکو کسی خاص ترتیب کے ساتھ نہیں لکھ سکتے،

سید سمہودی نے انصار کی مشہور جنگوں کے سلسلہ میں جنگ سرارہ کے بعد جنگ "دیک" کا نام لیا ہے، اور دیک کے متعلق لکھا ہے کہ انصار کی ایک جگہ کا نام تھا، غالبًا یہ "دیک" نہیں بلکہ "دریک" ہے جس کے متعلق یہ ثابت ہے کہ وہاں اوس وخزرج میں ایک لڑائی ہوئی تھی[۱]، اور اگر ہمارا یہ خیال صحیح ہے تو یہ جنگ بنوخطمہ میں ہوئی ہوگی، کیونکہ ان لوگوں کی سکونت گاہ یہیں واقع تھی، اور اس میں ایک قلعہ بھی تھا[۲]، تاہم علامہ ابن اثیر نے یوم الدریک کے عنوان سے کسی معرکہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ کسی معرکہ کی نسبت یہ تصریح کی کہ وہ مقام دریک میں برپا ہوا تھا، اس بنا پر ہم یوم الدریک، کو انصار کی غیر معروف جنگوں میں شمار کرتے ہیں،

یوم الدریک کے بعد انصار کی چند خانہ جنگیوں کا جستہ جستہ ذکر آیا ہے، چنانچہ بنوحارثہ (اوس) اور عبدالاشہل میں ایک لڑائی چھڑی تھی، جس میں حارثہ نے بنوظفر کے ساتھ مل کر عبدالاشہل کو شکست دی، اور سماک بن رافع (حضرت اسید بن حضیر کے دادا) کو قتل کرکے عبدالاشہل کو بنی سلیم کے علاقہ میں جلاوطن کردیا، حضیر بن سماک نے بنی سلیم میں رہ کر زور وقوت پیدا کرلی تھی، چنانچہ ان کو لے کر بنوحارثہ پر حملہ کیا اور فتح پانے کے بعد خیبر کی طرف بھیج دیا، بنوحارثہ تقریبًا سال بھر تک خیبر میں رہے، پھر حضیر کو خود رحم آیا اور انکو مدینہ بلا لیا اور صلح ہوگئی[۳]،

یہ غالبًا یوم السرارہ سے قبل کا واقعہ ہے،

احیحہ اور بنی عبدالمنذر میں بھی ایک خفیف سی جنگ ہوئی تھی، جس میں ان کا دادا مارا

---

[۱] خلاصۃ الوفار صفحہ ۸۹ [۲] وفاء الوفار صفحہ ۲۰۶ ج ۲ [۳] وفاء الوفار صفحہ ۲۵۲ ج ۲،

[۴] خلاصۃ الوفار صفحہ ۸۰،

گیا تھا، اور احیحہ کو اپنا قلعہ جس کا نام واقم تھا، اسکی دیت میں دینا پڑا تھا، بنو جحجبا نے رفاعہ اور غنم کو بھی قتل کیا تھا اور اسکی وجہ سے انکو قبا کی سکونت ترک کرنا پڑی تھی۔[۱]

ذ قعت اور سلم میں بھی کسی قدر شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی۔[۲]

بنو سلمہ ایک زمانہ تک متحد ہو کر رہے اور امتہ بن حرام کو اپنا سردار بنایا لیکن پھر اس میں اور صخر (بنی عبید) میں جائداد کی بابت نزاع پیدا ہوئی، صخر تلوار لے کر مارنے اٹھا تو بنو عبید اور سواد درمیان میں پڑے اور امتہ کو بچا لیا، امتہ نے نذر مانی کہ اس کو ضرور قتل کروں گا، لوگوں کو خبر ہوئی تو صخر کو بلا لائے اور امتہ نے کچھ جائداد دے کر اس کا قصور معاف کر دیا۔[۳]

بنو حبیب اور بنو زریق میں حبیب کے قتل سے مخالفت پیدا ہو گئی تھی، جس سے بنو زریق اپنے قدیم مکانات چھوڑ کر چلے آئے۔[۴]

بنو عذارہ، مالک بن غضب کے قبیلہ میں تعداد کے لحاظ سے بہت کم تھے اور بایں ہمہ نہایت حریص واقع ہوئے تھے اس بنا پر بنو لین یا بنو اجدع میں ایک شخص کو مار ڈالا اور جب بات زیادہ بڑھی اور مقتول کے ورثہ دیت پر راضی نہ ہوئے، تو ان لوگوں نے اپنے مکانات چھوڑ کر عمرو بن عوف میں سکونت اختیار کی۔[۵]

انہی بنی مالک کی دو شاخوں میں میراث کے متعلق ایک جھگڑا ہوا تھا، جس کا یہ حشر ہوا کہ دونوں قبیلے بنو بیاضہ کے باغ میں گھس کر اس قدر لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور سب اسی جگہ کٹ کر رہ گئے اس باغ کا نام اسی وجہ سے حدیقۃ الموت مشہور ہو گیا۔[۶]

---

[۱] خلاصۃ الوفا ص ۸۶ [۲] ایضاً ص ۸۶ [۳] ایضاً ص ۸۸ [۴] ایضاً ص ۸۸ [۵] ایضاً ص ۸۸ [۶] ایضاً ص ۸۸ [۷] ایضاً ص ۸۸،

ابن واضح کاتب عباسی نے بعض نام اور بھی لئے ہیں اور وہ یہ ہیں[۱]،

(۱) یوم الصفینہ :- اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ سب سے پہلی جنگ تھی، ممکن ہے کہ صفینہ کسی مقام کا نام ہو اور جنگ سمیر جو انصار کی سب سے پہلی لڑائی شمار ہوتی ہے وہیں ہوئی ہو،

(۲) یوم وقاق بنی خطمہ،

(۳) یوم اطم بنی سالم

(۴) یوم ابتر وہ، ممکن ہے کہ اس سے حدیقۃ الموت کی لڑائی مراد ہو،

(۵) یوم المدار،

(۶) یوم بعاث ثانی :- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بعاث دو مرتبہ ہوئی،

---

[۱] یعقوبی ص ۴۶-۴۷ ج ۲

انصار کا مذہب

ہمارے نزدیک چونکہ انصار، نابت بن اسمٰعیل کی اولاد ہیں اس لئے ابتداءً ان کا مذہب بھی وہی رہا ہوگا، جو حضرت اسمٰعیل اور ان کی اولاد کا تھا، پھر جب عمرو بن لحی کے ذریعہ سے بت پرستی پھیلی تو اور اسماعیلیوں کی طرح انھوں نے بھی اس کو اختیار کیا ہوگا چنانچہ واقعات حرف بحرف اسکی شہادت دیتے ہیں۔ انصار کے یمن کے زمانۂ سکونت میں تو کچھ پتہ نہیں چلتا، البتہ جب سے انھوں نے یثرب میں اقامت اختیار کی اس کا حال کسی قدر معلوم ہے، خزرج اکبر سے چوتھی پشت میں نجار گذرا ہے جو بنو نجار کا مورث اعلیٰ تھا اس کا نام جیسا کہ تاریخوں میں مذکور ہے تیم اللات تھا[1] لیکن بعد میں تیم اللہ ہو گیا چنانچہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں یہی اخیر نام لکھا ہے، جو ممکن ہے انصار کے مسلمان ہونے کے بعد بدلا گیا ہو، اور اس قسم کی بہت سی نظیریں موجود ہیں، بنو تمیعہ جاہلیت میں بنو صما کہلاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کا نام تمیعہ رکھدیا[2] قبیلے کے نام بدلنے کے ساتھ بہت سے اشخاص کے نام بھی تبدیل کئے تھے،

غرض تیم اللات کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار میں لات کی پوجا ہوتی تھی انصار میں بعض قبائل اوس اللہ کہلاتے تھے، عجب نہیں کہ اوس اللہ بھی پہلے اوس اللات رہا ہو، اور اگر یہ صحیح ہو تو انصار میں بت پرستی کی مدت چار پشت اور آگے بڑھ جاتی ہے اور

---

[1] طبری صفحہ ۱۰۸۵ ج ۳ [2] اسد الغابہ صفحہ ۱۶۹ ج ۵

اس کی ابتدا متعین ہو جاتی ہے، کیونکہ اوس، عمرو بن لحی کا بھتیجا ہوتا تھا،[1]

مورخین عرب انصار کے بت کا نام مناۃ بتاتے ہیں، جو شبطیوں کا بت تھا، اور جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے،

ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ (سورہ نجم) اور سب سے اخیر تیسرا مناۃ،

یہ بت بنو اسمٰعیل میں سب سے پرانا تھا،[2] اس کے بعد لات پوجا گیا ہے،[3] مناۃ، قدید میں سمندر کے ساحل سے متصل[4] مشلل نام ایک پہاڑ پر نصب تھا،[5] جو مدینہ سے سات میل تھی[6] اوس وخزرج اور غسان اس کی پوجا کرتے تھے،[7] ان کے علاوہ اور قبائل بھی اس کو پوجتے تھے مثلاً ہذیل، خزاعہ، ازد شنوءہ،[8] (اہل عمان) بنی کعب،[9] اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کو صرف انصار پوجتے تھے، یا انصار میں صرف اسی کی پوجا ہوتی تھی اور دوسرے بتوں کی نہیں ہوتی تھی بلکہ جہانتک قرائن سے پتہ چلتا ہے، مدینہ میں اور بھی بہت سے بت پوجے جاتے تھے چنانچہ یاقوت نے لات کے تذکرہ میں لکھا ہے،

وکانت قریش وجمیع العرب یعظمونہا (ص ۴ ج ۸)

مناۃ کے متعلق بھی بعینہ یہی عبارت لکھی ہے (ص ۱۶۸ ج ۸) اور عزیٰ کے حالات میں تو اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں،

ولم تکن قریش بمکۃ ومن اقام بہا من العرب یعظمون شیئاً من الاصنام اعظامہم العزیٰ ثم اللات ثم مناۃ (ص ۱۶۶ ج ۶) اس سے معلوم ہوا کہ ان بتوں کی پرستش کسی خاص قوم یا قبیلہ میں محدود نہ تھی، انصار کے بتوں کی نسبت مورخ طبری نے

[1] یعقوبی ص ۲۹۵ ج ۱ [2] معجم البلدان ص ۱۶۷ ج ۸ [3] ایضاً ص ۳۱ ج ۷ [4] یعقوبی ص ۲۹۶ ج ۱ [5] معجم البلدان ص ۶۵ ج ۸
[6] ایضاً ص ۱۶۷ [7] طبقات ابن سعد ص ۱۰۶ ج ۲ قسم ۱ [8] معجم البلدان ص ۱۶۸ ج ۸ [9] زرقانی ص ۳۱۲ ج ۲

ہجرت نبویؐ کے ضمن میں ابن ہشام پر لکھا ہے کہ حضرت علیؓ ایک مسلمان عورت کے ہاں جس کے شوہر نہ تھا اور قبا میں رہتی تھی ایک دو رات مقیم ہوئے تھے، اثنائے قیام میں روزانہ رات کو دروازہ کھلتا اور وہ عورت باہر سے کچھ لا کر رکھتی، چونکہ اس کے شوہر نہ تھا، حضرت علیؓ نے پوچھا رات کو دروازہ کیوں کھلتا ہے؟ بولی بات یہ ہے کہ میں بالکل لاوارث ہوں، اس لئے سہل بن حنیف رات کو اپنی قوم کے بت توڑتے ہیں اور خفیہ لا کر مجھ کو دیجاتے ہیں کہ ان کا ایندھن بنا نا، حضرت علیؓ پر سہل بن حنیف کے اس فعل کا بڑا اثر پڑا، اس روایت سے معلوم ہوا کہ انصار کے گھروں میں لکڑی کے بت کثرت سے تھے،

بنو سلمہ میں عمرو بن جموح ایک نہایت ممتاز شخص تھا، جب حضرت معاذ بن جبلؓ وغیرہ مسلمان ہوئے، تو اس کے بت کو جس کا نام مناۃ تھا اور لکڑی کا تھا اٹھا کر پھینک آتے تھے، عمرو کے ماسوا تمام سربرآوردہ لوگوں کے گھروں میں بت موجود تھے[۲] اور مندروں میں جو بت موجود تھے ان کا شمار ان کے علاوہ تھا، چنانچہ غنم بن مالک بن نجار کا ایک بت خانہ تھا جس میں بہت سے بت تھے، اور عمرو بن قیس اس کا متولی تھا[۳] مذکورہ بالا قرائن کے باوجود کیا ان تمام بتوں کو مناۃ کی مورتیں فرض کیا جاسکتا ہے؟ علاوہ بریں انصار میں مختلف بتوں کے انتساب سے نام رکھے جاتے تھے، اور یہ خود ان کی متعدد بتوں کی پرستش پر دلالت کرتا ہے، تیم اللات کا ذکر اوپر گذر چکا، بنو جدیلہ (نجار) کے مورثوں میں ایک شخص کا نام زید اللات تھا، جس کو ابن ہشام نے اپنی عادت کے مطابق زید اللہ لکھا ہے[۴]، حضرت ابو طلحہؓ کے بزرگوں میں ایک شخص کا نام زید مناۃ تھا[۵]، بنی ساعدہ میں جو خزرج اکبر کی

---

[۱] طبری ص ۱۲۳۱ ج ۳ [۲] سیرت ابن ہشام ص ۱۴۸ ج ۱ [۳] ایضاً ص ۲۹۵ ج ۱ [۴] سیرت ص ۲۳۶ ج ۱

[۵] تہذیب التہذیب ص ۴۱۴ ج ۳

اولاد تھے، ایک آدمی کا نام عبدود تھا[1] حارث بن خزرج کے ایک شخص مسمی بہ سفیان بن بشر کا نام ابن ہشام نے سفیان بن نسر بتایا ہے[2]، ابو عقیل عبدالرحمن کا نام عبدالعزیٰ تھا[3]

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ انصار میں مناۃ کے علاوہ اور بتوں کی پوجا یا کم از کم تعظیم کا خیال ضرور موجود تھا، ہمارے مورخین نے مناۃ کی جو تخصیص کی اس کے یہ معنی ہیں کہ اس بت کی انصار کے دلوں میں زیادہ عظمت تھی، چنانچہ یاقوت نے لکھا ہے[4]،

ولم یکن احد اشد اعظاماً له من الاوس والخزرج ،	اوس و خزرج سے زیادہ کوئی قبیلہ مناۃ کی عزت نہیں کرتا تھا،

تعظیم کی وجہ ظاہر ہے، اور یہ خود مناۃ کے مادہ میں موجود ہے، مناۃ، منا سے نکلا ہے جس کے معنی قدر یعنی اندازہ کرنے کے ہیں، چونکہ انصار اسکو قضا و قدر کا حاکم سمجھتے تھے، اسلئے اسکی حد درجہ تعظیم کرتے تھے، اور اس کی رضا جوئی کے لئے طرح طرح کی رسمیں ایجاد کر لی تھیں مثلاً وہیں سے احرام باندھتے تھے، وہیں ہدی بھیجتے تھے، حج سے واپس آکر وہیں سر منڈواتے اور قربانی کرتے تھے،

غرض انصار کا مذہب، تمام اہل عرب کی طرح بت پرستی تھا، تاہم بعض بعض لوگ خدا پرستی کی طرف بھی مائل تھے اور اس کی مختلف صورتیں اختیار کی تھیں، چنانچہ بعض لوگ یہودی ہوگئے تھے، اور یہ خیبر کے یہود اور قریظ اور نضیر کے میل جول کا نتیجہ تھا[5] یہودی مذہب نے انصار میں جو مقبولیت حاصل کی تھی اس کا یہ اثر تھا کہ جب کسی عورت کے لڑکا زندہ نہ رہتا تو منت مانتی تھی کہ اگر اولاد پیدا ہوئی اور زندہ بچی تو اس کو یہودی

---

[1] اصابہ ص ۱۳۹ ج ۲ [2] سیرت ص ۲۰۴ ج ۱ [3] اسد الغابہ ص ۲۰۷ ج ۵ [4] معجم البلدان ص ۱۶۸ ج ۸ [5] یعقوبی ص ۲۹۸ ج ۱،

بناؤں گی، اس طرح انصار میں یہودی مذہب اختیار کرنے والوں کی ایک خاصی تعداد ہو گئی تھی[۱]

جس میں قبائل عوف، نجار، حارث، ساعدہ، جشم، اوس، ثعلبہ، داخل تھے[۲] صرمہ ابو قیس[۳]،

سلسلہ بن برہام، (بنو نجار میں) لبید بن عاصم (بنو زریق میں) کنانہ بن صوریا (بنو حارثہ میں)

اور قردم بن عمرو (بنو عمرو بن عوف میں) ان قبائل کے مشہور اور سربرآوردہ یہودی ہیں[۴]،

بعض لوگوں نے حنیفی مذہب اختیار کر لیا تھا، چنانچہ ابو قیس صرمہ کے متعلق مذکور ہے کہ

انھوں نے یہودی مذہب اختیار کر کے چھوڑ دیا اور عیسائی بننا چاہا لیکن پھر اپنے گھر کو عبادت گاہ[۵]

بنا کر گوشہ نشین ہو گئے، اور کہنے لگے اعبد رب ابراھیم! میں ابراہیم کے خدا کی عبادت کرتا ہوں[۶]

ابو قیس صیفی بن اسلت بھی اسی مذہب میں داخل تھا[۷]،

بعض صرف توحید کے قائل تھے، چنانچہ اسعد بن زرارہ اور ابو الہیثم بن تیہان کا اسی میں

شمار تھا[۸] بعض عیسائی ہو گئے تھے، ابو الحصین کے بیٹے انہی میں شامل تھے[۹]، بعض ان کے علاوہ

کسی اور مذہب کے پیرو تھے، مثلاً سوید بن صامت لقمان کی حکمتوں پر عمل کرتا تھا[۱۰]،

باایں ہمہ انصار کا ہر فرد مذہب ابراہیمی کے کچھ نہ کچھ احکام کا پابند تھا، حج بیت اللہ، قربانی،

مہمان نوازی، اشہر حرم کی عزت، فواحش کو برا سمجھنا، اور جرائم پر سزا دینا، یہ تمام باتیں دین

ابراہیمی کا جزو تھیں اور انصار ان پر کاربند تھے،

نماز کی ایک بگڑی ہوئی صورت انصار میں باقی تھی، چنانچہ ان کا ایک شاعر ابو قیس

ابن اسلت حبشیوں کی مکہ میں شکست پر، فرط مسرت سے کہتا ہے،

فقوموا فصلوا ربکم وتمسحوا | بارکان هذا البیت بین الاخاشب[۱۱]

---

[۱] ابو داؤد ص ۹ ج ۲ باب الاسیر یکرہ علی الاسلام، [۲] سیرت ابن ہشام ص ۲۴۹ ج ۱، [۳] اسد الغابہ ص ۲۰۷ ج ۵، [۴] سیرت ابن ہشام ص ۲۸۷ ج ۱، [۵] اسد الغابہ ص ۲۷۸ ج ۵، [۶] طبقات ابن سعد ص ۲۶ ج ۱ قسم ۱، [۷] اسد الغابہ ص ۲۲۱ ج ۵، [۸] طبری ص ۲ ج ۱، [۹] سیرت ابن ہشام ص ۲۰ ج ۱

حج کرتے تھے اور اس کا یہ طریقہ تھا، کہ گھر سے چلتے وقت شناخت کے طور پر کھجور کی جڑیں کاٹ کر دروازہ پر لٹکا دیتے تھے[1] اس کے بعد قدید جاتے اور مناۃ کے سامنے نماز پڑھتے، پھر تلبیہ کہتے ہوئے مکہ آتے[2] تلبیہ یہ تھا، لبیک رب غسان راجلہا والفارس[3] کہ میں منیٰ کی گھاٹی کے قریب ٹھہرتے، صفا اور مروہ کا طواف کرتے[4] پھر حج کے تمام رسوم ادا کر کے واپس ہوتے اور قدید پہونچ کر مناۃ کے سامنے سر منڈواتے، مکہ میں سر نہیں منڈواتے تھے، اور وہاں چند روز قیام کرتے تھے، اس کے بغیر حج کو ناتمام سمجھتے، ہدی بھی یہیں بھیجتے اور یہیں قربانی کرتے تھے[6] اس کے بعد گھر آتے اور مکانات میں دروازہ کے بجائے پشت کی کھڑکیوں سے داخل ہوتے، اور جب تک محرم رہتے اسی پر عمل کرتے تھے[8]

حج کے ایام میں شکار کھیلتے[9] لڑائیوں کو موقوف کرتے اور دشمنوں سے تعرض نہیں کرتے تھے[10]

مکر و غدر سے نفرت کرتے، چنانچہ ثعلبہ بن عنقا کے متعلق اوپر گذر چکا ہے کہ محض جذع بن سنان کی مکاری کی وجہ سے غسان کی حکومت چھوڑ دی تھی[11]

مہمان نواز تھے، اور دشمنوں تک کی ضیافت کرتے تھے، چنانچہ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں انصار اور تبع سے جنگ ہو رہی تھی انصار دن کو لڑتے اور شب کو اس کی ضیافت کرتے تھے[12]

عہد کو پورا کرتے اور اس کے لئے جان لڑا دیتے تھے، جنگ سمیر جو انصار کی پہلی لڑائی تھی، اسی کا نتیجہ تھی اور قبیلۂ ذبیان کے ایک شخص کی بدولت برپا ہوئی تھی[13] دشمنی اور مخالفت

---

[1] ابن اثیر ص۵۰ ج ۱ [2] یعقوبی ص۲۹۶ ج ۱ [3] ایضاً ص۲۹۵ ج ۱ [4] طبقات ابن سعد ص۹۱ ج ۱ قسم ۱
[5] صحیح بخاری ص۲۲۳ ج ۱ [6] معجم البلدان ص۱۶۲ ج ۸ [7] صحیح بخاری ص۶۴۷ ج ۲ [8] یعقوبی ص۲۹۸ ج ۱
[9] صحیح بخاری ص۲۲۳ ج ۱ [10] ابن اثیر ص۵۰ ج ۱ [11] معارف ابن قتیبہ ص۲۱ طبری ص۹۰۱ ج ۲ [13] ابن اثیر ص۲۹۱ ج ۱

کی وجہ سے ان کو ایک دوسرے کا غلام بننا پڑتا تھا[1] لیکن وہ بدعہدی کے مقابلہ میں اس ننگ کو گوارا کرتے تھے،

میدانِ جنگ سے اگر ایک گروہ شکست کھا کر فرار ہوتا اور اپنے گھر چلا آتا تو دوسرا گروہ تعاقب سے احتراز کرتا تھا[2]،

ان عمدہ باتوں کے ساتھ ساتھ ان میں بعض انتہا درجہ کی بداخلاقیاں موجود تھیں مثلاً، وہ سوتیلی ماں سے شادی کرتے تھے، اور یہ رسم آغازِ اسلام تک جاری تھی، چنانچہ جب ابو قیس بن اسلت کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں کو نکاح کا پیغام دیا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو آپ خاموش ہو گئے اور یہ آیت نازل ہوئی

ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء، اس قصہ کے راوی کا بیان ہے کہ یہ سب سے پہلی عورت ہے جو اپنے شوہر کی اولاد پر حرام ہوئی، اس کا نام کبیشہ بنت معن بن عاصم تھا[3]،

آبائی جائداد میں بیٹیوں کا کچھ حق نہ تھا، اولادِ ذکور بھی جب تک نابالغ رہتی میراث کی مستحق نہیں ہوتی تھی[4]،

ان باتوں کے علاوہ ان کے عقائد میں چند اور باتیں بھی داخل تھیں جن میں ایک جھاڑ پھونک بھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک اس کے جاننے والے موجود تھے، چنانچہ طبرانی نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے ممانعت فرمائی تو عمرو بن حزم نے جو سانپ کے کاٹے کو جھاڑتا تھا آکر کہا کہ آپ اس سے منع فرماتے ہیں حالانکہ میں اس کا منتر جانتا ہوں اور جھاڑتا ہوں (یعنی اس ممانعت کی تعمیل کے باوجود نفسِ منتر کے جاننے اور اس کام کے کرنے کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے) آنحضرت

[1] اسد الغابہ ص۲۸۵ ج ۵، [2] ابن اثیر ص۲۸۳ ج ۱، [3] اصابہ ص۳۱۵ ج ۸، [4] اسد الغابہ ص۹۶ ج ۷،

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منتر سنا تو فرمایا اس میں کچھ ہرج نہیں، اس کے بعد ایک دوسرا انصاری آیا، اور کہا میں بچھو کو جھاڑتا ہوں آپ نے کہا کہ تم میں جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو پہنچائے[1] اسلام لانے کے بعد بھی انصار میں جھاڑ پھونک کا رواج باقی تھا، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت آئی ہے کہ ان لوگوں نے ایک سفر میں کسی قبیلے کے رئیس کو جسے بچھو نے ڈسا تھا، جھاڑا تھا اور اس کے معاوضہ میں تیس بکریاں لی تھیں[2]،

طہارت کا خیال حد درجہ تھا، تمام عرب طہارت میں ڈھیلے استعمال کرتے تھے لیکن انصار ڈھیلوں کے ساتھ پانی بھی لیتے تھے، اسلام کے زمانہ میں ان کا یہ فعل نہایت مستحسن سمجھا گیا، اور قرآن میں ان کی تعریف نازل ہوئی[3]،

مردوں کو دفن کرتے تھے اور بقیع الغرقد کو قبرستان بنایا تھا[4]،

ابن ہشام میں ایک موقع پر انصار کے عقائد کا ضمناً تذکرہ آگیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں

الاوس والخزرج اهل شرك		اوس وخزرج مشرک تھے، بت پوجتے
يعبدون الاوثان لا يعرفون		تھے، جنت دوزخ، بعث ونشر قیامت
جنة ولا نارا ولا بعثا ولا	ترجمہ	کتاب، حلال اور حرام کو نہیں
قيامة ولا كتابا ولا حلالا		جانتے تھے۔

اس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں، کہ یہ لوگ قیدیوں کا فدیہ، توراۃ کے بموجب دیتے تھے اور یہ یہود کی صحبت کا اثر تھا[5]،

---

[1] اسد الغابہ ص ج ۲ [2] صحیح بخاری ص ج ۲ باب فضل فاتحۃ الکتاب [3] سنن ابن ماجہ ص ۳۰ [4] خلاصۃ الوفا ص ۳۶۳ [5] سیرت ابن ہشام ص ۲۰۳ ج ۱،

انصار کا تمدن

اوپر گذر چکا ہے کہ نبطی، بنو اسمٰعیل میں سب سے زیادہ متمدن تھے، انصار کو چونکہ ہم نبطی الاصل سمجھتے ہیں، اسلئے ہمکو دکھانا چاہیئے کہ ان میں تمدن کا کہاں تک اثر تھا؟ ذیل کی سطور میں اسی کو پیش کرنا ہے،

نظام اجتماعی انسان چونکہ بالطبع مدنیت کا دلدادہ واقع ہوا ہے، اس لئے وحشی قبائل بھی ایک نظام بنا کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان قبائل میں بھی ایک شخص سردار ضرور ہوتا ہے، پھر جب تمدن پھیلتا ہے اور وحشت کم ہوتی ہے تو یہ نظام بھی وسیع ہوتا ہے اور اس میں متعدد شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں،

انصار میں مازن بن ازد سے حارثۃ الغطریف کے زمانہ تک صرف سرداروں کے نام نظر آتے ہیں، عمرو بن عامر عرف مزیقیا کے وقت میں سردار قبیلہ کے ساتھ ایک اور نام بھی معلوم ہوتا ہے (مالک بن یمان) لیکن یہ نہیں پتہ چلتا کہ اس کی حیثیت کیا تھی؟[1] عمرو کے بیٹے ثعلبۃ العنقا کے عہد میں جب وہ غسان میں مقیم تھا، عک سے نہایت خونریز جنگ ہوتی ہے، تو اس موقع پر ثعلبہ کی قوم ایک باقاعدہ فوج نظر آتی ہے، جو جذع بن سنان کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی، چونکہ جذع نے فوج کا تمام نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، اس لئے مورخین اسکو سپہ سالار لکھتے ہیں[2]،

---

[1] صفحہ جزیرۃ العرب ص۲۰۷ [2] کتاب المعارف ابن قتیبہ۔

غرض ثعلبہ کے وقت سے انصار میں دو عہدے قائم ہوئے، رئیس اور سپہ سالار اور یہ

دونوں ایک زمانہ تک برقرار رہے، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوا کہ رئیس ہی نے سپہ سالاری

کی خدمت بھی انجام دی، چنانچہ مالک بن عجلان خزرجی، اور عمرو بن طلحہ نجاری کے متعلق اسی

قسم کے واقعات ملتے ہیں،

اس وقت تک چونکہ انصار کے قبائل باہم متحد تھے، اسلئے ان میں رئیس ایک شخص

ہوتا، اور وہ عموماً قبیلۂ خزرج سے ہوتا تھا، چنانچہ مدینہ کی سکونت کے زمانہ میں ہمکو رؤسائے

انصار میں سے جس شخص کا نام سب سے قدیم ملا ہے وہ مالک بن عجلان ہے جو سالم بن عوف بن

خزرج کی اولاد تھا، سید سمہودی اس کی نسبت لکھتے ہیں[۱]،

وسودہ الحیان الاوس والخزرج — اسکو اوس اور خزرج دونوں نے سردار بنایا تھا،

مالک کے بعد ریاست خاندان سالم سے نکل کر خاندان نجار میں چلی گئی، چنانچہ تبع اور

انصار سے جو جنگ ہوئی اس میں عمرو بن طلحہ نجاری سپہ سالار افواج تھا، جس کے متعلق علامہ طبری

نے تصریح کی ہے کہ وہی اس زمانہ میں انصار کا رئیس بھی تھا[۲]، ان دونوں روایتوں سے یہ بھی پتہ

چلتا ہے کہ انصار کی ریاست جمہوری اصول پر قائم تھی، ورنہ شخصی ہونے کی صورت میں رئیس

صرف ایک خاندان سے ہوتا، اور دوسرے خاندان میں انتقال ریاست کے وقت خانہ جنگیاں

پیش آتیں، حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا،

لیکن جب انصار میں نزاع پیدا ہوئی تو ریاست دو حصوں میں منقسم ہو گئی اوس

اور خزرج، اوس میں عبد الاشہل اور خزرج میں ساعدہ کا خاندان اپنے اپنے قبائل پر حکومت

کرتا تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اوس کے سعد بن معاذ اور خزرج کے

---

[۱] خلاصۃ الوفا ص۸۲ [۲] طبری ص۹۰۱ ج ۲

سعد بن عبادہ رئیس تھے[۱]

یہ تقسیم کچھ یہیں تک محدود نہیں ہی، بلکہ ان دونوں قبیلوں میں جتنے خاندان تھے سب نے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ رئیس تجویز کر لئے، چنانچہ قبیلہ اوس میں سے بنو جحجبا نے احیحہ بن جلاح کو سردار بنایا،[۲] خزرج میں بھی اسی طرح تفریق ہوئی، بنو مازن بن نجار کی سیادت عاصم کو ملی،[۳] بنو سلمہ نے امیہ بن حرام کو سردار بنایا،[۴] امیہ کے بعد بنو سلمہ باہمی خونریزیوں کی بدولت متفرق ہو گئے تھے لیکن پھر جد بن قیس نے سب کو مجتمع کیا اور خود سردار بن بیٹھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بنو سلمہ کا یہی سردار تھا،[۵]

جنگ بعاث کے بعد جب دونوں قبیلوں نے زچ ہو کر ہمت ہار دی تو پھر قدیم نظام پر عمل کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ قبیلہ خزرج میں سے ایک شخص عبداللہ بن ابی پر سب نے اتفاق کیا اور اس کو یثرب کا رئیس بنانے کی تجویز پیش کی، صحیح بخاری میں حضرت سعد بن عبادہ سردار خزرج کی زبانی منقول ہے،[۶]

لقد اصطلح اهل هذه البحيرة	اس شہر کے باشندوں نے اس (ابن ابی) کو
على ان يتوجوه فيعصبونه بالعصابة	تاج پہنانے اور بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا

ابن ابی پر اتفاق کی وجہ یہ تھی کہ وہ زمانہ جاہلیت میں بھی جنگ و جدال سے حتی الامکان گریز کرتا تھا چنانچہ جنگ فجار کے ضمن میں گذر چکا ہے کہ اس نے عمرو بن نعمان کو یہودی غلاموں کے قتل سے منع کیا تھا،[۷] اسی طرح وہ جنگ بعاث میں بھی بالکل الگ تھا،[۸] ایک موقع پر اس نے انصار اور قریش کی جنگ کو بھی ٹالا تھا،[۹] لیکن ابھی تخت نشینی کی نوبت نہ آئی

---

۱ صحیح بخاری ص ۵۹۶ ج ۲ باب حدیث الافک ۲ ابن اثیر ص ۴۹۵ ج ۱ ۳ ایضاً ۴ خلاصۃ الوفا ص ۸۵ ۵ اسد الغابہ ص ۲۲۴ ج ۱ ۶ صحیح بخاری ص ۶۵۵ ج ۲ باب و لتسمعن من الذین اوتوا الکتاب ۷ ابن اثیر ص ۵۰۲ ج ۱ ۸ ایضاً ص ۵۰۱ ۹ طبقات ابن سعد ص ۱۰۵ ج ۳ قسم ۱

تھی کہ انصار نے اسلام قبول کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین و دنیا کی حکمرانی کیلئے مدینہ بلایا اور ابن ابی کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں،

ریاست کے ساتھ سپہ سالاری کا بھی یہی حشر ہوا جب دونوں قبائل میں جنگ کا آغاز ہوا تو ہر قبیلے کا سپہ سالار علیحدہ علیحدہ تھا، چنانچہ حضیر بن سماک[1]، ابو قیس بن اسلت اور عمرو بن نعمان بیاضی[2] مختلف جنگوں میں دونوں قبیلوں کی طرف سے اس منصب پر فائز ہوئے ہیں، اسلام سے پہلے قبیلہ اوس کا یہ عہدہ حضیر کے بیٹے اسید کو تفویض ہوا تھا[3]

امیر اور سالار لشکر کے عہدوں کے ساتھ انصار میں ایک اور اعزاز بھی تھا، یعنی بت خانہ کی تولیت، اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس عہدہ پر عمرو بن قیس بخاری، بنو نجار کی طرف سے مامور تھا[4]، اور قبائل میں بھی کچھ لوگ رہے ہونگے، لیکن ہمکو ان کے نام معلوم نہیں

نظام عسکری انصار نے چونکہ باقاعدہ ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد قائم کی تھی، اسلئے ان کو ریاست کے تمام لوازمات رکھنے پڑتے تھے، مثلاً فوج قلعے فصیلیں، قبرستان،

فوج کے متعلق یہ تصریح نہیں کہ تعداد میں کتنی تھی، جہانتک قرائن سے پتہ چلتا ہے کوئی مخصوص فوج نہ تھی، بلکہ قبیلہ کا ہر شخص سپاہی ہوتا تھا، جو وقت پر اپنے قبیلہ اور وطن کی طرف سے جاں نثاری کے لیے بڑھتا تھا، چنانچہ بنو سلم (اوس) میں ایک زمانہ میں ہزار جوان موجود تھے[5]، بنو مالک بن غضب کی (بنی زریق کے علاوہ) بھی یہی تعداد تھی[6]،

لڑائی کے وقت صف بندی کا طریقہ نہ تھا، چنانچہ حضرت ابو ایوبؓ نے جنگ بدر میں صف آرائی کی نسبت بیان کیا ہے کہ ہم لوگ جس وقت تیار ہوئے تو کچھ لوگ صف سے

---

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۹۲ [2] ایضاً ص ۵۰۶ و ۵۰۱ ج ۱ [3] سیرت ابن ہشام ص ۲۳۸ [4] ایضاً ص ۲۹۵

[5] خلاصۃ الوفا ص ۸۲ [6] ایضاً ص ۸۹،

باہر نکل کر کھڑے ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے ساتھ رہو"، انصار کی لڑائیوں کے حالات پڑھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت بے ترتیبی کے ساتھ گتھ جاتے تھے، البتہ ہزیمت کے وقت یہ قاعدہ تھا کہ جب ایک فریق بھاگ کر اپنے محلہ میں چلا جاتا، تو دوسرا فریق تعاقب چھوڑ دیتا تھا، لیکن کبھی یہ قانون ٹوٹ بھی جاتا، اور گھروں میں بھی پناہ نہ ملتی، اس وقت دوسرا فریق قلعہ بند ہو جاتا تھا۔[۲]

جب آتشِ منافرت زیادہ بھڑکتی تو نہایت بے دردی کے ساتھ قتل عام شروع ہوتا، مالک ابن غضب کے دو قبیلے اسی طرح لڑ کر فنا ہوئے،[۳] کہ ایک رونے والا بھی ان میں باقی نہ رہا جنگ بعاث میں اوس نے خزرج کی گردنوں پر تلوار رکھی، لیکن پھر باز آگئے۔[۴]

فوج میں جو لوگ صرف حالات معلوم کرنے اور لڑائی دیکھنے کے لئے آتے ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا، جنگ جسر میں عیینہ اور جبار لڑائی کا نظارہ کر رہے تھے،[۵] جنگ بعاث میں عبداللہ بن ابی گھوڑے پر چڑھ کر میدان کے ارد گرد پھر رہا تھا، اور حالات پوچھ رہا تھا،[۶]

لڑائی کے لئے کوئی ایک میدان مقرر نہ تھا، بلکہ ہر قبیلے کا سکونت گاہ میدان جنگ کا کام دیتی تھی، کیونکہ قلعے ہر قبیلے اور ہر محلے میں تھے کبھی کبھی قلعوں کو چھوڑ کر باغوں میں بھی لڑائی ہوتی تھی،

قلعے نہایت کثرت سے تھے، اور ایک ایک قبیلے کے پاس متعدد تھے، مثلاً زید بن مالک کے پاس ۴ قلعے تھے،[۷] عبدالاشہل خطمہ کے پاس بھی چند تھے، اور بنو واقف نے ۲۰ قلعے تعمیر کئے تھے،[۸] ان قلعوں کی مختصر فہرست یہ ہے،

---

[۱] مسند ابن حنبل صفحہ ۱۲۱ ج ۵ [۲] ابن اثیر صفحہ ۵۱۵ ج ۱ [۳] خلاصۃ الوفا صفحہ ۶۴ [۴] ابن اثیر صفحہ ۵۱۵ ج ۱ [۵] ایضاً صفحہ ۵۰۹ [۶] ایضاً صفحہ ۵۱۵ [۷] خلاصۃ الوفا صفحہ ۸۲ [۸] ایضاً صفحہ ۸۰،

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۱۔ آل ساعدہ		
۱۔ اجم	ذباب	
۲۔ تیس	+	عثمان کا تھا
۳۔ معرض	+	
۴۔ واسطہ	〃	ابو خزیمہ کا تھا
۲۔ عبد الاشہل		
۵۔ رعل	+	
۶۔ عاصم	فقارہ	
۷۔ مسیر	+	
۸۔ واقم	+	
۳۔ قدرہ		
۹۔ اجرد	بصہ	
۱۰۔ واسط	+	
۴۔ انیف		
۱۱۔ اخش	قبا	
۱۲۔ +	قبا	
۱۳۔ +	〃	
۱۴۔ ابو احان	〃	۴ قلعے تھے
۵۔ عسید		
۱۵۔ اطول	مسجد خربہ	
۱۶۔ اشاد	مداد اور نخل میں	۴ قلعے
۱۷۔ عبس	+	
۶۔ حرام		
۱۸۔ اشاد	+	دیکھو عبید
۱۹۔ جاعس	مساجد فتح	
۲۰۔ مداد	〃	
۷۔ واقف		
۲۱۔ +	مسجد فضیح	
۲۲۔ ریدان	〃	
۸۔ اوس		
۲۳۔ +	جذمان	
۹۔ سلم		
۲۴۔ خصی	مسجد قبا	
۱۰۔ حارثہ		
۲۵۔ خصی		

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۲۶- ریان	.	
۲۷- مربع	.	
۲۸ نیار	نیار	
۱۱- سواد		
۲۹ خیط	مسجد قبلتین	
۳۰- ینیع	"	
۱۲- زغوبا		
۳۱ رائج	رائج	
۱۳- زریق		
۳۲- ریان	.	
۱۴- انجار		
۳۳- زاہریہ	.	
۳۴- عریان	.	نضر
۳۵- فارع	.	مغالہ
۳۶- قویرع	.	غنم
۳۷- مشعط	مسجد ابی	جدیلہ
۳۸- نیفت	مسجد بنو دینار	دینار
۳۹ واسط		مازن
۱۵- جشم		

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۴۰- سنح	سنح	
۱۶- سمیعہ		
۴۱- سعدان	ریکح	
۱۷- بیاضہ		
۴۲- سوید	جاصنہ	یہ قلعہ سیاہ تھا
۴۳- سرارہ	.	
۴۴- عقرب	روحا	
۴۵- عقبان	سبخہ	
۴۶- لوی	"	
۱۸- عطیہ		
۴۷- نتاس	مسجد قبا	
۱۹- سالم		
۴۸- شماخ	.	
۴۹- قواقل	عصبہ	
۲۰- ضبیعہ		
۵۰- نتینت	قبا	
۲۱- زید بن مالک		
۵۱- صیاصی	قبا	۱۴ قلعے تھے

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۲۲ - بحجا		
۵۲ - ضحیان	عصبہ	
۵۳ - مستظل	چاہ غرس	
۵۴ - یحیم	عصبہ	
۲۳ - خطمہ		
۵۵ - ضع ذرع	چاہ ذرع	
۵۶ - نواع	چاہ عمارہ	
۲۴ - امیہ بن زید		
۵۷ - عذق	۰	
۲۵ - غنم		
۵۸ - قواقل	عصبہ	
۲۶ - حبلی		
۵۹ - مزاحم	۰	
۲۷ - مالک بن عجلان		
۶۰ - مزدلفہ	مسجد جمعہ	
۲۸ - وائل بن زید		
۶۱ - موجا	۰	
۲۹ - مجدعہ		

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۶۲ - یحیم	عصبہ	
۳۰ - نامعلوم قلعے		
۶۳ - اشنف	مسجد خربہ	
۶۴ - بئر الیحیم	عصبہ	
۶۵ - بحزج	قبا	
۶۶ یعیع	"	
۶۷ بلحالن	شجرہ	
۶۸ شبعان	شنع	
۶۹ صرار	حرہ شرقیہ	
۷۰ صیصہ	قبا	
۷۱ عاصم	"	
۷۲ - عدنیہ	عصبہ	
۷۳ - غرہ	قبا	مسجد قبا کا منار اس جگہ پر تھا
۷۴ - قبایب	۰	
۷۵ - کلب	۰	
۷۶ - کنس حصین	مہراس (قبا)	
۷۷ - کومۃ المدر	تبع	

نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت	نام قلعہ	مقام وقوع	کیفیت
۷۸ - مرادح	قبا		۸۰ - شیخان	راتج	دو قلعے تھے
۷۹ واقم	۔	۲ قلعے تھے	۸۱ - ازرق	قناۃ	

قلعوں کے علاوہ انصار نے جابجا دیواریں بنا رکھی تھیں جو سیلاب کے ساتھ دشمنوں کیلئے بھی مزاحم ہوتی تھیں، مدینہ کی سب سے بڑی دیوار وہ تھی جو شہر کے چاروں طرف کھینچی ہوئی تھی، اور جس کو سور مدینہ کہا جاتا ہے[1]، بنو بیاضہ کے محلہ میں ایک دیوار تھی، اس کا نام ضعہ تھا[2]، بنی زریق نے بھی ایک دیوار بنائی تھی[3]، ایک دیوار وہ بھی جو حرہ کی آتش زدگی میں جلی تھی[4]، ایک دیوار کا نام ربیح تھا، اور انصار کا ایک معرکہ یہیں ہوا تھا[5]، صعیب اور معرس نامی بھی دو دیواریں تھیں، جن کی آڑ میں چند دنوں تک انصار نے جنگ کی تھی[6]، ان دیواروں، قلعوں اور گنجان آبادی کی وجہ سے مدینہ نہایت مستحکم اور ناقابل تسخیر شہر بن گیا تھا، طبقات میں ہے[7]،

کان سائر المدینۃ مشبکا	مدینہ اپنی گنجان عمارتوں کی وجہ سے گویا
بالبنیان فھی کالحصن	ایک قلعہ معلوم ہوتا تھا،

عبداللہ بن ابی کا قول ہے، فواللہ ماخرجنا منھا الیٰ عدو لنا قط الا اصاب منا ولا دخلھا علینا الا اصبنا منھم[8]، یعنی ہم نے جب مدینہ سے نکل کر مقابلہ کیا تو شکست کھائی اور جب یہیں رہ کر لڑے تو ہمیشہ فتح ہوئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی استحکام کی وجہ سے مدینہ کو، درع حصینہ، مضبوط زرہ کہا ہے[9]،

---

[1] خلاصۃ الوفا ص ۱۳۳ [2] ایضاً ص ۱۴۵ [3] ایضاً ص ۱۵۵ [4] ایضاً ص ۲۶۵ [5] ابن اثیر ج ۱ ص ۵۰۔
[6] ایضاً ص ۵۰ [7] طبقات ابن سعد ص ۳۸ ج ۲ قسم ۱ [8] زرقانی ص ۲۳ ج ۲ [9] طبقات ص ۲۶ ج ۲ قسم ۱

چونکہ انصار میں ہمیشہ خانہ جنگی رہا کرتی تھی، اس کے سوا مردوں کے دفن کرنے کا عرب میں قدیم دستور تھا اس لئے انصار نے مدینہ میں مختلف قبرستان بنا لئے تھے، ایک بنو ساعدہ کا قبرستان تھا جس پر بعد کو مدینہ کا بڑا بازار آباد ہوا[۱]، عبد الاشہل کا قبرستان مقبرہ کے نام سے مشہور تھا[۲]، بقیع الغرقد جو آج بھی نہایت مشہور قبرستان ہے پہلے ایک ذخیرہ تھا جس کے درختوں کو کاٹ کر قبرستان بنایا گیا، عمرو بن نعمان بیاضی اپنی قوم کے مرثیہ میں کہتا ہے[۳]،

خلت الدیار فسدت غیر مسود	ومن العناء تفردی بالسودد
این الذین عهدتهم فی غبطة	بین العقیق الی بقیع الغرقد

بنو سلمہ کا بھی ایک جداگانہ قبرستان تھا[۴]، بنو خطمہ نے بھی ایک قبرستان بنایا تھا جو عرس کی طرف واقع تھا[۵]، اور بنو نجار کا قبرستان مسجد نبوی کی جگہ پر تھا، چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو قبروں کو اکھڑوا کر مسجد کی بنیاد ڈالی[۶]،

سب سے اخیر ہم کو یہ دکھلانا چاہئے کہ انصار میں ہتھیاروں کا کیا بندوبست تھا، اس کے متعلق زیادہ تفصیل معلوم نہیں، صرف اس قدر معلوم ہے کہ مدینہ میں رقم نامی ایک جگہ تھی، وہاں تیر بنتے تھے، یاقوت، رقم کے تحت میں لکھتے ہیں[۷]،

موضع بالمدینة تنسب الیه السهام الرقمیات	یعنی رقم مدینہ میں ایک جگہ ہے جہاں کے تیر مشہور ہیں،

مدینہ میں یہود کے پاس بھی ہتھیار سازی کے آلات تھے اور وہ ہتھیار بنایا کرتے تھے[۸]، ممکن ہے کہ ضرورت کے وقت ان سے بھی قیمۃً لے لیتے ہوں،

---

[۱] خلاصۃ الوفا ص ۲۰ [۲] ایضاً ص ۲۹ [۳] ایضاً ص ۲۶۳ [۴] مسند ابن حنبل ص ۳۹۶ ج ۳،
[۵] طبقات ص ۴ ج ۲ قسم ۱ [۶] صحیح بخاری ص ۶۵ ج ۱ [۷] معجم البلدان ص ۲۱۱ ج ۴ [۸] طبری ص ۱۳۶۱ ج ۱

نظام مذہبی انصار چونکہ صاحب مذہب تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے، اسلئے انھوں نے اپنی مذہبی عبادتگاہیں بالکل جداگانہ بنائی تھیں، اور قرائن سے معلوم ہوتا ہو کہ ان مندروں میں بہت سے بت موجود رہتے تھے جن میں سب سے قوی ہیکل مناۃ کا بت ہوتا تھا، ان مندروں کی نگرانی اور اہتمام ہر قبیلے کا کوئی ممتاز اور مذہبی شخص کرتا تھا، چنانچہ بنو غنم ابن مالک بن نجار کے مندر کا عمرو بن قیس نجاری متولی تھا[۱]، ایک عہدہ کاہن کا تھا، اور ہر قبیلے میں ایک کاہن رہتا تھا، جس کو حبشی زبان میں طاغوت کہتے تھے، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ میں کاہن ہوتا تھا، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ غالباً انصار میں بھی یہ عہدہ تھا[۲]،

ابن ہشام میں ہے کہ جلاس بن سوید بن صامت وغیرہ اور بعض مسلمانوں میں کچھ نزاع ہوئی، مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مانا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم حکام (حکام جاہلیت) سے فیصلہ کرائیں گے[۳]، اور حکام جیسا کہ صاف تصریح آئی ہے یہی کاہن ہوا کرتے تھے[۴]،

انصار کے کاہنوں کے نام ہمکو معلوم نہیں، منافقین کے ذکر میں ایک شخص کا ذکر رافع ابن حارث نام آیا ہے، یہ قبیلہ عمرو بن عوف سے تھا، اس کو جب اس کے مسلمان بھائی نے مسجد سے نکالا تو یہ فقرہ کہا تھا، غلب علیک الشیطان، یعنی تجھ پر شیطان غالب آگیا[۵]، اور چونکہ شیطان کاہنوں کے پاس آیا کرتا تھا[۶]، اس لئے یہ قیاس کچھ بیجا نہیں کہ رافع انصار کا کاہن تھا،

---

[۱] سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۹۵ ج ۱ [۲] صحیح بخاری صفحہ ۶۵۹ ج ۲ باب قولہ ان کنتم مرضیٰ او علی سفر الخ
[۳] سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۹۳ ج ۱ [۴] بخاری حوالہ مذکور [۵] سیرت ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۲۹۶ [۶] بخاری صفحہ ۶۵۹ ج ۲

انصار میں بت پرستوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی موجود تھے، لیکن چونکہ ان کی تعداد بہت کم تھی، اس لئے ان کی کسی عبادت گاہ اور ان کے مذہبی نظام کا کچھ پتہ نہیں، قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے ہم مذہبوں کے عبادت خانوں میں جاکر عبادت کر لیتے ہونگے مثلاً جو انصاری، مذہب یہود کے پیرو تھے، وہ یہودیوں کے گرجا میں جاتے ہوں گے، جو عیسائی ہو گئے تھے، عیسائیوں کے چرچ میں وہاں جاتے،

نظارتِ نافعہ | مدینہ کے قرب و جوار میں چونکہ بہت سے چشمے، وادی اور نہریں بھی تھیں اس لئے انصار نے مدینہ میں جابجا بہت سے پل بنائے تھے، چنانچہ ایک پل بنو حارث ابن خزرج کا تھا، اور یہیں اوس و خزرج میں جنگ بھی ہوئی تھی[1]، ایک پل ذی ریش کے پاس تھا، اور ایک جسر بطحان کے نام سے مشہور تھا[2]،

انصار پانی کی سبیلیں بھی رکھتے تھے اور اس کو نہایت ثواب کا کام سمجھتے تھے، چنانچہ بنو دینار میں ایک سبیل تھی اس کا نام بقع تھا[3]، اسلام لاکر حضرت سعد بن عبادہؓ سردار خزرج نے بھی ایک سبیل اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لئے رکھی تھی[4]،

متفرقات | انصار اپنے نام پر اپنی آبادی کا نام رکھتے تھے، مثلاً ثعلبہ لعنقا نے جس جگہ قیام کیا تھا، اس کا نام ثعلبیہ تھا[5]، مدینہ کے نواح میں ایک بستی کا نام روضۃ الخزرج تھا، چنانچہ حفص اموی کا شعر ہے،

فالملح بطن فلت هل تری ظعنا | بالابارقیتاً او بروض الخزرج[6]

مدینہ کے محلوں میں بھی بعض محلے اپنے باشندوں کے نام سے مشہور تھے،

انصار میں تاج پوشی کا رواج تھا، اور رئیس تاج کے ساتھ کچھ پٹیاں بھی استعمال

---

[1] ابن اثیر ص ۵۰۵ ج ۱ [2] خلاصۃ الوفا ص ۸۹ [3] ایضاً ص ۲۸۱ [4] خلاصۃ الوفا ص ۲۶۳ [5] مسند ص ۲۸۵ ج ۵ [6] معجم البلدان

کرتا تھا، حضرت سعدؓ بن عبادہ نے ان دونوں باتوں کی طرف ایک حدیث میں اشارہ کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں[1]،

لقد اصطلح اھل ھذہ البحیرۃ	یعنی اس شہر کے باشندوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا
علی ان یتوجوہ فیعصبونہ	کہ اس (ابن ابی) کو تاج پہنا دیں اور اسکی
بالعصابۃ	سلطنت کی پٹی باندھیں،

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں[2]،

ای لانھم یعصبون رئیسھم	یعنی رئیس کو معصب کہنے کی دوسری
بعصابۃ لا تنبغی لغیرھم	وجہ یہ ہے کہ اسکے سر پر ایک پٹی علامت
یمتاز بھا،	کے طور پر ہوتی تھی جو دوسرے نہیں باندھ سکتے تھے

علامہ عینی تحریر فرماتے ہیں[3]،

ای فیعممونہ بعمامۃ	یعنی پٹی باندھنے کا یہ مطلب ہے کہ اسکے بادشاہوں کا
الملوک	سا عمامہ باندھا جائے،

مہمات سلطنت میں مشورہ کے لئے انصار نے ایک جداگانہ مکان تعمیر کیا تھا، جو سقیفۂ بنی ساعدہ کے نام سے مشہور تھا[4]، یہ عمارت سعد بن عبادہ سردار خزرج کے مکان سے متصل تھی اور انہی کی ملکیت سمجھی جاتی تھی، انصار میں گو باہم نہایت خونریز جنگیں واقع ہوئی تھیں، اور آپس میں سخت مخالفت تھی تاہم یہ کہیں نہیں پتہ چلتا کہ کسی زمانہ میں انکے دو دار الشوریٰ قائم ہو گئے تھے، یعنی اوس و خزرج نے اپنے مشوروں کے لئے کبھی

؎۱ صحیح بخاری ص۶۵۷ ج ۲، باب قولہ ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب ؎۲ فتح الباری ص۱۷۱ ج ۸ ؎۳ عمدۃ القاری ص۳۹۵ ج ۸ ؎۴ صحیح بخاری ص۳۳۳ ج ۱، باب ما جاء فی السقائف،

علیحدہ علیحدہ عمارتیں بنائی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کی بحث اسی ثقیفہ میں پیدا ہوئی تھی اور انصار کا اجتماع اسی جگہ ہوا تھا،

یہ عجیب بات ہے کہ انصار میں اس قدر تمدن موجود ہونے کے باوجود عورتوں اور مردوں کی طہارت کا کوئی بندوبست نہ تھا، ہجرت نبوی کے زمانہ اور اس کے بعد جو کچھ حالت تھی اسکو حضرت عائشہؓ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے[1]،

فخرجت معی ام مسطح قبل المناصع	میں ام مسطح کے ہمراہ مناصع چلی جو قضائے
وھو متبرزنا ... وذالک قبل	حاجت کی جگہ تھی ... اور یہ اس زمانہ کا واقعہ
ان نتخذ الکنف قریبا من بیوتنا	ہے جب طہارت خانے ہمارے مکانوں کے
وامرنا امر العرب الاول	قریب نہیں بنے تھے، اور ہماری حالت اس
فی التبرز قبل الغائط فکنا	معاملہ میں بالکل عرب قدیم جیسی تھی اور
نتاذی بالکنف ان نتخذھا	ہم اپنے گھروں میں طہارت خانے کا بنانا
عند بیوتنا،	ناپسند کرتے تھے،

علامہ عینی، مناصع کے تحت میں لکھتے ہیں[2]،

مواضع خارج المدینۃ کانوا	مدینہ کے باہر چند مقامات ہیں جہاں
یتبرزون فیھا،	لوگ قضائے حاجت کے لئے جاتے تھے

تاہم عرب میں جس قسم کا پردہ رائج تھا، عورتیں اور مردان کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، اسی لئے عورتیں رفع ضرورت کے لئے جاتیں تو رات کو جاتی تھیں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں،

---

[1] صحیح بخاری ص۶۹۵ ج ۲ باب قولہ عزوجل ان الذین جاءوا بالافک الخ

[2] عمدۃ القاری ص۲۸ ج۱ ص ۶۴۳

وکنا لا نخرج الا لیلا الی لیل — اور ہم صرف رات کو رفع ضرورت کیلئے نکلتے تھے'

زراعت | انصار زراعت پیشہ تھے' اور یہ ان کے نبطی ہونے کا اثر تھا، عرب کی آبادی دو حصوں میں منقسم تھی، عرب حضر اور عرب بدو، بنو اسمٰعیل میں دونوں قسم کے قبائل موجود تھے نبطی اور قریش مکہ حضری عرب تھے بخلاف اسکے عرب کے دیہاتوں اور جنگلوں میں جو خاندان آباد تھے وہ بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے، انصار چونکہ نبطی الاصل تھے، اس لئے ابتدا ہی سے حضارت کی طرف راغب تھے، چنانچہ یمن جاکر انھوں نے اس قدر باغات اور آراضی پیدا کی کہ اولاد قحطان میں بھی یمن کے حاکم ہونے کے باوجود کسی کے پاس نہ تھی[۱] وہاں سے نکل کر جہاں جہاں سکونت اختیار کی وہ تمام پر فضا اور زرخیز مقامات تھے[۲]، یثرب آکر بھی انھوں نے اسی طریقہ پر بود و باش کی، یعنی کاشتکاری کرتے تھے، جو تقریبًا شمالی عرب کی تمام آبادی کا واحد ذریعۂ معاش تھا، چنانچہ خیبر وغیرہ کے متعلق صحاح میں اس قسم کی بہت سی تصریحیں ملتی ہیں'

ہم نے ابھی کہا ہے کہ انصار میں زراعت کا خیال نبطی الاصل ہونے کے سبب سے تھا، اسکے ثبوت میں کہ نبطی زراعت پیشہ تھے، ہم ذیل کی روایات پیش کرتے ہیں۔

عرب مورخین کو چونکہ نبطیوں کا زیادہ علم نہیں، نیز وہ ان کو اختلاف معاشرت اور لہجہ و زبان کے لحاظ سے غیر عرب سمجھتے ہیں، اس لئے اپنی تاریخوں میں ان کا ذکر بہت کم کرتے ہیں' تاہم نبط کا لفظ ان کے ہاں بھی بالکل نامانوس نہیں، یاقوت[۳] کا بیان ہے،

اما النبط فکل احد یکن راعیا — یعنی نبط عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہو

او جندیا عند العرب — جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے نزدیک نبط کے مفہوم ہی میں متمدن زندگی

---

[۱] معجم البلدان ص ۳۵۵ ج ۸، [۲] صفۃ جزیرۃ العرب ص ۱۰۰، [۳] معجم البلدان حوالہ مذکور،

داخل تھی، البتہ مورخین یونان نے سیاسی تعلقات کی بنا پر نبطیوں کے حالات زیادہ تفصیل سے بیان کئے ہیں، ایک مورخ ان کے مختلف حالات لکھ کر لکھتا ہے کہ[۱]

ملک کا بڑا حصہ سر سبز ہے،

اور یہ ظاہر ہے کہ ملک کی سرسبزی زراعت کے بغیر ناممکن ہے،

نبطیوں کی زراعت کے ثبوت کے بعد اب انصار کی کاشتکاری کا حال سنو،

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں[۲]،

وان اخواننا من الانصار کان	اور ہمارے انصاری بھائیوں کو ان کی زمینوں
یشغلھم العمل فی اموالھم	کا کام طلب علم سے باز رکھتا تھا،

حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں[۳]،

کنا اکثر اھل المدینۃ مزدرعا	ہم مدینہ میں سب سے بڑے کاشتکار تھے،

حضرت انسؓ حضرت ابو طلحہؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں[۴]،

ابو طلحۃ اکثر انصاری	انصار میں ابو طلحہ سب سے زیادہ نخلستانوں
بالمدینۃ نخلا،	کے مالک تھے،

اسی طرح اور بھی بہت سی جزئیات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار کلیۃً زراعت پیشہ تھے، اور چونکہ مدینہ طبعی طور سے سیر حاصل مقام تھا، اس لئے وہاں کی آبادی کے لئے کاشتکاری اور بھی ضروری ہو گئی تھی، چنانچہ زراعت کی کثرت اور پیداوار کی صلاحیت کی وجہ سے مدینہ کے ہر چہار طرف جھنڈ کے جھنڈ سیکڑوں کھجور کے درخت نظر آتے تھے،[۵]

---

[۱] Gold mines ص۹۹ [۲] صحیح بخاری ص۲۲ ج۱ باب حفظ العلم [۳] ایضاً ص۳۱۲ ج۱ باب قطع الشجر والنخل [۴] ایضاً ص۶۵ ج۲ باب قولہ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون [۵] خلاصۃ الوفا ص۲۳۰،

چونکہ انصار بالکل بدوی اور وحشی نہ تھے، بلکہ ان میں کسی قدر تمدن بھی تھا، اس لئے ان میں زمین کی کاشت کے متعلق کچھ اصول وآئین رائج تھے، مثلاً وہ جب تک یہود کے زیر اثر رہے، ان کو باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے[1] اسی طرح جب خود مدینہ کے مالک ہوئے تو ہر خاندان کے حصہ میں کم وبیش زمین آئی، جن لوگوں کے پاس زمین کم تھی وہ بڑے زمینداروں سے جوتنے بونے کے لئے کھیت لیتے تھے[2]

اس زمانہ میں چونکہ مدینہ میں کوئی سکہ نہ تھا، اس لئے کاشتکار کو زمین دیتے وقت یہ بتلا دیا جاتا تھا کہ کھیت میں اتنا حصہ تمہارا اور اتنا زمیندار کا حق ہوگا اس میں اکثر اوقات کاشتکار کا نقصان ہوتا تھا، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا کہ کھیت کے ایک حصہ میں پیداوار ہوتی اور دوسرا حصہ بالکل خالی رہتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھکر اس بےرحمانہ رسم کو بالکل اٹھا دیا[3]

مدینہ کی پیداوار میں کھجور سب سے زیادہ مشہور ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ جس افراط اور تنوع کے ساتھ پیدا ہوتی تھی ان کی نظیر عرب کے دوسرے خطوں میں مشکل سے مل سکے گی، چنانچہ بعض لوگوں نے یہ تصریح کی ہے کہ وہاں کھجور کی ایک سو بیس قسمیں پیدا ہوتی تھیں[4]

قسموں کی یہ تعداد خواہ صحیح نہ ہو لیکن اس میں شبہ نہیں کہ کثیر یقیناً تھی،

تجارت انصار کی سیرت میں یہ عنوان ترتیباً سب سے اخیر درجہ پر ہے، اسلئے ہم بھی اس کو اخیر میں لکھتے ہیں، انصار تجارت بھی کرتے تھے اور اس کے لئے خود مدینہ میں تمام سامان مہیا تھا، یعنی بازار موجود تھے، مدینہ میں یہود یوں کے کئی بازار تھے، جن میں قینقاع

---

[1] معجم البلدان ص ۴۶۱ ج ۷، [2] صحیح مسلم ص ۱۱ ج ۲ [3] صحیح بخاری ص ۳۱۳ ج ۱ باب ما یکرہ من الشروط فی المزارعۃ [4] زرقانی ص ۱۹۹ ج ۱

سب سے زیادہ مشہور ہے، انصار اس میں جاتے تھے، یہ بازار سال میں کئی مرتبہ لگتا تھا[1] اور یہاں عرب کے مشہور بازاروں کی طرح شعرا جمع ہو کر اپنے اپنے اشعار سناتے تھے چنانچہ حضرت حسان رضؓ اور نابغہ سے یہیں ملاقات ہوئی تھی[2]،

لیکن انصار نے صرف اسی حد تک قناعت نہیں کی، بلکہ انھوں نے اپنے لئے یہودیوں سے علیحدہ چند بازار قائم کئے، چنانچہ مدینہ کا سب سے بڑا بازار وہ تھا جو جمرہ میں لگتا تھا[3]، اور جس کے قریب بنو ساعدہ کی آبادی تھی[4] ایک بازار قبا میں تھا، اور غالباً عمرو بن عوف کا تھا، یہ بازار قینقاع کے بعد لگا کرتا تھا[5] ایک بازار ام العیال نامی ایک چشمہ کے کنارہ لگتا تھا[6] ایک بازار مسجد الرایہ کے قریب تھا، یہ مدینہ کا قدیم بازار تھا، اور اس کی پشت پر ثنیۃ الوداع کی پہاڑیاں واقع تھیں[7] ایک بازار کا نام مزاحم تھا اور یہ اوائل اسلام تک لگتا تھا[8] ایک بازار بقیع میں تھا[9]،

چونکہ مدینہ میں کوئی سکہ نہ تھا، اس لئے تجارت میں غالباً ایک چیز سے دوسری چیز کا تبادلہ کرتے ہوں گے، چنانچہ کھجور کے متعلق بہت سی حدیثوں میں اس کی تصریح ملتی ہے، حضرت ابو سعید خدری رضؓ فرماتے ہیں[10]،

کنا نرزق تمر الجمع وھو الخلط	ہمکو اچھے برے ہر قسم کے چھوہارے ملتے تھے
من التمر وکنا نبیع صاعین بصاع	اور ہم برے چھوہاروں کے دو صاع کو اچھوں
فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	کے ایک صاع کے عوض فروخت کر ڈالتے تھے لیکن
لا صاعین بصاع ولا درھمین	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ دو صاع

---

[1] خلاصۃ الوفا ص ۲۵۲ [2] ایضاً ص ۲۰۰ [3] ایضاً ص ۸۸ [4] ابن اثیر ص ۴۹۴ ج ۱

[5] خلاصۃ الوفا ص ۲۶۳ [6] ایضاً ص ۲۶۲ [7] ایضاً ص ۲۹۸ [8] صحیح بخاری ص ۲۸۵ ج ۱ [9] ایضاً ص ۲۹۰ ج ۱

بلاسے ھم　　ایک صاع کے معاوضہ میں اور دو درہم ایک درہم
کے معاوضہ میں نہیں دیئے جا سکتے،

خرید و فروخت کے مختلف طریقے رائج تھے، ایک طریقہ یہ تھا کہ پھلوں کو ۲ یا ۳ سال کے لئے بلا وزن اور مقدار متعین کئے بیچ ڈالتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس شرط پر جائز رکھا کہ وزن اور مقدار معلوم رہنا چاہیئے[1]

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خریدار چیز کے مالک کا دن یا رات کو کپڑا چھو لیتا تھا، اور بیع سمجھی جاتی تھی، تیسری صورت یہ تھی کہ بائع و مشتری دونوں ایک دوسرے کی طرف اپنے کپڑے پھینک دیتے تھے، اور پھر گفتگو کی ضرورت نہ باقی رہتی تھی،[2]

ایک صورت یہ تھی کہ کھجور درختوں ہی پر ہوتے تھے اور ان کا اندازہ کر کے اس کے عوض دوسرے پھل خریدے جاتے تھے، انگور بھی اسی طرح بیچتے تھے اور اس کے معاوضہ میں کشمش لیتے تھے، اس کو مزابنہ کہتے ہیں،[3]

ایک طریقہ یہ تھا کہ کھیت کرایہ پر اٹھائے جاتے تھے، اور مالک شرط کر لیتا تھا کہ نہروں اور نالیوں کے آس پاس کی زمین ہماری اور باقی تمہاری ہوگی،[4]

ایک صورت یہ تھی کہ خریدار موجود نہ ہوتا، اور چیز اس کے لئے رکھ لیجاتی، اور یہ اس کی ملک سمجھی جاتی تھی،[5]

ایک طریقہ یہ تھا کہ مال خرید کر مشتری اسی جگہ فروخت کر ڈالتا، اور اس سے جو دام ملتے وہ بائع کو دیتا　　(ہدایہ ج ۳ ص ۳۸)

---

[1] صحیح بخاری ص ۲۹۸ ج ۱ باب السلم فی کیل معلوم [2] صحیح مسلم ص ۶ ج ۲ [3] صحیح بخاری ص ۲۹۳ ج ۱ باب بیع المزابنہ وہی بیع التمر [4] صحیح مسلم ص ۱۶ ج ۲ باب کراء الارض بالذہب والورق [5] ایضاً ص ۳ باب تحریم بیع حاضرہ

ایک صورت روپیہ پیسے کے لین دین کی تھی، اور یہ امراء انصار کرتے، مثلاً زید ابن ارقم[1]، کعب بن مالک[2]، ابو قتادہ[3] وغیرہ، اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ لوگ ایک مقررہ میعاد کے لئے درہم لیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہاتھوں ہاتھ ہونا چاہئے، ادھار نہیں[4]۔

بعض انصار شراب کی تجارت کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ میں فرمایا کہ خدا نے شراب کا ذکر کیا ہے، اور امید ہے کہ اس کے متعلق کچھ نازل ہو کر رہے گا، اس لئے تم میں سے جس کے پاس شراب ہو اسکو فروخت کر کے نفع حاصل کر لے، حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ چند روز بھی نہ گذرے تھے کہ شراب کی حرمت نازل ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اس کے پینے اور فروخت کرنے کی قطعی ممانعت ہے، چنانچہ لوگوں نے شراب کو مدینہ کی گلیوں میں بہا دیا[5]،

ان باتوں کے بعد اب اس ضمن میں کچھ حالات اور سن لینے چاہئیں، وہ خرید و فروخت میں کثرت سے قسمیں کھاتے تھے، حضرت ابو قتادہ رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا[6]، بعض لوگ دھوکا دیتے تھے، چنانچہ حبان بن منقذ کے متعلق ہے کہ وہ اکثر دھوکا کھاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کچھ بیچو تو یہ کہدیا کرو کہ اس میں دھوکا نہ چلے گا اور میں چاہونگا تو ۳ دن میں اپنی چیز واپس لے لونگا[7]،

یہ روایت صحیح بخاری، مسلم اور ابو داؤد میں بھی ہے لیکن اس میں حبان کا نام نہیں آیا ہے،

صنعت و حرفت

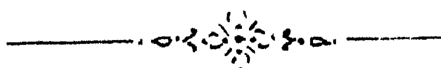
جہانتک قرائن سے پتہ چلتا ہے انصار میں صنعت و حرفت کا بالکل رواج نہ تھا یا تھا تو شاذ و نادر تھا، چنانچہ ابو شعیب انصاری کے متعلق ہم کو سیر[8] کہ انکا غلام قصاب تھا[9]، ایک

[1] صحیح بخاری صفحہ ۲۸۱ ج ۱ [2] صحیح مسلم صفحہ ۶۳۲ ج ۱ [3] ایضاً صفحہ ۶۲۴ [4] صحیح بخاری ص ۲۷۱ ج ۱ باب کیف اخی النبی بین اصحابہ [5] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۳ [6] ایضاً صفحہ ۶ جلد ۱ باب النہی عن الحلف فی البیع [7] ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۲۲ [8] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۷۹

انصاریہ کے غلام کو نجاری آتی تھی، چنانچہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس سے ایک منبر بنوایا تھا، جو مسجد نبوی میں رکھا گیا، اس کے پہلے مسجد نبوی میں منبر نہ تھا،[1] فروہ بن عمرو بیاضی کا غلام ابوہند حجام تھا،[2]

تعلیم | انصار میں جہالت کی عمومیت کے ساتھ کچھ تعلیمافتہ لوگ بھی موجود تھے۔ جو عربی میں لکھ پڑھ لیتے تھے، چنانچہ اسلام کے اوائل میں حسب ذیل حضرات لکھنا جانتے تھے، سعد بن عبادہؓ، منذر بن عمروؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن مالکؓ، اسید بن حضیرؓ، معن بن عدی البلوی، بشیر بن سعدؓ، سعد بن ربیعؓ، اوس بن خولیؓ، عبداللہ بن ابی منافق[3] ان میں زید بن ثابتؓ عربی کے ساتھ عبرانی میں بھی خط و کتابت کرتے تھے، جو شخص کتابت کے ساتھ تیراندازی اور تیراکی بھی سیکھتا اس کو کلمہ اور کامل کا خطاب دیا جاتا تھا، چنانچہ جاہلیت قدیم میں دو شخص ان کمالات کے جامع ہوئے تھے، سوید بن صامت اور حضیر کتائب[4] اسلام کے زمانہ میں بھی رافع بن مالکؓ، سعد بن عبادہ، اسید بن حضیر، عبداللہ بن ابی، اوس بن خولیؓ، انہی خطابات سے مخاطب تھے،

[1] صحیح بخاری ص ۲۸۱ باب النجار [2] سیرت ابن ہشام ص ۳ ج ا [3] فتوح البلدان ص ۴۷۹



زمانۂ اسلام

انصار میں اسلام کی ابتداء

یہ بار بار لکھا جا چکا ہے کہ انصار ایام جاہلیت میں حج کرتے تھے، اور سالانہ مکہ آتے تھے، اس کے علاوہ باہمی خانہ جنگیوں کے باعث ان میں جو کمزوری پیدا ہوگئی تھی اس کا یہ اثر تھا کہ یہود ان کو دبانا چاہتے تھے، اور مدینہ کو ان کے قبضہ سے نکال لینے کی فکر کرتے تھے، پھر خود اوس و خزرج میں اس قدر عناد پیدا ہوگیا تھا کہ اوس قریش کے حلیف بننے کے لئے مکہ آئے تھے، لیکن ابوجہل کی وجہ سے یہ تعلقات قائم نہ ہوسکے اور ان کو ناکام واپس ہونا پڑا، یہ وجوہات تھے، جن کی وجہ سے انصار کو مکہ آنا پڑتا تھا،

نبوت کے ابتدائی زمانہ میں انصار کی آمد و رفت مکہ میں برابر جاری تھی، چنانچہ سب سے پہلے اہل مدینہ میں سے جس کو حامل وحی کی زبان سے دعوت اور قرآن مجید کی آیات سننے کا اتفاق ہوا، وہ سوید بن صامت تھا، سوید قبیلۂ عمرو بن عوف میں ایک ممتاز آدمی تھا، اور چونکہ صحت جسمانی، شرافتِ نسب اور شاعری کا جامع تھا، اس لئے اس کے قبیلے والے اس کو عام عرب کی عادت کے مطابق کامل کے لقب سے پکارتے تھے، وہ حج یا عمرہ کی غرض سے مکہ آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، اسلام کی تبلیغ سنکر بولا کہ جو تمھارے پاس ہے وہی میرے پاس بھی ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "تمھارے پاس کیا ہے؟" کہا صحیفۂ لقمان،

ارشاد ہوا "مجھ کو سناؤ"، اس نے کچھ سنایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشنودی ظاہر کی اور
فرمایا "میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے" اور وہ قرآن ہے، اس نے قرآن سنا تو بہت پسند کیا
لیکن نتیجہ صرف اس قدر نکلا، کہ ابن ہشام کے قول کے مطابق

فلم یبعد منہ — وہ اسلام سے دور نہیں رہا،

مکہ سے مدینہ واپس ہوا اور وہاں خزرج نے اس کو قتل کر دیا، عمرو بن عوف کا گمان ہے کہ
وہ مسلمان مرا، یہ بعاث سے قبل کا واقعہ ہے[1]،

اس کے بعد ابو الحیسر انس بن رافع، عبد الاشہل کے چند آدمیوں کو لے کر جن میں ایاس بن
معاذ بھی تھے، قریش سے حلف قائم کرنے کے لئے مکہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی
تو اس مجمع کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی، قرآن مجید کو سن کر ایاس جو ابھی کمسن
تھے، بول اٹھے کہ "تم جس کام کے لئے آئے ہو، یہ اس سے بہتر ہے" ابو الحیسر نے یہ سنکر ایاسؓ کے کچھ
کنکریاں پھینک ماریں، وہ خاموش ہو رہے، اور مدینہ پہنچکر وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی اتنی دیر کی صحبت میں ایاسؓ نے اسلام کو جو کچھ سمجھا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ مرتے وقت وہ
برابر تکبیر کہتے اور خدا کی حمد لوگوں کو سناتے رہے، اسی وجہ سے ان کے قبیلے کے لوگ انکو مسلمان
سمجھتے تھے[2] اور بے شبہہ وہ مسلمان بھی تھے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

ابن واضح کاتب عباسی نے لکھا ہے کہ ایاسؓ اوسیوں کے ساتھ آئے تھے اور ان کے ہمراہ
اسعد بن زرارہ بھی تھے، لیکن ہمارے خیال میں یہ ان کی غلطی ہے، اوسی جس مقصد سے آئے
تھے وہ یہ تھا کہ خزرج سے مقابلہ کرنے کے لئے قریش کے حلیف بنیں، اس بنا پر وہ خزرج
کے کسی آدمی کو اپنے ساتھ نہیں لا سکتے تھے، اور چونکہ اسعد بن زرارہ بنو نجار سے تھے جو خزرج

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۲۱ و ۲۲۲ ج ۱ [2] مسند ابن حنبل ص ۴۲۷ ج ۵

کا ایک خاندان تھا، اس لئے ان کا ساتھ آنا کیونکر ممکن تھا؟ یہ صرف ہمارا قیاس نہیں ہے بلکہ واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہیں، جنگِ معبس اور مضرس میں جب اوس نے شکست کھائی تو قریش سے حلف کا تعلق قائم کرنے مکہ گئے تھے لیکن کس طرح گئے تھے؟ اس کا جواب ابن اثیر کی زبان سے سننا چاہیے[۱]،

واظهروا انهم يريدون العمرة وكانت عادتهم انه اذا اراد احدهم العمرة او الحج لم يعرض اليه خصمه ويعلق المعتمر على بيته كسنبة النخل ففعلوا ذلك . . .	اور انھوں (اوس) نے (حلف کیلئے جاتے وقت) ظاہر کیا کہ وہ عمرہ کی غرض سے جاتے ہیں اور یہ ان کی عادت تھی کہ جب کوئی حج یا عمرہ کی غرض سے جاتا تو دشمن اس سے تعرض نہ کرتا تھا اور عمرہ کرنے والا اپنے دروازہ پر کھجور ...

جب اوس وخزرج کی باہمی عداوتوں کا یہ حال تھا تو پھر وہ ایسے اہم معاملہ میں دوسرے خاندان کے آدمی کو کیونکر ساتھ لا سکتے تھے؟

اصل یہ ہے کہ ہمارے مورخ نے دو جداگانہ واقعات کو ایک واقعہ سمجھ لیا ہے، اور اسی وجہ سے خلط مبحث ہوگیا ہے، چنانچہ انھوں نے آگے چل کر لکھا ہے کہ "یہ تمام لوگ مسلمان ہو گئے تھے"، حالانکہ جس جماعت میں ایاس تھے اس میں سے ایک متنفس بھی مسلمان نہیں ہوا، اور خود ایاس نے بھی علانیہ اسلام کا اظہار نہیں کیا، بلکہ کنکریاں کھا کر چپ ہو رہے، اور سب کے ساتھ مدینہ واپس گئے[۲]، ہمارے مورخ نے اس واقعہ اور عقبہ اولی کی بیعت کو ایک سمجھ لیا، حالانکہ ان دونوں میں کم از کم ایک سال کا فصل ہے، عقبہ اولی میں اسعد بن زرارہ بے شک موجود تھے لیکن اس وقت ایاس بن معاذؓ کا پتہ تک نہ تھا، کیونکہ وہ جنگِ بعاث میں فوت ہو چکے تھے

---

[۱] ابن اثیر ص ۵۰۰ ج ۱ [۲] یعقوبی ص ۳۸ ج ۲ [۳] سیرت ابن ہشام ص ۲۳۳ ج ۱

اس غلطی کی ایک وجہ اور بھی ہے، اس امر میں اختلاف ہے کہ، انصار میں سب سے پہلے کون صاحب مسلمان ہوئے؟ بعض لوگوں نے رافع بن مالک زرقی اور معاذ بن عفراء کا نام لیا ہے، بعض اسعد بن زرارہ اور ذکوان کو پہلا مسلمان سمجھتے ہیں[۱] اور بعض جابر بن عبداللہ بن رباب کو اولیت کا مستحق جانتے ہیں[۱]، ابن واضح نے غالبًا دوسری جماعت کا ساتھ دیا ہے، لیکن اس سے اولًا تو ان کا مقصد حاصل نہیں ہوا یعنی یہ نہ لکھ سکے کہ اسعد بن زرارہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ دوسرے اس غلط بحث کی وجہ سے کچھ ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں جو قدیم مؤرخین کی تشویش و اضطراب سے بدرجہا زیادہ خطرناک ہیں،

بیعت عقبۂ اولیٰ | یہ بیعت درحقیقت انصار میں اشاعت اسلام کا دیباچہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ابتدائے اسلام کی نہایت مخفی طور پر اشاعت کرتے تھے لیکن جب اس پر بھی مشرکین کا بغض و عناد بڑھتا گیا اور اسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہونے لگیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا وعظ علی الاعلان شروع کر دیا، اور مجنہ، عکاظ اور ذی المجاز وغیرہ میں جا کر عرب کے دیگر قبائل کے سامنے دین الٰہی کی منادی شروع کی، اور اپنے کو ان کے وطن چلنے کے لئے پیش کیا، لیکن بار بار کی تکرار کے باوجود کچھ نتیجہ نہ نکلا، چنانچہ آپ اس عرصہ میں جن جن قبائل کے پاس تشریف لے گئے ان کے نام یہ ہیں،

عامر بن صعصعہ، محارب، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، نضر، بکا، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمۃ[۲]،

لیکن جب خدا کو اپنے دین کو غالب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور آپ سے جو کچھ وعدے کئے تھے، ان کے پورا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ابن سعد ج ۱ ق ۱ ص ۱۴۷، [۲] زرقانی ص ۱ ۳ ۱۶ ج ۱ [۳] زاد المعاد ابن قیم ص ۳۰۵ ج ۱،

کو انصار کے خیموں میں پہنچا دیا جو ایام حج میں بمقام منیٰ نصب تھے، انصار کا یہ گروہ جس کی تعداد ۶ بیان کیجاتی ہے قبیلۂ خزرج سے تھا[1]، آپ نے ان کو دین الٰہی کی دعوت دی اور قرآن مجید کی چند آیتیں سنائیں تو سب کے سب مسلمان ہو گئے اور آپ سے مدد اور نصرت کا وعدہ کیا اور یہ کہا کہ ہمارے درمیان باہمی لڑائیوں کی وجہ سے سخت عداوت پھیلی ہوئی ہے، اس لئے پہلے ہم کو ان نزاعوں کا فیصلہ کرنا ہے، پھر آپ کو اپنے ہاں بلائیں گے اور اگر موجودہ حالت میں آپ تشریف لے گئے تو کامیابی کی کچھ زیادہ امید نہیں، اور ہم آئندہ سال آپ کے پاس پھر آئیں گے،

یہ مختصر جماعت حسب ذیل اصحاب پر مشتمل تھی، اسعدؓ بن زرارہ، عوفؓ بن حارث بن عفراء، رافعؓ بن مالک، قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ، عقبہؓ بن عامر بن نابی، جابرؓ بن عبداللہ بن ریاب[2]،

اس امر میں اختلاف ہے کہ اس جماعت میں سب سے پہلے کن بزرگ نے اسلام کی دعوت کو لبیک کہا تھا؟ ابن کلبی اور ابو نعیم نے رافع بن مالک کو پہلا مسلمان سمجھا ہے[3]، اور طبقات میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مسجد بنی زریق میں سب سے پہلے قرآن پڑھا گیا[4]، قاضی ابن عبد البر نے جابر بن عبداللہ بن ریاب کی نسبت گمان کیا ہے[5]، مغلطائی نے اسعدؓ بن زرارہ اور ذکوانؓ ابن عبد قیس کو سب پر مقدم رکھا ہے[6]، اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے معاذؓ بن عفراء نے بیعت کی تھی[7]، لیکن اصل یہ ہے کہ اس کا فیصلہ بہت مشکل ہے، اس لئے ہم بھی صاحب طبقات کے ساتھ مل کر صرف اس قدر کہتے ہیں کہ لم یکن قبلھم احد یعنی ان لوگوں سے قبل اور کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا،

بعض لوگوں نے اس تعداد میں دو آدمیوں کا اور اضافہ کیا ہے، وہ دو بزرگ یہ ہیں،

---

[1] زرقانی ج ۱ ص ۳۱۶، [2] طبقات ابن سعد ۱۴۶، ۱۴۷ ج ۱ قسم ۱، [3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵۷، [4] طبقات ۱۴۶،
[5] استیعاب ج ۱ ص ۸۶، [6] زرقانی ۱۴۲ ص ۳۶۱ [7] اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۷۹

ابوالہیثم رضؓ بن التیہان اور عویم بن ساعدہ، لیکن یہ دونوں خزرج کے قبیلہ سے نہ تھے بلکہ اوس سے تھے اور یہ یقیناً معلوم ہے کہ اس جماعت میں قبیلہ اوس کا ایک آدمی بھی موجود نہ تھا، علامہ ابن قیم لکھتے ہیں۔[1]

لقی عند العقبۃ فی الموسم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے زمانہ
ستۃ نفر من الانصار کلھم	میں انصار کے ۶ آدمیوں سے ملے جو
من الخزرج	کل کے کل خزرج سے تھے،

ابن ہشام اپنی سیرت میں لکھتے ہیں،

قال ابن اسحاق وھم فیما ذکر	ابن اسحاق کا قول ہے کہ جہاں تک
لی ستۃ نفر من الخزرج[2]	مجھے علم ہے خزرج کے ۶ آدمی تھے

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں،

فاسلم منھم ستۃ نفر وکلھم	پس ان میں سے ۶ آدمی مسلمان ہوئے
من الخزرج (زرقانی ص ۳۱۰ ج ۱)	جو سب کے سب خزرجی تھے،

بعض لوگوں نے عبادہ رضؓ بن صامت کا جابر رضؓ بن عبداللہ بن ریاب کے بجائے نام لیا ہے، لیکن یہ وہ خیال ہے جس کی خود حضرت عبادہ رضؓ نے تردید کردی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔[3]

کنت فیمن حضر العقبۃ الاولیٰ	میں ان لوگوں میں ہوں جو عقبۂ اولیٰ میں
وکنا اثنی عشر رجلا	موجود تھے اور ہم بارہ آدمی تھے،

صحیح بخاری میں حضرت عبادہ رضؓ سے منقول ہے،[4]

---

[1] زاد المعاد ص ۲۲۶ ج ۱، [2] سیرت ابن ہشام ص ۲۲۵ ج ۱ [3] مسند ابن حنبل ص ۲۳ ج ۵،

[4] صحیح بخاری ص ۵۵۰ ج ۱ باب وفود الانصار الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ وبیعۃ عقبہ،

انا من النقباء الذین بایعوا رسول — میں ان نقبا میں ہوں جنھوں نے آنحضرت
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی،

اور یہ ظاہر ہے کہ ۱۲- آدمیوں کی تعداد ہمارے موجودہ عنوان کے ایک سال بعد پوری ہوئی ہے، علامہ ابن اثیر، حضرت عبادہ رض کے حالات میں لکھتے ہیں[۱]

شھد العقبۃ الاولیٰ والثانیۃ — انھوں نے عقبۂ اولی اور ثانیہ میں شرکت کی،

اس مقام پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ مذکورہ بالا روایتوں میں جس عقبۂ اولی اور ثانیہ کا ذکر آیا ہے وہ ہمارے نزدیک ثانیہ اور ثالثہ ہے پہلی بیعت ہمارے نزدیک وہ ہے جس کا ہم موجودہ عنوان میں تذکرہ کر رہے ہیں اور اس کا ہمارے مصنفین رجال اور مورخین کے ہاں کوئی نام نہیں، اصل یہ ہے کہ عقبہ میں انصار نے ۳ مرتبہ بیعت کی ہے، پہلے سال ۶ آدمی تھے، دوسرے سال ۱۲، اور تیسرے سال ۷۵ مورخین ۱۲- اشخاص کی بیعت کو عقبۂ اولی اور ۷۰ کی بیعت کو عقبۂ ثانیہ کہتے ہیں، ولا مشاحۃ فی الاصطلاح، لیکن ہم نے جو تقسیم کی ہے وہ زیادہ صاف اور واضح ہے، اور علامہ ابن حجر عسقلانی بھی ہماری تائید میں موجود ہیں، وہ فرماتے ہیں،

ان الانصار اجتمعوا بالنبی صلعم — انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
ثلث مرات بعقبۃ منیٰ[۲] — منیٰ کی گھاٹی میں ۳ مرتبہ ملے،

علامہ ابن اثیر نے بھی ہماری تقسیم سے موافقت ظاہر کی ہے اور لکھا ہے کہ بعض لوگ اس بیعت کو جس میں ۶- آدمی شامل تھے عقبہ نہیں کہتے ہیں، بلکہ صرف ۲ بیعتوں کا نام عقبہ رکھتے ہیں،[۳]

بیعت عقبۂ ثانیہ | یہ ہمارے مورخین کی اصطلاح میں عقبۂ اولی ہے، یاد ہوگا کہ گذشتہ بیعت میں

---

[۱] اسد الغابہ ص۱۰۶ ج ۳ [۲] اصابہ ص۵۵ ج ۸ [۳] اسد الغابہ ص۱۷ ج ۱

انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے سال آنے کا وعدہ کیا تھا، چنانچہ اون لوگوں نے مدینہ پہونچ کر اسلام کی دعوت دی تو اس کا یہ اثر ہوا کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے اور اکثر گھروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہونے لگا[1]، دوسرے سال اُن ۶ آدمیوں کے ساتھ ۶ مسلمان اور ساتھ ہو گئے اور ۱۲ اصحاب کا مقدس قافلہ حاملِ وحی و رسالت کی زیارت کے لئے مکہ روانہ ہوا

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ میں ملاقات ہوئی اور ان شرائط پر بیعت لی گئی (۱) شرک نہ کریں گے، (۲) چوری نہ کریں گے، (۳) زنا نہ کریں گے، (۴) اولاد کو قتل نہ کریں گے (۵) کسی پر بہتان نہ باندھیں گے، (۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اچھی باتوں میں نافرمانی نہ کرینگے

چونکہ اس وقت تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا، اس لئے ان شرائط میں اس کا تذکرہ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لینے کے بعد فرمایا "اگر تم اس عہد کو پورا کروگے تو تم کو جنت ملے گی، ورنہ خدا کو اختیار ہوگا، خواہ مغفرت کرے خواہ عذاب دے"[2]

بیعت کرکے یہ لوگ واپس ہوئے تو اب مدینہ میں نہایت سرعت سے اسلام ترقی کرنے لگا، حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے باجماعت نماز کا انتظام کیا[3]، اور قبیلہ نبیت کی نشیبی زمین میں گویا ایک مسجد کی بنیاد پڑی، بنوزریق میں بھی ایک مسجد بن چکی تھی[4]، ان کوششوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط لکھا اور اس میں درخواست کی کہ ہماری تعلیم کے لئے ایک قاری بھیجدیجئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اس اہم کام کے لئے روانہ فرمایا، حضرت مصعبؓ، اسعدؓ بن زرارہ کے مکان میں اترے اور

---

[1] طبقات ابن سعد ص۱۴۹ ج ۱ قسم ۱ [2] مسند ابن حنبل ص۳۲۳ جلد ۵ [3] طبقات ابن سعد ص۱۸۲ ج ۳ قسم ۱

[4] سیرت ابن ہشام ص۲۳۳ ج ۱ [5] طبقات ص۱۲۶ ج ۱ قسم ۱

قرآن مجید کی تعلیم شروع کی۔ اہل مدینہ ان کو مقری کہا کرتے تھے[1]

اس کے ساتھ ہی نماز کی امامت بھی انہی کے سپرد ہوئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار اپنی دیرینہ باہمی عداوتوں کے باعث ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے[1]۔ غرض حضرت مصعبؓ کے مدینہ پہونچ جانے سے اشاعت اسلام میں نہایت نمایاں ترقی ہوئی اور سب سے بڑی کامیابی یہ ہوئی کہ حضرت سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ نے دین اسلام اختیار کیا۔ یہ دونوں بزرگ قبیلۂ عبد الاشہل کے سردار تھے،

سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ کا اسلام

مصعبؓ بن عمیر نے اسلام کی منادی کا یہ طرز اختیار کیا تھا کہ اسعد بن زرارہؓ کے ہمراہ ہر قبیلے میں جاتے اور وہاں جو لوگ مسلمان ہوتے ان سے باتیں کرتے اور اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، ایک روز عبد الاشہل اور ظفر کے محلہ میں گئے تو چونکہ سعد بن معاذ ابھی تک مشرک تھے، ان کو سخت ناگوار ہوا لیکن اسعدؓ بن زرارہ کی وجہ سے کچھ بول نہ سکے (سعد بن معاذ، اسعدؓ بن زرارہ کے خالہ زاد بھائی تھے) تاہم اسید بن حضیر سے کہا کہ "تم جاکر مصعب کو منع کردو کہ وہ آیندہ سے ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف بنانے نہ آئیں" اسید نے نیزہ اٹھایا اور اس باغ میں آپہنچے جہاں مصعبؓ چند مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اسعد بن زرارہؓ نے کہا "دیکھنا جانے نہ پائیں یہ اپنی قوم کے سردار ہیں" مصعبؓ نے جواب دیا اگر وہ بیٹھیں گے تو میں گفتگو کرونگا" اسید بن حضیر نے آتے ہی نہایت سخت گفتگو کی جس کو حضرت مصعبؓ نے نہایت متانت سے سنا اور کہا "آپ بیٹھ کر میری کچھ باتیں سن سکتے ہیں؟ اگر پسند ہوں قبول فرمائیے گا ورنہ آپ کو اختیار ہے" اسید نے کہا "تم نے انصاف کی بات کہی" اس کے بعد نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے، حضرت مصعبؓ نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت

[1] طبقات ابن سعد ص ۸۱ ج ۳ قسم ۱ [2] سیرت ابن ہشام ص ۲۳۷ ج ۱ [3] اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۶،

بیان کی اور قرآن کی کچھ آیتیں سنائیں، اثنائے تقریر ہی میں اسید پر جادو چل چکا تھا قرآن ختم ہوا تو بولے "کتنا اچھا کلام ہے"، پھر پوچھا اس دین میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا "غسل کیجئے، کپڑے دھوئیے، پھر کلمہ پڑھ کر نماز پڑھئے"، اسید نے اٹھ کر غسل کیا، اور کپڑے پاک کر کے دو رکعت نماز پڑھی، مسلمان ہونے کے بعد بولے "ابھی ایک آدمی باقی ہے اگر وہ مسلمان ہوگیا تو تمام قوم مسلمان ہو جائے گی"، یہ کہہ کر نیزہ لیا اور سعد بن معاذ کے گھر پہنچے، سعد چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اسید کے چہرے پر اسلام کا جو نور چمک رہا تھا اس کو دیکھ کر بولے کہ "واللہ! اب وہ چہرہ نہیں"، اسید ان کے سامنے جا کر کھڑے ہوگئے۔ سعد نے کہا "کیا ہوا"، جواب دیا "میں نے ان سے گفتگو کی اور ان کے مذہب میں کچھ مضائقہ نہیں پایا، اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بنو حارثہ، اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے جارہے ہیں جس سے ان کا منشا تمہاری توہین ہے، کیونکہ اسعد تمہارے خالہ زاد بھائی ہیں"، سعدؓ بن معاذ نے سنا تو غصہ سے بیتاب ہوگئے اور نیزہ لے کر نہایت تیزی سے باغ میں پہنچے، وہاں کچھ بھی نہ تھا، حضرت مصعبؓ اور اسعدؓ بن زرارہ نہایت امن و سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔ سعد نے بھی وہی گفتگو شروع کی جو اسید کر چکے تھے، حضرت مصعبؓ نے ان کے وہی جوابات دیئے اور قرآن سنایا، جس کو سنتے ہی سعد بن معاذؓ کلمۂ شہادت پکار اٹھے،

وہاں سے مکان واپس ہوئے تو عبد الاشہل نے کہا "اب وہ چہرہ نہیں"، کھڑے ہو کر لوگوں سے پوچھا "تم میرے بارہ میں کیا جانتے ہو"، سب نے کہا ہمارے سردار ہم میں سب سے زیادہ صائب الرائے ہمارے معتمد علیہ رئیس"، کہا "تو پھر مجھے تمہاری عورتوں اور مردوں سے گفتگو حرام ہے، تاوقتیکہ تم بھی خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ"، حضرت سعدؓ کا عبد الاشہل میں جو اثر تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام مرد و زن شام ہوتے ہوتے مسلمان ہوگئے، اور حضرت

سعدؓ اور مصعبؓ اسعدؓ بن زرارہ کے مکان میں منتقل ہو گئے، اور سب ساتھ مل کر اشاعت
اسلام کی خدمت انجام دینے لگے،[1]

اس کا یہ اثر ہوا کہ انصار کے تمام خاندانوں میں اسلام نہایت سرعت سے پھیلنے
لگا، ابن سعد لکھتے ہیں،[2]

کان مصعب یاتی الانصار فی	مصعبؓ انصار کے گھروں اور خاندانوں
دورھم و قبائلھم فیدعوھم	جاکر ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، اور
الی الاسلام و یقرء علیھم القرآن	قرآن سناتے تھے، چنانچہ ان میں ایک دو آدمی
فیسلم الرجل والرجلان حتی	مسلمان ہو جایا کرتے تھے، یہاں تک کہ اسلام
ظھر الاسلام وفشا فی	بالکل ظاہر ہو گیا اور انصار کے تمام گھروں
دور الانصار کلھا والعوالی	اور بالائی حصوں میں پھیل گیا

قبیلۂ خزرج میں تو پہلے ہی سے اسلام اشاعت پا چکا تھا، سعد بن عبادہؓ سردار خزرج
کے ایمان نے اور بھی لوگوں کو متوجہ کر دیا، اور اب ان کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی، البتہ
امیہ بن زید، خطمہ، وائل اور واقف (اوس اللہ) ابوقیس بن اسلت کی وجہ سے بدر اور
احد تک رکے رہے،[3]

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۲۷ تا ۲۳۹ ج ۱ [2] طبقات ص ۸۴ ج ۳ [3] ابن ہشام ص ۲۳۹ ج ۱

بیعتِ عقبۂ کبیرہ

آخر وہ وقت آیا کہ اسلام کا خدائے قدوس اپنے پورے جاہ وجلال اور اس کی آتشیں شریعت اپنی پوری آب وتاب سے نمایاں ہوئی، مدینہ میں حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اپنے چند روزہ قیام میں جو کامیابی حاصل کی وہ درحقیقت اسلام کی سب سے نمایاں فتح تھی، چنانچہ حج کے زمانہ میں جب وہ مکہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ اوس وخزرج کا وہ مقدس قافلہ بھی تیار ہوا جو گو تعداد کے لحاظ سے صرف چند نفوس سے عبارت تھا تاہم ان کے جوش وولولہ نے وہ منظر پیش کیا کہ روم وفارس کی سلطنتیں بھی زیروزبر ہوگئیں،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انصار کا قافلہ جس میں کافر اور مسلم دونوں شریک تھے اور جس کی تعداد ۵۰۰ تھی[1]، ذوالحجہ کے مہینہ میں مکہ آیا[2]، اور منا میں عقبہ کے قریب مقیم ہوا، اس اثنا میں براء بن معرور رئیسِ خزرج کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی ضرورت پیش آئی، براء مصعبؓ کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے، اور تمام مسلمانوں کے خلاف کعبہ کی سمت نماز پڑھتے تھے (اور مسلمان اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس وقت تک شام کی طرف رخ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے) لوگ ٹوکتے اور عام جماعت کی مخالفت پر ان کو برا کہتے تھے لیکن وہ اپنی رائے پر نہایت شدت سے عمل پیرا تھے، لیکن مکہ پہونچ کر

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۴۹ ج اقسم ا، [2] زرقانی ص ۳۶۷ ج ا

یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید اس عمل میں غلطی ہوئی ہو چنانچہ کعب بن مالک سے کہا کہ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس چلنا چاہیئے، براء اور کعبؓ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے ناواقف تھے، البتہ حضرت عباسؓ سے شناسائی تھی، لوگوں نے پتہ بتایا کہ آپ عباسؓ کے پاس بیٹھے ہیں، گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عباسؓ سے ان کے متعلق استفسار کیا، حضرت عباسؓ نے دونوں بزرگوں کا تعارف کرایا، کعب بن مالکؓ کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے سنا تو فرمایا شاعر؟ حضرت عباسؓ نے جواب دیا جی ہاں، اس قدر گفتگو کے بعد اصل مسئلہ پیش ہوا، براءؓ نے کہا یا نبی اللہ! میں اس سفر میں مسلمان ہو کر نکلا ہوں اور میرا خیال یہ ہے کہ کعبہ کی طرف پشت کرنے کے بجائے میں اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھوں اور میں ایسا کرتا ہوں، لیکن میرے ساتھی مخالفت کرتے ہیں، اب آپ جو کچھ ارشاد فرمائیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم ایک قبلہ پر ضرور ہو، لیکن ابھی صبر کرنا چاہیئے، چنانچہ براءؓ اس کے بعد سے شام کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے لگے، عون بن ایوب انصاری نے اس واقعہ کو ایک شعر میں نظم کیا ہے، کہتے ہیں،

ومنا المصلی اول الناس مقبلا   علی کعبۃ الرحمٰن بین المشاعر

براءؓ کے ساتھ انصار کے ایک اور رئیس عبد اللہ بن عمرو بن حرام بھی اس جماعت کے ساتھ آئے تھے اور اب تک مشرک تھے، انصار نے خفیہ طور سے ان کو اسلام کی تبلیغ کی اور وہ بھی مسلمان ہو گئے،[1]

حج سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک رات مقرر کی اور تہائی رات کو یہ ۷۳ مسلمان عقبہ کی گھاٹی میں ایک درخت کے نیچے جمع ہوئے[2]

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۴۰ و ۲۴۲ ج ۱ [2] طبری ص ۱۲۱۹ ج ۳

آپ حضرت عباسؓ کے ہمراہ تشریف لائے، اور حسب ذیل گفتگو ہوئی،

حضرت عباسؓ نے کہا گروہ خزرج! محمدؐ ہم میں جس درجہ کے آدمی ہیں اس سے تم بھی واقف ہو، اور ہم نے ان کی حفاظت میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے، اگر تم اپنے عدوں کو پورا کرسکتے ہو اور ان کو دشمنوں سے بچا سکتے ہو، تو بہتر، اور اگر ان کو چھوڑ دینے کا ارادہ ہے تو صاف صاف اسی وقت کہدو، کیونکہ یہاں وہ اپنی قوم میں نہایت مامون اور مصئون ہیں،

انصار نے کہا ہم نے تمھاری گفتگو سنی، اب یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمائے اور جو کچھ اپنے اور اپنے خدا کے لئے پسند ہو اسکو لیجئے، اس درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے تکلم کا آغاز فرمایا اور قرآن مجید سنا کر اسلام کی دعوت دی، اور فرمایا کہ میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ میری حفاظت اپنی جانوں کے برابر کروگے، براء بن معرور رئیس خزرج نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا، بے شک ہم آپ کی اسی طرح حفاظت کریں گے، آپ ہم سے بیعت لیں، ہم نسلاً بعد نسلٍ سپہگر اور جنگجو واقع ہوئے ہیں" براء ابھی یہ گفتگو کرہی رہے تھے کہ ابوالہیثمؓ بن التیھان بولے "یارسول اللہ! ہم یہودیوں کے ہم عہد ہیں اور اب ہم اس کو قطع کردیں گے، اس بنا پر اگر آپ کبھی غلبہ پائیں تو کیا ہم کو چھوڑ کر اپنے قوم میں جا ملیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا،

بل الدم الدم والھدم	بلکہ میرا خون تمھارا خون، اور میرا ذمہ
الھدم انا منکم وانتم منی!	تمھارا ذمہ ہو، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے
احارب من حاربتم واسالم	ہو، تم جس سے لڑوگے میں بھی لڑونگا، اور جس سے
من سالمتم	تم صلح کروگے میں بھی صلح کرونگا،

عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے کہا، گروہ خزرج! تمھیں خبر ہے کہ تم ان سے

کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ تم ان سے عرب و عجم کی جنگ پر بیعت کر رہے ہو، خوب سمجھ لو کہ اگر تمہاری جائدادیں ضائع ہو نگی اور شرفا قتل ہونگے اگر ایسی حالت میں تم نے ان کو چھوڑا تو خدا کی قسم اس میں دین و دنیا دونوں میں رسوائی ہے، اور اگر تم اپنے عہد پر قائم رہے اور وعدہ کو پورا کیا تو دین و دنیا دونوں میں یہ سب سے بہتر ہے، اور اس کو تم حاصل کر سکتے ہو"[۱]

یہ باتیں نہایت جوش میں ہو رہی تھیں اور لوگوں کی آوازیں کسی قدر بلند ہو گئی تھیں، حضرت عباسؓ نے کہا "آواز پست کرو، کیونکہ مشرکین کے جاسوس ادھر ادھر پھر رہے ہوں گے اور تم میں سے ایک شخص نہایت اختصار کے ساتھ گفتگو کرے"، حضرت اسعد بن زرارہ اس مقصد کے لئے سامنے آئے اور کہا "محمد! تم اپنے رب کے لئے جو چاہو مانگو، پھر اپنے لئے اور اپنے اصحاب کے لئے مانگو، پھر ہم کو تبلاؤ کہ ہمکو خدا اور تم سے اس کا کیا اجر ملے گا"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "تم سے خدا کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ، اور اپنے اور اپنے اصحاب کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ ہمکو پناہ دو، مدد کرو، اور جس طرح اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہو، ہماری بھی کرو"، انصار نے کہا اگر یہ تمام باتیں کریں تو ہم کو کیا ملے گا؟ ارشاد ہوا "جنت"، بولے "تو جو کچھ آپ چاہتے ہیں ہم اس کے لئے راضی ہیں"[۲]

شعبی کہا کرتے تھے کہ اتنا مختصر اور بلیغ خطبہ آج تک نہیں سنا گیا،[۳]

خطبہ ختم ہونے کے بعد لوگ بیعت کے لئے بڑھے، کہتے ہیں کہ سب سے پہلے براء بن معرور نے بیعت کی، بعض کا خیال ابو الہیثم اور اسعدؓ بن زرارہ کی طرف بھی ہے[۴]، ان لوگوں کے بعد باقی جماعت نے بیعت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے بیعت لیکر فرمایا کہ "موسیٰ نے

[۱] سیرت ابن ہشام ص ۴۴۲ و ۴۴۳ ج ۱ [۲] مسند ابن حنبل ص ۱۱۹ و ۲۰۷ ج ۴ [۳] طبقات ابن سعد ص ۱۴۸ ج ۳ [۴] ایضاً ص ۱۵ ج ۱ قسم ۱

بنو اسرائیل ۱۲- نقیب منتخب کیے تھے، تم بھی اپنی جماعت میں سے ۱۲- آدمی منتخب کرو، چنانچہ جو لوگ منتخب ہوئے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں،

ابوامامہ اسعدؓ بن زرارہ، سعدؓ بن ربیع، عبداللہؓ بن رواحہ، رافعؓ بن مالک بن عجلان براءؓ بن معرور، عبداللہؓ بن عمرو بن حرام، عبادہؓ بن صامت، سعدؓ بن عبادہ، منذرؓ بن عمرو بن خنیس (یہ ۹ اصحاب خزرج سے تھے) اسیدؓ بن حضیر، سعدؓ بن ابوالہیثم بن الیتھانؓ، (یہ تین صاحب اوس سے تھے)

بعض لوگوں نے ابوالہیثم کے بجائے رفاعہ بن عبدالمنذر کا نام لیا ہے، لیکن یہ کچھ زیادہ قابل لحاظ نہیں، حضرت کعبؓ بن مالک نے جو انصار کے مشہور شاعر تھے اور اس بیعت میں شریک تھے نقبا کے نام اپنی ایک نظم میں بیان کئے ہیں، لیکن اس میں رفاعہ کا نام نہیں، بلکہ ان کے بجائے ابوالہیثمؓ کا ہے،

غرض نقبار کا انتخاب ہوچکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا "تم اپنی آبادی کے اسی طرح ذمہ دار ہو جس طرح کہ حواری عیسٰیؑ بن مریم کے ذمہ دار تھے، اور میں اپنی قوم کا ذمہ دار ہوں" سب نے کہا، "بے شک"[۳]

یہ تمام مراحل طے ہوچکے تو حضرت عباسؓ کا وہ خیال صحیح ثابت ہوا، یعنی ایک شیطان (جاسوس) نے زور سے آواز دی کہ یا اہل المنازل! تمھیں کچھ مذمم (یہ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ کے بجائے رکھا تھا) اور ان بے دینوں کی خبر ہے؟ یہ سب تم سے لڑنے کے لئے تیار ہوئے ہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر انصار سے کہا کہ تم اپنی فرودگاہ پر واپس جاؤ" حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ سے نہ رہا گیا، بولے "خدا کی قسم

[۱] اسدالغابہ ص۱۸۳ ج ۱ [۲] سیرت ابن ہشام ص۲۴۴ ج ۱ [۳] طبقات ص۱۵۲ ج اقسم ۱،

اگر آپ چاہیں تو ہم کل اہل منیٰ پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑیں، فرمایا ابھی ہمیں اسکا حکم نہیں ہے۔

غرض انصار اپنے خیموں میں آکر سو رہے، صبح کو ان کے قیام میں رؤسائے قریش کی ایک جماعت پہنچی اور کہا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ رات تم نے ہم سے لڑنے کے لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کی، حالانکہ تمام عرب میں ہم تم سے لڑنا سب سے برا سمجھتے ہیں۔ مشرکین انصار کو چونکہ اس بیعت کا بالکل علم نہ تھا، اس لئے سب نے قسم کھا کر انکار کیا، اور عبداللہ بن ابی رئیس خزرج نے کہا "یہ بالکل جھوٹ ہے، اگر یہ واقعہ پیش آتا تو مجھ سے ضرور مشورہ لیا جاتا، قریش یہ سنکر واپس گئے، لیکن ان کے آدمی ہر طرف موجود تھے، اور انصار کے ان آدمیوں کی ہر جگہ تلاش تھی، چونکہ ان لوگوں کو اب اپنی جانوں کا خوف پیدا ہو گیا تھا، اس لئے سب کے سب خفیہ مدینہ روانہ ہوئے، قریش کو کچھ پتہ نہ چل سکا، لیکن سعدؓ بن عبادہ سردار خزرج اتفاقاً ہاتھ آگئے، قریش کے آدمیوں نے ان کو سخت تکلیف دی اور مارتے پیٹتے مکہ لائے، یہاں مطعم بن عدی اور حارث بن امیہ نے ان کو چھڑایا،

اب انصار کو سعدؓ بن عبادہ کی فکر لاحق ہوئی اور سب نے بالاتفاق مکہ چلنے کی نسبت طے کر لیا، اتنے میں حضرت سعدؓ آتے دکھائی دیے، اور ان کو لیکر سب خوش خوش مدینہ روانہ ہو گئے۔[1]

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا یہ بیعت عرب و عجم کی جنگ پر بیعت تھی، اس لئے ہم کو اب ان جانبازوں کے نام بتانے چاہئیں، جنھوں نے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت پناہ دی جبکہ ان کے لئے اور کوئی جائے پناہ نہ تھی اور اس وقت اپنے کو جاں نثاری کے لئے پیش کیا، جبکہ عرب کا کوئی قبیلہ اس میدان میں اترنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، ان بزرگوں کی

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۲۵۰ ج ۱ و طبقات ابن سعد صفحہ ۱۵۰ ج ۱ قسم ۱

مجموعی تعداد ۷۵ ہے، ۷۳ مرد اور ۲ عورتیں تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ قبیلہ اوس

عبد الاشہل :۔ اسیدؓ بن حضیر، ابو الہیثمؓ بن التیہان، سلمہؓ بن سلامۃ بن وقش،

حارثہ :۔ ظہیرؓ بن رافع، ابوبردہؓ بن نیار، نہیرؓ بن الہیثم،

عمرو بن عوف :۔ سعدؓ بن خیثمہ، رفاعہؓ بن عبد المنذر، عبد اللہؓ بن جبیر،

معنؓ بن عدی، عویمؓ بن ساعدہ،

قبیلۂ اوس سے کل گیارہ اصحاب اس بیعت میں شریک تھے،

قبیلۂ خزرج

نجار :۔ ابو ایوبؓ خالد بن زید، معاذؓ بن حارث بن رفاعہ، عوفؓ بن حارث، عمارہؓ

ابن حزم، اسعدؓ بن زرارہ، رفاعہؓ بن حارث، سہلؓ بن عتیک، اوسؓ بن ثابت بن منذر،

ابو طلحہؓ زید بن سہل، قیسؓ بن ابو صعصعہ، عمروؓ بن غزیہ،

حارث بن خزرج :۔ سعدؓ بن ربیع، خارجہؓ بن زید بن ابی زہیر، عبد اللہؓ بن رواحہ،

بشیرؓ بن سعد، عبد اللہؓ بن زید بن ثعلبہ، ابو مسعودؓ عقبہ بن عمرو، خلادؓ بن سوید بن ثعلبہ،

بیاضہ :۔ زیادؓ بن لبید، فروہؓ بن عمرو، خالدؓ بن قیس بن مالک،

زریق :۔ رافعؓ بن مالک بن عجلان، ذکوانؓ بن عبد قیس، عبادؓ بن قیس بن عامر، حارثؓ

ابن قیس،

سلمہ :۔ براءؓ بن معرور، سنانؓ بن صیفی، طفیلؓ بن نعمان، معقلؓ بن منذر،

یزید بن منذر، مسعود بن یزید، ضحاک بن حارثہ، یزید بن خذام، جبار بن صخر، طفیل بن مالک، بشر بن براء، کعب بن مالک، سلیم بن عمرو، قطبہ بن عامر، یزید بن عامر، ابو الیسر کعب بن عمرو، صیفی بن سواد، ثعلبہ بن غنمہ، عمرو بن غنمہ، عبس بن عامر، عبد اللہ بن انیس، خالد بن عمرو بن عدی، عبد اللہ بن عمرو بن حرام، جابر بن عبد اللہ، معاذ بن عمرو بن جموح، ثابت بن الجذع، عمیر بن حارث، خدیج بن سلامہ، معاذ بن جبل،

عوف بن خزرج :- عبادہ بن صامت، عباس بن عبادہ بن نضلہ، ابو عبد الرحمن بن یزید، عمرو بن حارث، رفاعہ بن عمرو، عقبہ بن وہب،

ساعدہ :- سعد بن عبادہ سردار خزرج، منذر بن عمرو بن خنیس،

دو عورتیں بھی اس بیعت میں شریک تھیں، نسیبہ بنت کعب اور ام منیع، اول الذکر بنو نجار اور دوسری بنو سلمہ سے تھیں،

قبیلۂ خزرج کے بیعت کرنے والوں کی تعداد ۶۲ ہے، اور اگر اس کے ساتھ قبیلۂ اوس کے بیعت کرنے والے بھی شامل کر لیے جائیں تو یہ تعداد عورتوں کو ملا کر ۷۵ ہو جاتی ہے،

(سیرت ابن ہشام ص ۲۴۹ تا ۲۵۵ ج ۱)

ان بزرگوں میں بعض ایسے بھی تھے جو بیعت کے بعد مدینہ واپس آئے لیکن پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ چلے گئے، وہ کچھ دن اقامت کر کے مہاجرین کے ساتھ ہجرت کی، ایسے لوگوں کو مہاجری انصاری کہا جاتا ہے، ان بزرگوں کی تعداد ۴ ہے، اور ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں، ذکوان بن عبد قیس، عقبہ بن وہب، عباس بن عبادہ بن نضلہ، زیاد بن لبید،

مدینہ میں بیعت عقبہ کا اثر | اس بیعت کا یہ اثر ہوا کہ انصار نے نہایت سرگرمی سے بت پرستی

---

۵۱ طبقات ابن سعد ص ۱۵۱ ج ۳ قسم ۱،

کی بیخ کنی شروع کی، اور مذہب اسلام کو نہایت آزادانہ طور سے اہل شہر کے سامنے پیش کیا، بنو سلمہ کی نسبت لکھا ہے کہ جب معاذ بن جبلؓ اور معاذ بن عمروؓ وغیرہ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے عمرو بن جموح رئیس سلمہ کے مسلمان کرنے کی عجیب تدبیر نکالی، عمرو نے عام رؤسا کی طرح اپنے گھر میں پوجا کرنے کی ایک جگہ علیحدہ بنالی تھی، اور وہاں مناۃ کی لکڑی کی ایک مورت رکھی تھی، جب عمرو کے بیٹے معاذ اور خاندان سلمہ کے چند نوجوان مسلمان ہو گئے، تو وہ روزانہ رات کو مناۃ کو چھپ کر اٹھالیجاتے اور کسی گڈھے میں پھینک دیتے، صبح کو عمرو ڈھونڈھ کر اٹھا لاتا، اور اسے دھوکر خوشبو لگا کر پھر اس کی جگہ پر رکھ دیتا، جب کئی دن تک برابر یہ واردات ہوتی رہی اور لیجانے والوں کا پتہ نہ چلا تو ایک دن عمرو نے جھنجھلا کر بت کی گردن میں تلوار باندھ دی اور کہا مجھے تو کچھ پتہ چلتا نہیں اگر تم خود کچھ کر سکتے ہو تو یہ تلوار حاضر ہے حسب معمول جب رات کو لڑکے آئے تو تلوار اس کے گلے سے اتار لی، اور رسی کے ایک سرے میں مرا ہوا کتا اور دوسرے میں اس بت کو باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیا، صبح کو لوگ آتے اور یہ تماشا دیکھتے تھے، عمرو جب بت ڈھونڈھنے نکلا اور اس کو اس حالت میں پایا تو چشم بصیرت وا ہو گئی، مسلمانوں کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا، اور وہ مسلمان ہو گیا، حضرت عمروؓ بن جموح نے اپنے اس واقعہ کو خود نظم کیا ہے اور اس میں اپنے مسلمان ہونے پر خدا کا بڑا شکر ادا کیا ہے[1]،

حضرت سہل بن حنیفؓ کے متعلق بھی تصریح ہے کہ وہ رات کو اپنی قوم کے بت خانوں اور پوجا کی جگہوں میں گھس جاتے، اور لکڑی کے بتوں کو توڑ ڈالتے اور ایک مسلمان بیوہ کو لاکر دیتے کہ وہ اسکو جلا ڈالے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ اس عورت سے معلوم ہوا تھا، چنانچہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۴۳ ج ۱

جب حضرت سہلؓ کا انتقال ہوا تو حضرت علیؓ نے ان لوگوں سے ان کی اس خدمت جلیلہ کا تذکرہ فرمایا[1]

ان واقعات سے یہ معلوم ہوا کہ بیعت عقبہ کے بعد مشرکین انصار میں مدافعت کی قوت بھی باقی نہ تھی یہی وجہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی اور دیگر منافقین گو حقیقۃً مسلمان نہ تھے لیکن چار و ناچار ان کو بھی مسلمان بننا پڑا تھا، ورنہ ان کے لئے مدینہ میں زندگی بسر کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی،

[1] طبری ص ۱۲۲۴ ج ۳،



ہجرتِ مہاجرین

قریش نے انصار کے اسلام کو نہایت خوف اور دہشت کی نگاہ سے دیکھا تھا، اور چونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ انصار ایک جنگجو قوم ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضؓ کی پوری طرح حفاظت کریں گے، اور مسلمان ضرور مدینہ ہجرت کریں گے، اس لئے بیعت عقبہ کے بعد انھوں نے مسلمانوں پر پہلے سے زیادہ ظلم وستم شروع کیا، یہاں تک کہ ایک وقت وہ بھی آگیا کہ سرزمین بطحا اپنی کشادگی کے باوجود مسلمانوں پر تنگ ہوگئی،

صحابہ نے قریش کے اس ظلم وتعدی کی بارگاہ رسالت میں فریاد کی، ارشاد ہوا میں نے تمھاری ہجرت گاہ خواب میں دیکھی ہے، وہاں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں، اور وہ دو سنگستانوں کے درمیان واقع ہے، چونکہ یہ صفت مدینہ کے ساتھ سراۃ میں بھی پائی جاتی تھی، اس لئے آپ کا ذہن سراۃ کی طرف منتقل ہوا، چند روز کے بعد آپ ایک دن بہت مسرور تشریف لائے اور فرمایا کہ تمھارا دار الہجرت متعین ہوگیا، اب جس کا جی چاہے یثرب چلا جائے، اجازت پاتے ہی صحابہ نے ہجرت کی خفیہ طور پر تیاریاں شروع کیں، ابوسلمہؓ بن اسد نے سب سے پہلے ہجرت کی، ابن ہشام نے لکھا ہے کہ انھوں نے بیعت عقبہ سے بھی ایک سال قبل ہجرت کی تھی، ابوسلمہؓ کے بعد عامر بنؓ ربیعہ اپنی بیوی لیلیٰؓ بنت ابی خثمہ کے ہمراہ مدینہ گئے، پھر عبد اللہ بن جحشؓ، عبد بن جحش ابو احمد، مدینہ آئے، پھر مہاجرین متواتر پہنچنے لگے، چنانچہ عکاشہ بن محصن، شجاعؓ، عقبہ (پسران وہب) اربد بن حمیرہ، منقذ بن نباتہ

سعید بن رقیش، محرز بن نضلہ، یزید بن رقیش، قیس بن جابر، عمرو بن محصن، مالک بن عمرو، صفوان بن عمرو، ثقیف بن عمرو، ربیعہ بن اکثم، زبیر بن عبیدہ، تمام، سنجرہ، محمد بن عبد اللہ جحش، زینب بنت جحش، ام حبیب، جذامہ بنت جندل، ام قیس بنت محصن، ام حبیب بنت ثمامہ، آمنہ بنت رقیش، سنجرہ بنت تمیم، حمنہ بنت جحش ... کی، ان کے بعد حضرت عمر اور عیاش بن ابی ربیعہ آئے ان کے بعد زید بن خطاب، ... عبد اللہ (پسران سراقہ بن معتمر)، خنیس بن حذافہ، سعید بن زید، واقد بن عبد اللہ، خولی، مالک (پسران ابی خولی)، ایاس، عاقل، عامر، خالد (پسران بکیر) اور ان کے حلفاء آئے، اور رفاعہ بن عبد المنذر کے گھر میں قبا میں قیام کیا، پھر باقی اصحاب آئے اور مدینہ میں مختلف جگہوں میں قیام کیا، چنانچہ اسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

اسمائے مہاجرین	اسمائے انصار	نام قبیلہ یا محلہ
حضرت طلحہ، صہیب	خبیب بن اساف	سنح، حارث بن خزرج
حضرت حمزہ، زید بن حارثہ، ابو مرثد، ابو مرثد، انسہ، ابو کبشہ	کلثوم بن الہدم	قبا
عبیدہ بن حارث، طفیل، حصین، مسطح بن اثاثہ، سویبط بن سعد، طلیب بن عمیر، خباب بن الارت	عبد اللہ	حارث بن خزرج
حضرت زبیر، ابو سبرہ	منذر بن محمد جحجبی	عصبہ
مصعب بن عمیر	سعد بن معاذ	عبد الاشہل
ابو حذیفہ، سالم	نبیتہ بنت یعار	قبا

سعید بن رقیش، محرز بن نضلہ، یزید بن رقیش، قیس بن جابر، عمرو بن محصن، مالک بن عمرو، صفوان بن عمرو، ثقیف بن عمرو، ربیعہ بن اکثم، زبیر بن عبیدہ، تمام، سنجرہ، محمد بن عبداللہ جحش، زینب بنت جحش، ام حبیب، جذامہ بنت جندل، ام قیس بنت محصن، ام حبیب بنت ثمامہ، آمنہ بنت رقیش، سنجرہ بنت تمیم، حمنہ بنت جحش بھی آئیں، ان کے بعد حضرت عمرؓ اور عیاش بن ابی ربیعہ آئے ان کے بعد زید بن خطابؓ، عمرو و عبداللہ دپسران سراقہ بن عمر، خنیس بن حذافہ، سعید بن زیدؓ، واقد بن عبداللہ، خولی، مالک (پسران ابی خولی)، ایاسؓ، عاقلؓ، عامرؓ، خالد (پسران بکیر) اور ان کے خلفاء آئے، اور رفاعہ بن عبد المنذر کے گھر میں قبا میں قیام کیا، پھر باقی اصحاب آئے اور مدینہ میں مختلف جگہوں میں قیام کیا، چنانچہ اسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

اسمائے مہاجرین	اسمائے انصار	نام قبیلہ یا محلہ
حضرت طلحہؓ، صہیبؓ	خبیب بن اسافؓ	سخ، حارث بن خزرج
حضرت حمزہؓ، زید بن حارثہؓ، ابو مرثدؓ، ابو مرثدؓ، انسہؓ، ابو کبشہؓ	کلثوم بن الہدم	قبا
عبیدہ بن حارثؓ، طفیلؓ، حصینؓ، مسطح بن اثاثہؓ، سویبط بن سعدؓ، طلیب بن عمیرؓ، خباب بن الارتؓ	عبداللہ	حارث بن خزرج
حضرت زبیرؓ، ابو سبرہؓ	منذر بن محمد جحجبی	عصبہ
مصعب بن عمیرؓ	سعد بن معاذؓ	عبد الاشہل
ابو حذیفہؓ، سالمؓ	نبیتہ بنت یعارؓ	قبا

واپس آتے تھے، ایک روز اسی طرح انتظار کے بعد واپس ہو رہے تھے کہ یہودی نے ٹیلہ پر سے آواز دی بنو قیلہ! (انصار کی دادی کا نام ہے) لو تمھارے صاحب آ گئے"! انصار یہ سن کر چلے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، اس وقت صحابہ کے جوش کی عجیب حالت تھی، تمام مسلمان ہتھیاروں سے آراستہ تھے، اور عمرو بن عوف کے محلہ میں تکبیر کا اس قدر شور تھا کہ زمین لرز اٹھتی تھی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے قبا میں اترے اور کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام فرمایا، لوگوں سے ملنے جلنے کے لئے سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں نشست رہتی تھی، اس لئے بعض کو شبہ ہوا اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن سعد کے مکان کو سمجھا، یہاں آپ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق ۴ روز اور صحیح بخاری کے رو سے ۱۴ روز مقیم رہے اور ایک مسجد کی بنیاد قائم کی،

جمعہ کے روز مدینہ تشریف لیجانے کا خیال ہوا، اور بنو نجار کو اطلاع کرائی، بنو نجار ہتھیار سج سج کر خیر مقدم کے لئے قبا پہونچے اور عرض کیا "بسم اللہ تشریف لے چلئے"! موکب رسالت قبا سے روانہ ہوا تو شہر یثرب کے در و دیوار طلعت اقدس سے جگمگا اٹھے، اللہ اکبر! مدینہ منورہ کی تاریخ میں یہ کتنا مبارک دن تھا، انصار کے تمام قبیلے شہنشاہ رسالت کے انتظار میں ہتھیاروں سے آراستہ دو رویہ صف بستہ تھے، رؤسا اپنے اپنے محلوں میں قرینہ سے ایستادہ تھے، پردہ نشین خواتین گھر سے باہر نکل آئی تھیں، مدینہ کے حبشی غلام جوش مسرت میں اپنے اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے، اور خاندان نجار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر "طلع البدر" کا ترانہ خیر مقدم گا رہی تھیں، غرض اس شان و شکوہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ ہوا کہ وداع کی گھاٹیاں مسرت کے ترانوں

سے گونج اٹھیں، اور مدینہ کے روز نہا سے در و دیوار نے اپنی آنکھوں سے وہ دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا!

اب ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھئے میزبانِ دو عالم کی مہمانی کا شرف کس کو حاصل ہو، چنانچہ جب آپ رانوناکی مسجد سے نماز پڑھ کر باہر آئے اور بنو سالم میں پہنچے تو عتبان بن مالکؓ اور عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ نے اَھْلًا وَّ سَھْلًا کہا اور قیام کے لئے اپنا مکان پیش کیا، پھر بالترتیب بیاضہ میں زیاد بن لبیدؓ اور فروہ بن عمروؓ، ساعدہ میں سعد بن عبادہؓ سردار قبیلہ خزرج، اور منذر بن عمروؓ، حارث بن خزرج میں سعد بن ربیعؓ خارجہ بن زیدؓ اور عبد اللہ بن رواحہؓ، عدی بن نجار میں سلیطؓ بن قیس اور ابو سلیط اسیرہ بن ابی خارجہ نے آپ کا خیر مقدم کیا اور اپنے اپنے گھروں میں قیام کی خواہش ظاہر کی، لیکن کارکنانِ قضا و قدر نے اس شرف کے لئے جس گھر کو چنا تھا وہ حضرت ابو ایوبؓ کا کاشانہ تھا، اس لئے جس شخص نے آپ سے اس کی خواہش کی جواب ملا خلوا سبیلھا فانھا مامورۃ! اس کو چھوڑ دو، یہ حکم کی پابند ہے، آخر ندائے وحی نے سفر کی منزل متعین کی اور ناقۂ قصوا نے خانۂ ایوبؓ کے سامنے دم لیا، اب بنو نجار میں قیام کا مسئلہ پیش ہوا، اور امیدوار ہر طرف سے ہجوم کر آئے لیکن اسی اثناء میں حضرت ابو ایوبؓ انصاری نے آکر کہا، "میرا مکان یہ ہے اور یہ اس کا دروازہ ہے" آپ نے اجازت دی تو انھوں نے مہبطِ وحی و رسالت کو اپنے گھر میں اتار لیا[1]

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد
ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

یہاں پہنچتے ہی اشاعت اسلام کا کام نہایت تیزی سے شروع ہو گیا، جس وقت آپ شہر آ رہے تھے، ایک گھر کی بیوی آپ کی منتظر تھیں، مکان کے سامنے گذر ہوا تو

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۵۵ و ابن سعد ج ۱ ق ۱ ص ۱۵۷، ۱۶۰ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۱

تو انھوں نے اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ اسلام قبول کیا۔[1]

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ یہود کے ایک بڑے عالم تھے، وہ بھی اب تک اسلام سے محروم تھے، خانۂ ابو ایوبؓ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقیم ہوگئے تو انھوں نے بھی آکر کلمۂ شہادت پڑھا،[1]

تعمیر مسجد نبویؐ چونکہ بنو نجار میں اب تک مستقل طور سے کوئی مسجد نہیں بنی تھی، اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں موجود ہوتے، وہیں نماز ادا فرما لیتے تھے، چند روز کے بعد ایک مسجد کی تعمیر کا خیال پیدا ہوا، جس جگہ اس وقت مسجد نبوی ہے، یہ انصار کے چھوہارے پھیلانے کی جگہ تھی اور حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے مسلمان ہوکر نماز با جماعت کا یہیں انتظام کیا تھا، اسلئے آپ کو مسجد کا خیال پیدا ہوا تو اسی مقام کو منتخب فرمایا، جہاں کہ آپ کی تشریف آوری سے قبل ہی چند مقدس نفوس کے ہاتھوں گویا ایک مسجد کی بنیاد پڑ چکی تھی،

یہ زمین سہل اور سہیل نامی دو یتیموں کی ملک تھی جو حضرت اسعد بن زرارہؓ کی آغوش تربیت میں پرورش پاتے تھے، آپ نے اُن سے قیمت پوچھی تو بولے کہ ہم یہ زمین آپ کے لئے ہبہ کرتے ہیں، لیکن آپ نے اس کو ناپسند کیا اور اس کی قیمت ادا فرمائی، اس امر میں اختلاف ہے کہ زمین کا روپیہ کس نے دیا تھا، صحیح بخاری میں کوئی تصریح نہیں، واقدی نے زہری کے سلسلہ سے لکھا ہے کہ اس کے دام حضرت ابوبکرؓ کے روپیہ سے دیئے گئے تھے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہؓ نے اس زمین کے معاوضہ میں انکو بنو بیاضہ میں ایک باغ دیا تھا،[1] اور عجب نہیں کہ یہ صحیح بھی ہو، کیونکہ صحیح بخاری میں یہ بالتصریح مذکور ہے کہ وہ لڑکے انہی کے زیر تربیت تھے، زبیر اور ابو معشر کے نزدیک

---

[1] اسد الغابہ صفحہ ۲۶۶ ج ۵، صحیح بخاری صفحہ ۵۵۵ ج ۱، زرقانی صفحہ ۳۲۲،

اس کی قیمت حضرت ابوایوبؓ نے ادا کی تھی[1]

غرض زمین کا معاملہ طے ہونے پر اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا لیکن جانتے ہو کہ اس مقدس مسجد کے کون لوگ معمار تھے؟ یہ مسجد خدا کی تھی، اس لئے اس کے مزدور وہ تھے جو خدا کے محبوب اور اس کے محبوب کے پیارے تھے یعنی انصار کرام اور مہاجرین اول (رضوان اللہ علیہم) اور پھر اس کا سب سے بڑا معمار وہ تھا جس نے قصر نبوت میں آخری اینٹ لگائی تھی، اور جس کی غلامی پر جبریل امین بھی ناز کیا کرتے تھے، وہ اپنے باپ (حضرت ابراہیمؑ) کی طرح خدائے قدوس کی عبادت کے لئے عرب کے ظلمتکدہ میں ایک گھر تیار کر رہا تھا، اور عبداللہ بن رواحہ انصاری کا یہ شعر پڑھ رہا تھا،

اللھم ان الاجر اجر الاخرۃ فارحم الانصار والمھاجرۃ[2]

خدایا! اجر تو بس آخرت کا اجر ہے پس تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما

مسجد نبویؐ کے ساتھ آپ کی سکونت کے لئے چند مکانات بھی بنائے گئے، اور جب یہ عمارتیں تیار ہو گئیں، تو آپ حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان سے اپنے مکان میں منتقل ہو گئے،[3]

یہود سے معاہدہ اس کے بعد یہود اور مسلمان میں ایک معاہدہ لکھا گیا، جس میں یہود کو ان کے مذہب پر قائم رہنے اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرنے کی اجازت دی گئی اور یہ شرط کی گئی کہ اگر مسلمان کسی قبیلہ سے جنگ کریں تو یہود پر ان کی اعانت لازمی ہوگی یہود کے ساتھ خود انصار و مہاجرین کے باہمی تعلقات کا بھی اس میں تذکرہ کیا گیا تھا،[4]

---

[1] فتح الباری ص ۱۹۳ ج ۷، [2] صحیح بخاری ص ۵۵۵ ج ۱ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ [3] سیرت ابن ہشام ص ۲۷۵ ج ۱ [4] ایضاً ص ۲۷۸،

مواخاۃ ہجرت مقدسہ کے وجود پر جو آسمانی برکتیں موقوف تھیں، ان میں سے ایک نعمت عظمٰی مواخاۃ بھی ہے، مواخاۃ مذہب اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس کی نظیر سے اخلاق اور تمدن دونوں کی تاریخ یکسر خالی ہے، اہل عرب عموماً اور اہل یثرب خصوصاً باہمی معرکہ آرائیوں کی بدولت، حسد، دشمنی، بغض اور کینہ توزی کے اس درجہ عادی ہو گئے تھے کہ غیر تو غیر خود اپنوں پر بھی کسی کو اعتماد نہ ہوتا تھا، اوس و خزرج بھائی بھائی تھے، لیکن پیہم خانہ جنگیوں نے وہ دن دکھایا تھا کہ ایک دوسرے کی صورت سے بھی نفرت کرتے تھے، واقعات شاہد ہیں کہ جب حضرت مصعب بن عمیرؓ داعی اسلام بن کر مدینہ آئے تو انصار نے ان کو صرف اس وجہ سے امام بنایا تھا کہ وہ اپنے کسی ہم قبیلہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہتے تھے[1] لیکن اسلام کی برکات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے یہ حالت بہت جلد بدل گئی، اور وہ دن آ گیا کہ انصار باہمی بغض و عناد کو چھوڑ کر مہاجرین اور اجنبی مسلمانوں کے ساتھ وہ کریں جو دنیا خود اپنے بڑے سے بڑے عزیز کے ساتھ نہیں کر سکتی، ہجرت کے ۵ ماہ بعد[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کے مکان میں انصار و مہاجرین کا ایک مجمع طلب کیا،[3] اور ان میں برادری قائم کی، کہتے ہیں کہ ان بزرگوں کی تعداد ۹۰ تھی جن میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے، ابن سعد نے واقدی سے یہی روایت کی ہے، بعض کا خیال ہے کہ دونوں فریق ۵۰۔۵۰ تھے، اس لحاظ سے یہ تعداد ۹۰ کے بجائے ۱۰۰ ہو جاتی ہے، ان بزرگوں میں سے بعض کے نام جو ہم کو معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں،

[1] اسد الغابہ صفحہ ۳۶۷ ج ۴ [2] زرقانی صفحہ ۳۴۳ ج ۱ [3] صحیح بخاری صفحہ ۳۰۶ ج ۱

مہاجرین	انصار
١- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت علیؓ (یہ دونوں مہاجر تھے)
٢- حضرت حمزہؓ	زید بن حارثہؓ
٣- جعفر طیارؓ	معاذ بن جبلؓ
٤- ابوبکر صدیقؓ	خارجہ بن زہیرؓ
٥- عمر بن الخطابؓ	عتبان بن مالکؓ
٦- ابوعبیدہؓ	سعد بن معاذؓ
٧- عبدالرحمن بن عوفؓ	سعد بن ربیعؓ
٨- زبیر بن عوامؓ	سلمہ بن سلامہ بن وقشؓ
٩- عثمان بن عفانؓ	اوس بن ثابت بن منذرؓ
١٠- طلحہ بن عبید اللہؓ	کعب بن مالکؓ
١١ سعید بن زیدؓ	ابی بن کعبؓ
١٢- مصعب بن عمیرؓ	ابوایوب خالد بن زیدؓ
١٣- ابوحذیفہ بن عتبہؓ	عباد بن بشر بن وقشؓ
١٤- ابوذر غفاریؓ	منذر بن عمروؓ
١٥- عمار بن یاسرؓ	حذیفہ بن یمانؓ
١٦- حاطب بن ابی بلتعہؓ	عویم بن ساعدہؓ
١٧- سلمان فارسیؓ	ابوالدرداءؓ
١٨- بلال حبشیؓ	ابورویحہ خثعمیؓ

اس مواخاۃ کا کیا اثر ہوا؟ اس کا جواب ذیل کے واقعات میں ملتا ہے:

مہاجرین جس وقت مکہ سے مدینہ آئے ہیں تو ان کے پاس کچھ نہ تھا، انصار نے اپنی جائدادیں ان کے لئے علیحدہ کر دیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا تو انصار نے کہا کہ مہاجرین ان کی زمینیں جوتیں بوئیں اور اس محنت کے معاوضہ میں نصف پھل لے لیا کریں[1]، آنحضرت اور مہاجرین نے اس رائے کو پسند کیا،

انصار کی وراثت بجائے ان کے عزہ کے مہاجرین کو ملتی تھی، جب یہ آیت (وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ) نازل ہوئی، تو وراثت کا یہ طریقہ منسوخ ہو گیا[2]،

عام انصار کے ساتھ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے مواخاۃ کا عجیب و غریب منظر پیش کیا، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے تو انھوں نے درخواست کی کہ میرا آدھا مال لے لیں اور دو بیویوں میں ایک بیوی منتخب کر لیں (حضرت سعد کے دو بیویاں تھیں) حضرت عبد الرحمٰن نے یہ الفاظ سنے تو ان کے لئے خیر و برکت کی دعا کی[3]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بحرین میں زمین دینا چاہی، تو انھوں نے صرف اس بنا پر لینے سے انکار کیا کہ قریش کو بھی اسی قدر ملنا چاہئے[4]،

غزوۂ موتہ میں امرائے لشکر کی شہادت کے بعد کوئی امیر نہ تھا، ایک انصاری نے جھنڈا لیجا کر حضرت خالد کو دیا، انھوں نے ہر چند چاہا کہ انصاری امیر بن جائیں لیکن وہ برابر انکار کرتے رہے اور بولے کہ میں اس کو صرف تمہارے لئے لایا ہوں[5]،

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ مواخاۃ کی بدولت انصار میں ایثار کا عجیب و غریب مادہ

---

[1] صحیح مسلم ص ۸۳ ج ۲ [2] صحیح بخاری ص ۲۶۶ ج ۱ [3] ایضاً ص ۵۶ [4] ایضاً ص ۴۴۸ [5] طبقات ابن سعد ص ۹۴ ج ۴ قسم ۱

پیدا ہوگیا تھا، نفسانیت بالکل فنا ہوگئی تھی، اور جاہلیت کی تمام ادعائی آوازیں پست ہوگئی تھیں،

اذان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کچھ ایسی پر پیچ مشکلات میں گھری ہوئی گذری تھی کہ نماز کے علاوہ اور کوئی شئے مسلمانوں پر فرض نہیں ہوسکتی تھی، مدینہ آکر جب کسی قدر امن وسکون میسر ہوا تو فرائض کی حدبندی اور احکامات میں اضافہ شروع ہوا، چنانچہ زکوٰۃ اور روزے فرض ہوئے حدود مقرر کئے گئے اور حلال وحرام کی تشریح کی گئی، اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے جو جماعت قائم کی تھی اس کی صرف یہ صورت ہوتی تھی کہ لوگ نماز کے اوقات میں جمع ہوجاتے تھے اور نماز ہوجاتی تھی، لیکن اس کی اطلاع کا مسلمانوں کے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا، اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز فرمائی کہ نماز کے وقت یہود کی طرح بوق بجایا جائے، پھر ناقوس کا خیال ہوا، اسی اثناء میں انصار کے ایک شخص حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ نے خواب دیکھا اور اس میں اذان کے کلمات سنے بیدار ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، ارشاد ہوا کہ تمہارا خواب سچا ہے، اور حضرت بلالؓ کو اذان سکھانے کا حکم دیا، وہ اذان دے ہی رہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے اپنا خواب آکر بیان کیا، اور کہا میں نے بھی یہی کلمات خواب میں سنے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور دو مسلمانوں کے اس اتفاق پر خدا کا شکر ادا کیا،[۱]

اس مقام پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان جو درحقیقت نماز کا دیباچہ اور اسلام کا شعار اعظم ہے، ایک انصاری کی رائے سے قائم ہوئی، اور یہ وہ شرف ہے جو انصار کے ناصیۂ کمال پر ہمیشہ غرۂ عظمت بن کر نمایاں رہے گا،

[۱] سیرت ابن ہشام ص ۲۵۲ ج ۱ و جامع ترمذی ص ۳۰،

(الف)

حضرت ابوایوب انصاری رض

نام و نسب اور ابتدائی حالات خالد نام، ابوایوب کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے تھے، سلسلہ نسب یہ ہے، خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبدعوف خزرجی، خاندان نجار گو قبائل مدینہ میں خود بھی ممتاز تھا، تاہم اس شرف نے کہ حامل نبوت کی وہاں ناناہالی قرابت تھی اس کو مدینہ کے اور قبائل سے ممتاز تر کر دیا تھا، ابوایوب اس خاندان کے رئیس تھے،

اسلام حضرت ابوایوب انصاری بھی ان منتخب بزرگان مدینہ میں ہیں، جنھوں نے عقبہ کی گھاٹی میں جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی تھی،

حضرت ابوایوب مکہ سے دولت ایمان لے کر پلٹے تو ان کی فیاض طبعی نے گوارا نہ کیا کہ اس نعمت کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھیں، چنانچہ اپنے اہل وعیال، اعزہ واقربا اور دوست واحباب کو ایمان کی تلقین کی، اور اپنی بیوی کو حلقہ توحید میں داخل کیا،

حامل نبوت کی میزبانی خدا نے اہل مدینہ کے قبول دعوت سے اسلام کو ایک مامن عطا کر دیا اور مسلمان مہاجرین مکہ اور اطراف سے آکر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے، لیکن جو وجود مقدس قریش کی ستمگاریوں کا حقیقی نشانہ تھا وہ اب تک ستمگاروں کے حلقہ میں تھا، آخر ماہ ربیع الاول میں نبوت کے تیرہویں سال وہ بھی عازم مدینہ ہوا، اہل مدینہ بڑی بیتابی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کا انتظار کر رہے تھے، انصار کا ایک گروہ جس میں حضرت ابوایوب رض بھی تھے روزانہ حرہ تک جو مدینہ سے ۳-۴ میل ہے صبح اٹھ کر جاتا تھا اور دوپہر تک

حضور کا انتظار کر کے ناامراد واپس آتا تھا، ایک روز اسی طرح یہ لوگ بے نیل مرام واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے دور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرینہ سے پہچان کر انصار کو تشریف آوری کا مژدہ سنایا، انصار جن میں بنو نجار سب سے پیش پیش تھے، ہتھیار سج کر خیر مقدم کے لئے آگے بڑھے،

مدینہ سے متصل قبار نام ایک آبادی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دنوں قبار میں رونق افروز رہے، اس کے بعد مدینہ کا عزم فرمایا، اللہ اکبر! مدینہ کی تاریخ میں یہ عجیب مبارک دن تھا، بنو نجار اور تمام انصار ہتھیاروں سے آراستہ دو رویہ صف بستہ تھے، روسا اپنے اپنے محلوں میں قرینے سے ایستادہ تھے، پردہ نشین خواتین گھر سے باہر نکل آئی تھیں، مدینہ کے حبشی غلام جوش مسرت میں اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے، اور خاندان نجار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر "طلع البدر علینا" کا ترانہ خیر مقدم گا رہی تھیں، غرض اس شان و شکوہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر میں داخلہ ہوا کہ وداع کی گھاٹیاں مسرت کے ترانوں سے گونج اٹھیں اور مدینہ کے روز نہاے دیوار نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا جو اس نے کبھی نہ دیکھا تھا

اب ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھیے میزبانِ دو عالم کی مہمانی کا شرف کس کو حاصل ہوا جدھر سے آپ کا گذر ہوتا لوگ اَھْلاً وسَھْلاً مرحبا کہتے ہوئے آگے بڑھتے اور عرض کرتے کہ حضورؐ یہ گھر حاضر ہے، لیکن کارکنان قضا و قدر نے اس شرف کے لئے جس گھر کو تاکا تھا وہ ابوایوبؓ کا کاشانہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا، "خلوا سبیلھا فانھا مامورۃ" یعنی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دو وہ خدا کی جانب سے خود منزل تلاش کر لے گی" امام مالکؒ کا قول ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی حالت طاری تھی اور آپ اپنے قیام گاہ کی تجویز میں حکم الٰہی کے منتظر تھے، آخر ندائے وحی نے تسکین کا سرمایہ بہم پہنچایا اور ناقۂ قصوا نے خانۂ ابوایوبؓ

حضور کا انتظار کر کے نامراد واپس آتا تھا، ایک روز اسی طرح یہ لوگ بے نیل مرام واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے دور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرینہ سے پہچان کر انصار کو تشریف آوری کا مژدہ سنایا، انصار جن میں بنو نجار سب سے پیش پیش تھے، ہتھیار سج کر خیر مقدم کے لئے آگے بڑھے،

مدینہ سے متصل قبار نام ایک آبادی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دنوں قبار میں رونق افروز رہے، اس کے بعد مدینہ کا عزم فرمایا، اللہ اکبر! مدینہ کی تاریخ میں یہ عجیب مبارک دن تھا، بنو نجار اور تمام انصار ہتھیاروں سے آراستہ دورویہ صف بستہ تھے، روسا اپنے اپنے محلوں میں قرینے سے ایستادہ تھے، پردہ نشین خواتین گھر سے باہر نکل آئی تھیں، مدینہ کے حبشی غلام جوش مسرت میں اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے، اور خاندان نجار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر "طلع البدر علینا" کا ترانہ خیر مقدم گا رہی تھیں، غرض اس شان و شکوہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر میں داخلہ ہوا کہ وداع کی گھاٹیاں مسرت کے ترانوں سے گونج اٹھیں اور مدینہ کے روز نہائے دیوار نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا جو اس نے کبھی نہ دیکھا تھا، اب ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھئے میزبانِ دو عالم کی مہمانی کا شرف کس کو حاصل ہوا جدھر سے آپ کا گذر ہوتا لوگ اَھْلاً وَسَھْلاً مرحبا کہتے ہوئے آگے بڑھتے اور عرض کرتے کہ حضورؐ یہ گھر حاضر ہے، لیکن کارکنان قضا و قدر نے اس شرف کے لئے جس گھر کو تاکا تھا وہ ابوایوبؓ کا کاشانہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا، "خلوا سبیلھا فانھا مامورۃ" یعنی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دو وہ خدا کی جانب سے خود منزل تلاش کر لے گی" امام مالک کا قول ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی حالت طاری تھی اور آپ اپنے قیام گاہ کی تجویز میں حکم الٰہی کے منتظر تھے، آخر ندائے وحی نے تسکین کا سرمایہ بہم پہنچایا اور ناقۂ قصوا نے خانۂ ابوایوبؓ

یا خود حضرت ابوایوبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روزانہ کھانا بھیجا کرتے تھے، کھانے سے جو کچھ بچ جاتا، آپ حضرت ابوایوبؓ کے پاس بھیج دیتے تھے، حضرت ابوایوبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے نشان دیکھتے اور جس طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا ہوتا، وہیں انگلی رکھتے اور کھاتے، ایک دفعہ کھانا واپس آیا تو معلوم ہوا کہ حضورؐ نے تناول نہیں فرمایا، مضطربانہ خدمت اقدس میں پہنچے اور نہ کھانے کا سبب دریافت کیا، ارشاد ہوا کھانے میں لہسن تھا اور میں لہسن پسند نہیں کرتا، حضرت ابوایوبؓ نے کہا نی اکرہ ما تکرہ جو آپ کو ناپسند ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اس کو ناپسند کرونگا۔[۱]

مواخاۃ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کو باہم بھائی بھائی بنادیا، آپ نے حضرت انسؓ کے مکان میں مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور اتحاد مذاق اور رتبہ و درجہ کے لحاظ سے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی بنایا، اس موقع پر حضرت ابوایوبؓ انصاری کو جس مہاجر کا بھائی قرار دیا وہ یثرب کے اولین داعیِ اسلام حضرت مصعبؓ بن عمیر قریشی تھے، حضرت مصعبؓ بن عمیر وہ پرجوش صحابی ہیں جنھوں نے اسلام کی خاطر بڑی بڑی سختیاں جھیلی تھیں، اور ہجرت نبوی سے پہلے اسلام کے سب سے اول داعی بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ بھیجا تھا، حضرت ابوایوبؓ کی ان سے مواخاۃ یہ معنی رکھتی ہے کہ یہ بھی اپنے اندر اسی قسم کا جوش اور ولولہ رکھتے ہیں، اور آخر ان کی زندگی کے واقعات نے اس کو صحیح کردیا،

غزوات اور عام حالات حضرت ابوایوبؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں دیگر اکابر صحابہؓ کی طرح برابر کے شریک رہے، اور اس التزام سے کہ ایک غزوہ کے

---

[۱] صحیح مسلم ص۱۹۰ ج۲،

شرف شرکت سے بھی محروم نہیں رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور غزوات میں پہلا غزوہ بدر ہے، حضرت ابوایوبؓ اس میں شریک تھے، بدر کے بعد وہ اُحد، خندق، بیعت الرضوان وغیرہ اور تمام غزوات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ان کی زندگی کا بیشتر حصہ جہاد میں صرف ہوا، حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں جو لڑائیاں پیش آئیں، ان میں سے جنگ خوارج میں وہ شریک تھے، اور جناب امیر کی معیت میں مدائن تشریف لے گئے،

جناب امیرؓ کو آپ کی ذات پر جو اعتماد اور آپ کی قابلیت وحسن تدبیر کا جس قدر اعتراف تھا وہ اس سے ظاہر ہوگا کہ جب انھوں نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تو مدینہ میں حضرت ابوایوبؓ کو اپنا جانشین چھوڑ گئے، اور وہ اس عہد میں امیر مدینہ رہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی سابقہ حسن خدمت کی بنا پر بارگاہ خلافت سے حسب ترتیب ماہانہ وظائف ملتے تھے، حضرت ابوایوبؓ کا وظیفہ پہلے ۴ ہزار درہم تھا حضرت علیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں بیس ہزار کر دیا، پہلے ۸ غلام ان کی زمین کی کاشت کے لئے مقرر تھے، جناب امیر نے ۴۰ غلام مرحمت فرمائے،

آل واولاد: حضرت ابوایوبؓ کی زوجہ کا نام حضرت ام حسن بنت زید انصاریہؓ ہے، وہ مشہور صحابیہ تھیں، ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کے بطن سے صرف ایک لڑکا عبدالرحمن تھا،

اس حسن خدمت اور محبت کی یادگار میں جو آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تھی، تمام صحابہؓ اور اہل بیت آپ سے محبت وعظمت کے ساتھ پیش آتے تھے، حضرت ابن عباسؓ، حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے، اسی زمانہ میں آپ حضرت ابن عباسؓ کی ملاقات کو بصرہ تشریف لے گئے، ابن عباسؓ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ

جس طرح آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقامت کے لئے اپنا گھر خالی کردیا تھا میں بھی آپ کے لئے اپنا گھر خالی کردوں، اور اپنے تمام اہل و عیال کو دوسرے مکان میں منتقل کردیا اور مکان مع اس تمام ساز و سامان کے جو گھر میں موجود تھا آپ کی نذر کردیا،

مصر کا سفر حضرت علیؓ کے بعد امیر معاویہؓ کی حکومت کا زمانہ آیا، عقبہ بن عامر جہنیؓ ان کی طرف سے مصر کے گورنر تھے، حضرت عقبہؓ کی عہد امارت میں حضرت ابو ایوبؓ کو دو مرتبہ سفر مصر کا اتفاق ہوا، پہلا سفر طلب حدیث کے لئے تھا، انہیں معلوم ہوا تھا کہ حضرت عقبہؓ کسی خاص حدیث کی روایت کرتے ہیں، صرف ایک حدیث کے لئے حضرت ابو ایوبؓ نے عالم پیری میں سفر مصر کی زحمت گوارا کی، مصر پہنچکر پہلے مسلمہ بن مخلد کے مکان پر گئے، حضرت مسلمہ نے خبر پائی تو جلدی سے گھر سے باہر نکل آئے اور معانقہ کے بعد پوچھا کیسے تشریف لانا ہوا، حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا کہ مجھکو عقبہ کا مکان بتا دیجئے، مسلمہ سے رخصت ہوکر عقبہ کے مکان پر پہنچے ان سے ستر المسلم کی حدیث دریافت فرمائی اور کہا کہ اس وقت آپ کے سوا اس حدیث کا جاننے والا کوئی نہیں، حدیث سنکر اونٹ پر سوار ہوئے اور سیدھے مدینہ منورہ واپس چلے گئے[1]،

غزوہ روم کی شرکت دوسری بار غزوہ روم کی شرکت کے ارادہ سے مصر تشریف لے گئے، فتح قسطنطنیہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشارت دے گئے تھے، امرائے اسلام منتظر تھے کہ دیکھئے یہ پیشینگوئی کس جانباز کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے، شام کے دار الحکومت ہونے کے سبب سے حضرت معاویہؓ کو اس کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا، چنانچہ سنہ ۴۶ھ میں انہوں نے روم پر فوج کشی کی، یزید بن معاویہؓ اس لشکر کا سپہ سالار تھا، دیگر اصحاب کبار

---

[1] مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۳،

کی طرح حضرت ابو ایوبؓ بھی اس پر جوش فوج کے ایک سپاہی تھے، مصر و شام وغیرہ ممالک اسلام کے الگ الگ دستے تھے، مصری فوج کے سر عسکر گورنر مصر مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر جہنی تھے، ایک دستہ فضالہ بن عبید کے ماتحت تھا، ایک جماعت عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے زیر قیادت تھی، رومی بڑے سروسامان سے لڑائی کے لئے تیار ہوئے اور ایک فوج گراں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بھیجی، مسلمانوں نے بھی مقابلہ کی تیاریاں کیں، ان کی تعداد بھی دشمنوں سے کم نہ تھی، جوش کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک مسلمان رومیوں کی پوری پوری صف سے معرکہ آرا تھا، ایک صاحب کے جوش کی یہ کیفیت تھی کہ رومیوں کی صفوں کو چیر کر تنہا اندر گھس گئے، اس تہور کو دیکھ کر عام مسلمانوں نے بیک آواز کہا کہ یہ صریح آیت قرآنی لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کے خلاف ہے حضرت ابو ایوب انصاریؓ آگے بڑھے اور فوج کو مخاطب کر کے فرمایا، لوگو! تم نے اس آیہ شریفہ کے یہ معنی سمجھے؟ حالانکہ اس کا تعلق انصار کے ارادہ تجارت سے ہے، اسلام کے امن و فراخی کے بعد انصار نے یہ ارادہ کیا تھا کہ گذشتہ سالوں میں جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے ان کو جو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں ان کی تلافی کیجائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

پس ہلاکت جہاد میں نہیں، بلکہ ترک جہاد اور فراہمی مال میں ہے،

وفات اسی سفر جہاد میں عام وبا پھیلی اور مجاہدین کی بڑی تعداد اس کی نذر ہو گئی، حضرت ابو ایوبؓ بھی اس وبا میں بیمار ہوئے، یزید عیادت کے لئے گیا، اور پوچھا کہ کوئی وصیت کرنی ہو تو فرمائیے تعمیل کیجائے، آپ نے فرمایا، تم دشمن کی سرزمین میں جہاں تک جا سکو میرا جنازہ لیجا کر دفن کرنا، چنانچہ وفات کے بعد اس کی تعمیل کی گئی، تمام فوج نے ہتھیار سج کر رات کو لاش قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے دفن کی، نماز میں جس قدر مسلمان فوج

ہیں تھے سب شامل تھے، دفن کرنے کے بعد یزید نے مزار کے ساتھ کفار کی بے ادبی
کے خوف سے اس کو زمین کے برابر کرا دیا، صبح کو رومیوں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ رات
آپ لوگ کچھ مصروف سے نظر آتے تھے، بات کیا تھی؟ مسلمانوں نے کہا کہ ہمارے پیغمبر کے
ایک بڑے جلیل القدر دوست نے وفات پائی، ان کے دفن میں مشغول تھے، لیکن جہاں
ہم نے دفن کیا ہے تمھیں معلوم ہے، اگر مزار اقدس کے ساتھ کوئی گستاخی تمہاری طرف سے
روا رکھی گئی، تو یاد رکھو اسلام کی وسیع الحدود حکومت میں کہیں ناقوس نہ بج سکے گا[1]

حضرت ابوایوبؓ کا مزار دیوار قسطنطنیہ کے قریب ہے اور اب تک زیارت گاہ
خلائق ہے، رومی قحط کے زمانہ میں مزار اقدس پر جمع ہوتے تھے، اس کے وسیلہ سے
باران رحمت مانگتے تھے اور خدا کے لطف و کرم کا تماشا دیکھتے تھے[2]

فضل و کمال | حضرت ابوایوبؓ کا فضل و کمال اس قدر مسلّم تھا کہ خود صحابہ ان سے مسائل
دریافت کرتے تھے، حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، براء بن عازبؓ، انس بن مالکؓ، ابوامامہؓ
زیدؓ بن خالد جہنی، مقدامؓ بن معدی کرب، جابر بن سمرہؓ، عبداللہؓ بن یزید خطمی وغیرہ جو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلّم کے تربیت یافتہ تھے حضرت ابوایوبؓ کے فیض سے بے نیاز نہیں تھے
تابعین میں سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ، عطاء بن یسار، عطاء بن
یزید لیثی، ابوسلمہ، عبدالرحمن بن ابی لیلی، بڑے پایہ کے لوگ ہیں، تاہم وہ حضرت ابوایوبؓ
کے عام ارادتمندوں میں داخل تھے،

حضرت ابوایوبؓ کو فضل و کمال میں مرجعیت عامہ حاصل تھی، صحابۂ کرامؓ جب
کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو ان کی طرف رجوع کرتے تھے، ابن عباسؓ اور مسور بن مخرمہ

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق اول ص۵۰ و اسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوایوب انصاریؓ [2] ابن سعد ج ۳ ق ۲ ص۵۰،

میں اختلاف ہوا کہ محرم حالت جنابت میں غسل کرتے وقت سر ہاتھ سے مل سکتا ہے یا نہیں، ابن عباسؓ کا خیال تھا سر دھو سکتا ہے، مگر مسور کہتے تھے، کہ سر دھونا جائز نہیں، دونوں بزرگوں نے عبداللہ بن حنین کو حضرت ابوایوبؓ کی خدمت میں بھیجا حسن اتفاق یہ کہ وہ اس وقت غسل ہی کر رہے تھے، عبداللہ نے مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اپنا سر باہر نکال کر ملنا شروع کیا، اور فرمایا کہ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح غسل کرتے تھے،[۱]

عاصم بن سفیان ثقفی غزوۂ سلاسل میں شرکت کی غرض سے گھر سے نکلے تھے، ابھی منزل مقصود سے دور تھے کہ اختتام جنگ کی خبر آئی، انھیں نہایت افسوس ہوا، اور وہ حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں گئے، اس وقت حضرت ابوایوبؓ اور عقبہؓ بن عامر بھی موجود تھے، ان کی موجودگی میں عاصم نے حضرت ابوایوبؓ سے مسئلہ دریافت کیا، ان دونوں بزرگوں سے نہیں پوچھا، حضرت ابوایوبؓ کو یہ گوارا نہ ہوا، اس لئے انھوں نے مسئلہ کا جواب دیکر عقبہؓ سے تصدیق کرالی کہ ان کو کسی قسم کا خیال نہ پیدا ہو،[۲]

ابن اسحق (مولیٰ بنی ہاشم) اور بعض دوسرے بزرگوں میں یہ بحث تھی کہ نبیذ کس کس برتن میں بنا سکتے ہیں؟ اور قرع مابہ النزاع تھا، حضرت ابوایوبؓ انصاری کا ادھر سے گذر ہوا تو لوگوں نے ان کے پاس ایک آدمی کو تحقیق مسئلہ کے لئے روانہ کیا، حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزفت میں نبیذ بنانے کی ممانعت کی ہے، اس شخص نے قرع کا لفظ دہرایا، مگر حضرت ابوایوبؓ نے پھر یہی جواب دیا،[۳]

حضرت ابوایوبؓ کے حب علم اور نشر معارف کی انتہا یہ ہے کہ بستر مرگ پر بھی انکی زبان اشاعت حدیث کا مقدس فرض ادا کر رہی تھی، وفات سے قبل انھوں نے آنحضرت صلی اللہ

---

[۱] صحیح بخاری ص ۲۴۸ ج ۱ [۲] مسند احمد ص ۴۲۳ ج ۵، و نسائی باب فضل الوضوء [۳] مسند احمد ص ۴۱۴ ج ۵

سے وہ حدیثیں روایت کیں، جو سب سے پہلے انھوں نے چھپا رکھی تھیں لیکن ان کی رحلت کے بعد عام اعلان کے ذریعہ سے وہ لوگوں تک پہنچائی گئیں۔[۱]

اخلاق حضرت ابو ایوبؓ کے مجموعۂ اخلاق میں تین چیزیں سب سے زیادہ نمایاں تھیں، حب رسول، جوش ایمان اور حق گوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو ایوبؓ کو جو محبت تھی اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو آداب وہ ملحوظ رکھتے تھے میزبانی کے ذکر میں وہ واقعات گذر چکے ہیں۔

وفات نبویؐ کے بعد جان نثاروں کیلئے روضۂ اقدس کے سوا اور کیا شے مایۂ تسلی ہو سکتی تھی؟

ایک دفعہ حضرت ابو ایوبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہر کے پاس تشریف رکھتے تھے، اور اپنا چہرہ ضریح اقدس سے مس کر رہے تھے، اس زمانہ میں مروان مدینہ کا گورنر تھا، وہ آگیا اسکو بظاہر یہ فعل خلاف سنت نظر آیا، لیکن حضرت ابو ایوبؓ سے زیادہ مروان واقف سنت نہ تھا، اصل اعتراض کو سمجھ کر آپ نے فرمایا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، اینٹ اور پتھر کے پاس نہیں آیا۔[۲]

جوش ایمان کا تماشا تم اوپر دیکھ چکے ہو، غزوات نبویؐ میں سے کسی غزوہ کی شرکت سے وہ محروم نہ تھے، اسّی برس کی عمر میں بھی وہ مصر کی راہ سے بحر روم کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف تھے۔

حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ حکومت اور امارت کا دبدبہ و شان بھی اس سے باز نہیں رکھ سکتا تھا، ایک دفعہ مصر کے گورنر عقبہؓ بن عامر جہنی نے جو خود صحابی تھے، کسی سبب سے مغرب کی نماز میں دیر کر دی، حضرت ابو ایوبؓ نے اٹھ کر پوچھا ما ھٰذہ الصلوٰۃ یا عقبہ؟ عقبہ! یہ کیسی نماز ہے؟ حضرت عقبہؓ نے کہا ایک کام کی وجہ سے دیر ہو گئی، آپؓ نے کہا تم صاحب رسول اللہ ہو، تمھارے اس فعل سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت نماز پڑھتے تھے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۶ [۲] ایضاً ص ۴۱۴ و ۴۲۳ [۳] ایضاً ص ۴۲۲،

نے مغرب کے وقت تعجیل کی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے کسی جنگ میں چار قیدیوں کو ہاتھ پاؤں بندھوا کر قتل کرادیا، حضرت ابوایوبؓ انصاری کو خبر ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ اس قسم کے وحشیانہ قتل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، اور میں تو اس طرح مرغی کا مارنا بھی پسند نہیں کرتا۔[۱]

غزوۂ روم کے زمانہ میں جہاز میں بہت سے قیدی افسر تقسیمات کی نگرانی میں تھے، حضرت ابوایوبؓ ادھر سے گذرے تو دیکھا قیدیوں میں ایک عورت بھی ہے جو زار زار رو رہی ہے، حضرت ابوایوبؓ نے سبب پوچھا لوگوں نے کہا کہ اس کا بچہ اس سے چھین کر الگ کر دیا گیا ہے، حضرت ابوایوبؓ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر عورت کے ہاتھ میں دیدیا، افسر نے امیر سے اس کی شکایت کی، امیر نے بازپرس کی تو بولے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقۂ ستم کی ممانعت کی ہے۔[۲]

حضرت ابوایوبؓ کی حریت ضمیر کا یہ فطری تقاضا تھا، کہ جو بات اسلام کے خلاف دیکھیں اس پر لوگوں کو متنبہ کریں، چنانچہ جب وہ شام اور مصر تشریف لے گئے اور وہاں پاخانے قبلہ رخ بنے ہوئے دیکھے، تو بار بار کہا، کیا کہوں؟ یہاں پاخانے قبلہ رُخ بنے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔[۳]

حضرت ابوایوبؓ کی حیا کا یہ حال تھا کہ کنوئیں پر نہاتے تو چاروں طرف سے کپڑا تان لیتے تھے۔[۴]

---

[۱] مسند احمد ص ۴۲۲ ج ۵ [۲] ایضاً ص ۴۱۳ [۳] ایضاً ص ۴۱۴ [۴] ایضاً ص ۴۱۶ [۵] صحیح بخاری ص ۲۴ ج ۱،

حضرت انسؓ بن نضر

نام ونسب، خاندان انس نام، خاندان نجار سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے انس بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام، حضرت انس بن مالکؓ کے چچا ہیں، سلمیٰ بنت عمرو جو عبد المطلب (جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ تھیں اسی خاندان سے تھیں، اور رشتہ میں حضرت انسؓ بن نضر کی پھوپھی ہوتی تھیں، حضرت انسؓ اپنے خاندان کے رئیس تھے،

اسلام عقبۂ ثانیہ میں مشرف باسلام ہوئے،

غزوات اور وفات غزوۂ بدر میں کسی سبب سے شریک نہ ہوسکے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کی کہ یا رسول اللہ! افسوس ہے کہ آپ کے پہلے غزوہ میں موجود نہ تھا، لیکن اگر زندگی باقی ہے تو لوگ آئندہ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں!

شوال ۳ھ میں غزوۂ احد ہوا، لڑائی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے جانبازوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، صرف چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقی رہ گئے تھے، حضرت انسؓ نے میدان خالی دیکھا تو خود بڑھے، سعد بن معاذؓ سے ملاقات ہوئی تو ان سے کہا، کہاں جاتے ہو؟ جنت وہ ہے! خدا کی قسم میں احد کی طرف سے جنت کی خوشبو محسوس کرتا ہوں! یہ کہہ کر نہایت جوش میں میدان کا قصد کیا، اور بڑی پامردی سے لڑکر جان دی، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ،

حضرت انسؓ کا بدن زخموں سے بالکل چھلنی تھا، شمار کیا گیا تو اسی سے اوپر زخم نکلے،

کفار نے لاش کو مثلہ کر دیا تھا، اس لئے شناخت نہ ہو سکی، آپ کی بہن ربیع بنت نضر نے انگلی سے بھائی کی لاش کو پہچانا،

اخلاق | جوش ایمان کا شاہد خود ان کی شہادت کا واقعہ ہے، غزوۂ احد کے متعلق جو آیتیں نازل ہوئیں، ان میں حضرت انسؓ جیسے بزرگوں کی نہایت مدح کی گئی ہے، حضرت انسؓ بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے چچا (انسؓ بن نضر) کے متعلق نازل ہوئی من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر الآیۃ یعنی مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنے وعدہ میں بالکل سچے ہیں، ان میں سے بعض اپنی قرارداد کو انجام تک پہنچا چکے ہیں، اور بعض وقت کا انتظار کر رہے ہیں،

ان کی بہن ربیع بنت نضر نے انصار کی ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا تھا، اس کی قوم قصاص کی طالب ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا فیصلہ کیا تو انسؓ بن نضر نے آکر کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! ربیع کا دانت نہ توڑا جائے گا! ارشاد ہوا خدا کا یہی حکم ہے، حضرت انسؓ نے جس ذات پر اعتماد کرکے قسم کھائی تھی، اس نے یہ صورت نکالی کہ لڑکی کے ورثہ دیت پر لینے پر راضی ہوگئے، اب ربیع قصاص سے بچ گئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ جب قسم کھاتے ہیں تو خدا ان کی قسم پوری کرتا ہے[1]،

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۶۴۲

حضرت انس بن مالکؓ

نام ونسب اور ابتدائی حالات | انس نام، ابو حمزہ کنیت، خادم رسول اللہ لقب، قبیلہ نجار سے ہیں، جو انصار مدینہ کا معزز ترین خاندان تھا، نسب نامہ یہ ہے، انس بن مالکؓ بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، والدہ ماجدہ کا نام حضرت ام سلیم سہلہ بنت ملحان انصاریہ ہے، جن کا سلسلۂ نسب تین واسطوں سے حضرت انسؓ کے آبائی سلسلہ میں مل جاتا ہے، اور رشتہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوتی تھیں،

حضرت انسؓ ہجرت نبوی صلعم سے دس سال پیشتر شہر یثرب میں پیدا ہوئے، ۹ سال کا سن تھا کہ ان کی ماں نے اسلام قبول کر لیا، انکے والد بیوی سے ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا، ماں نے دوسرا نکاح ابو طلحہ سے کر لیا، جن کا شمار قبیلہ خزرج کے متمول اشخاص میں تھا، اور اپنے ساتھ حضرت انسؓ کو ابو طلحہ کے گھر لے گئیں، حضرت انسؓ نے انہی کے گھر میں پرورش پائی،

قبل اسلام عربوں کی جہالت کا یہ نقشہ تھا کہ باپ (ابو طلحہ) کی صحبت میں جب بادہ وجام کا دور چلتا تو بیٹا (انسؓ) ساقی گری کرتا، وہ پہلے دوسروں کو پلاتے اور بعد میں خود پیتے تھے اور اس دس سالہ بچے کو کوئی روکنے والا نہ تھا،[1]

---

[1] مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۱،

حضرت انسؓ کا نام ان کے چچا انسؓ بن نضر کے نام پر رکھا گیا تھا لیکن کنیت نہ تھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمائی، انسؓ ایک خاص قسم کی سبزی جس کا نام حمزہ تھا چنا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مناسبت سے انکی کنیت ابو حمزہ پسند فرمائی،

اسلام | حضرت انسؓ کا سن ۸-۹ سال کا تھا کہ مدینہ میں اسلام کی صدا بلند ہوئی، بنو نجار نے قبول اسلام میں جو پیش دستی کی تھی، اس کا اثر یہ تھا کہ اس قبیلہ کے اکثر افراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یثرب تشریف لانے سے قبل توحید رسالت کے علمبردار ہو چکے تھے، حضرت انسؓ کی والدہ (ام سلیم) نے بھی عقبہ ثانیہ سے پیشتر دین اسلام اختیار کر لیا تھا، اور جیسا کہ ابھی اوپر گذر چکا ہے کہ ان کے والد بت پرست تھے، وہ بیوی کے اسلام پر برہم ہو کر شام چلے گئے تھے، ادھر ام سلیم نے ابو طلحہ سے اس شرط پر نکاح کر لیا کہ وہ بھی مذہب اسلام قبول کریں، چنانچہ وہ مسلمان ہو چکے تھے، اور عقبہ ثانیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مکہ جا کر بیعت کی تھی، اس طرح حضرت انسؓ کا پورا گھر نور ایمان سے منور تھا، ان کی جنتی ماں (ام سلیمؓ) شمع اسلام کی پروانہ تھیں اور ان کے محترم باپ (حضرت ابو طلحہؓ) دین حنیف کے ایک پرجوش فدائی تھے، بیٹے نے انہی والدین کی آغوش محبت میں تربیت پائی اور مسلمان ہوا،

خدمت رسول | ۱۰ سال کی عمر ہوگی کہ وہ یوم مسعود آیا جس کے انتظار میں اہل یثرب نے مہینوں راتیں کاٹی تھیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یثرب تشریف لائے اور شہر یثرب کو مدینۃ النبی ہونے کا شرف عطا فرمایا، حضرت انسؓ اس وقت گو صغیر السن تھے، لیکن پرجوش تھے، جس ساعت سعید میں مدینۂ طیبہ کا افق آفتاب نبوت کی نورانی شعاعوں سے منور ہو رہا تھا حضرت انسؓ اور بہت سے کم سن لڑکے "جاء رسول اللہ، جاء رسول اللہ" کا مژدۂ جانبخش اہل یثرب کو سنا رہے تھے، اور نہایت جوش میں خوشی خوشی شہر کا گشت لگا رہے تھے،

جاءِ محمد" کی آواز کان میں آتی مڑکر دیکھتے کہ شاید کاروانِ قدس منزلِ مقصود پر خیمہ زن ہوا ہے[1]
لیکن گرد کاروان کے سوا کچھ نظر نہ آتا، اتنے میں گرد ہٹی اور نہایت شوکت وشان سے
کوکبۂ نبوت نمودار ہوا، حضرت انسؓ کی عقیدت مند نگاہ رخِ انور پر پڑی اور تصدیق قلبی
اور اقرار لسانی نے صحابیت کا ممتاز شرف بارگاہِ نبوت سے حاصل کیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اقامت فرمائی تو حضرت ابوطلحہؓ حضرت انسؓ کو
لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور درخواست کی کہ انسؓ کو اپنی غلامی میں لے لیجئے، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور حضرت انسؓ خادمانِ خاص کے زمرہ میں داخل ہوگئے،

حضرت انسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اپنے فرض کو نہایت خوبی سے
انجام دیا، وہ کم وبیش دس برس حامل نبوت کی خدمت کرتے رہے، اور ہمیشہ اس شرف پر ان کو
ناز رہا، معمول تھا کہ فجر کی نماز سے پیشتر در اقدس پر حاضر ہو جاتے اور دوپہر کو اپنے گھر واپس آتے،
دوسرے وقت پھر حاضر ہوتے اور عصر تک رہتے، نماز عصر پڑھ کر اپنے گھر کا رخ کرتے
تھے، محلہ میں ایک مسجد تھی، وہاں لوگ ان کا انتظار کرتے، جب یہ پہنچتے اس وقت
وہاں نماز ہوتی تھی،[2]

ان اوقات کے ماسوا بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل کے لیے حاضر
رہتے تھے، ایک مرتبہ حضرت انسؓ آپ کے کاموں سے فارغ ہوکر گھر روانہ ہوئے، دوپہر کا
وقت تھا، لڑکے کھیل رہے تھے، حضرت انسؓ بھی کھڑے ہوکر تماشا دیکھنے لگے، اتنے میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ادھر تشریف لائے، لڑکوں نے دور سے دیکھ کر حضرت انسؓ سے کہا کہ
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آرہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کا ہاتھ

---

[1] مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۲ [2] ایضاً ص ۲۳۲،

پکڑ کر کسی کام کے لیے بھیجدیا، اور خود ایک دیوار کے سایہ میں تشریف فرما رہے، حضرت انس واپس ہوئے تو حضورؐ نے مکان کی طرف مراجعت فرمائی، کام کی مصروفیت میں حضرت انسؓ کو دیر ہوگئی تھی، گھر گئے تو ام سلیمؓ نے پوچھا آج دیر کہاں لگائی؟ انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام سے گیا تھا، وہ بہانہ سمجھیں اور پوچھا کام کیا تھا؟ انھوں نے کہا کہ ایک پوشیدہ بات تھی، حضرت ام سلیمؓ نے کہا اس کو کسی سے نہ کہنا، چنانچہ حضرت انسؓ نے کسی پر ظاہر نہیں کیا،

ایک مرتبہ حضرت ثابتؓ سے جو ان کے تلامذۂ خاص تھے، فرمایا اگر میں کسی شخص کو اس راز سے آگاہ کرتا تو وہ تم تھے لیکن میں بیان نہ کروں گا۔[۱]

حضرت انسؓ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، سفر و حضر اور خلوت وجلوت کی ان کے لئے کوئی تخصیص نہ تھی اور نزول حجاب سے پہلے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آزادی کے ساتھ آتے جاتے تھے،

ایک دن نماز فجر سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج روزہ کا ارادہ ہے، مجھے کچھ کھلادو، حضرت انسؓ جلدی سے اٹھے اور کچھ خرمے اور پانی لے کر حاضر ہوئے، آنحضرت نے سحری کھائی اور پھر نماز فجر کے لیے تیار ہوئے،[۲]

داخلۂ خیبر کے وقت جبکہ نبوت کا جاہ وجلال فاتح کی شان وشوکت رکھتا تھا حضرت انسؓ کے قدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کو چھو گئے، جس سے ازار مبارک کھسک گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوئے مقدس کی سفیدی لوگوں کو نظر آگئی، حضورؐ نے کچھ خیال نہ فرمایا اور حضرت انسؓ کی اس خطا سے درگذر کی۔[۳]

---

[۱] مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۹ و ص ۱۹۵ [۲] ایضاً ص ۱۹۷ [۳] ایضاً ص ۱۰۲،

حضرت انسؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کام نہایت مستعدی اور تندہی سے بجالاتے، اور اپنی فرماں برداری سے حضور کو خوش رکھتے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی لیکن اس مدت میں کبھی آپ خفا نہ ہوئے، اور نہ کبھی کسی کام کی نسبت یہ فرمایا کہ اب تک کیوں نہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خاص محبت ہوگئی تھی، ان کو "بیٹا"، اور کبھی کبھی پیار میں "انیس"، کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، اکثر ان کے گھر تشریف لیجاتے، چھوہارے نوش فرماتے، کھانا موجود ہوتا تو کھانا تناول فرماتے، دوپہر کا وقت ہوتا تو آرام کرتے، نماز پڑھتے اور حضرت انسؓ کے لئے دعا فرماتے،

پہلے گذر چکا ہے، حضرت انسؓ کی ماں حضرت ام سلیمؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ میں خالہ ہوتی تھیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کا حد درجہ خیال تھا، غزوہ خیبر میں صفیہؓ اسیر ہوکر آئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا خیال ظاہر فرمایا، تو حضرت ام سلیمؓ کے پاس بھیجدیا، ام سلیمؓ نے شادی کا سامان کیا، اور حضرت صفیہؓ کو دلہن بناکر شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمۂ طہر میں پہنچایا[1]

اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے عقد کیا، تو ام سلیمؓ نے ایک لگن میں مالیدہ بناکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، آپ نے صحابہؓ کو طلب فرمایا، اور ایک مختصر سا جلسۂ دعوت ترتیب دیا،[2]

غرض ان مختلف خصوصیتوں نے حضرت انسؓ کو خاندان نبوت کا ایک ممبر بنادیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی خوش طبعی میں ان سے مزاح فرماتے تھے، ابوحمزہ انکی کنیت اسی مزاح کا نتیجہ تھی، ایک مرتبہ مزاح میں ارشاد فرمایا یاذالاذنین یعنی اے دو کان والے

---

[1] مسند احمد ج ۳ مسند انس بن مالکؓ ص ۵۲ [2] ایضاً ص ۱۶۳،

عام حالات | بارگاہ اقدس میں حضرت انسؓ کو جو قرب و اختصاص تھا، وہ تم اوپر پڑھ چکے ہو تم نے دیکھا ہوگا کہ سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں وہ کس استقلال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک صحبت رہتے تھے، یہی جوش محبت تھا جس نے میدان جنگ میں بھی آقا سے علیحدہ نہ ہونے دیا، غزوۂ بدر میں ان کی عمر کچھ نہ تھی، ۱۲ برس کا سن تھا لیکن مجاہدین اسلام کے پہلو بہ پہلو میدان جنگ میں موجود تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خدمتگذاری کا فرض بجا لا رہے تھے ان کی اس کمسنی سے لوگوں کو شرکت بدر میں اشتباہ ہوتا تھا، چنانچہ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ بدر میں موجود تھے، حضرت انسؓ نے فرمایا میں بدر سے کہاں غائب ہو سکتا تھا؟

واقعۂ بدر سے ایک سال بعد غزوۂ احد واقع ہوا اس میں بھی حضرت انسؓ بہت کم عمر تھے، ذیقعدہ ۶ھ میں حدیبیہ و بیعت الرضوان پیش آئی، اُس وقت حضرت انسؓ کا عنفوان شباب تھا یعنی ۱۶ برس کا سن تھا، اب وہ میدان جنگ میں نبرد آزمائی کے قابل ہو گئے تھے ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضا کیا، اس میں حضرت انسؓ تمام جان نثاروں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، اسی سنہ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، اس غزوہ میں حضرت انسؓ، ابو طلحہؓ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر قریب تھے کہ ان کا قدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سے مس کر رہا تھا، ۸ھ میں مکہ اور طائف میں معرکوں کا بازار گرم ہوا، اور ۱۰ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع یعنی آخری حج کیا، ان سب واقعات میں حضرت انسؓ نے شرکت کی، اور سعادت دینوی و اخروی سے بہرہ اندوز ہوئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد اگرچہ ۲۶-۲۷ تک پہنچتی ہے لیکن جن میں جنگ و قتال کی نوبت آئی ہے، وہ صرف ۹ ہیں، بدر، احد، خندق، قریظہ، مصطلق،

خیبر، مکہ، حنین، طائف، حضرت انسؓ ان سب میں موجود تھے، موسیٰ بن انسؓ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ کے پدر بزرگوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے معرکوں میں شریک تھے؟ انھوں نے کہا آٹھ میں، غالباً انھوں نے بدر کو شامل نہیں کیا جس کا سبب یہ ہے کہ بدر میں حضرت انسؓ اس عمر تک نہیں پہنچے تھے. جو جہاد کی شرکت کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے، انھوں نے حضرت انسؓ کو بحرین پر صدقات کا افسر بنانا چاہا، پہلے حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا، انھوں نے کہا کہ انسؓ بہت ہوشیار شخص ہیں، آپ نے جو خدمت ان کے لیے تجویز کی ہے، میں اس کی تائید کرتا ہوں، چنانچہ حضرت انسؓ کو بارگاہ خلافت میں طلب کیا اور بحرین کا عامل بنا کر بھیجا،

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت انسؓ کو تعلیم فقہ کے لیے ایک جماعت کے ساتھ بصرہ روانہ کیا، اس جماعت میں تقریباً دس اشخاص تھے، حضرت انسؓ نے مستقل طور سے بصرہ میں سکونت اختیار کی، اور زندگی کا بقیہ حصہ یہیں بسر کیا،

ان مشاغل کے ماسوا اس عہد کی تمام لڑائیوں میں حضرت انسؓ نے خصوصیت سے حصہ لیا ہے، فتوح عجم میں واقعہ تستر خاص اہمیت رکھتا ہے، حضرت انسؓ اس معرکہ میں پیدل فوج کے افسر اعلیٰ تھے، شہر فتح ہونے کے بعد سپہ سالار عساکر عجم جس کا نام ہرمزان تھا اور ایران کے خاندان شاہی سے تعلق رکھتا تھا، مع اپنے اہل و عیال کے قید ہوکر اسلامی سپہ سالار اعظم حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے روبرو حاضر کیا گیا حضرت ابوموسیٰ نے ہرمزان کو حضرت انسؓ کے ہمراہ بارگاہ خلافت میں روانہ کیا اور ۶۰۰ سپاہیوں کا ایک دستہ ہرمزان کی حفاظت کے لیے حضرت انسؓ کی ماتحتی میں دیا، حضرت انسؓ

مدینہ منورہ پہنچے اور اپنے مقدس وطن کی زیارت سے محبت کی آنکھیں روشن کیں،

کچھ دنوں مدینہ منورہ میں ٹھہر کر بصرہ واپس ہوئے، ذوالحجہ ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے شہادت حاصل کی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے، ان کی خلافت کا ابتدائی زمانہ نہایت پرامن تھا لیکن کچھ دنوں کے بعد حالات نے نہایت خوفناک صورت اختیار کرلی، اور فتنوں کا دروازہ دفعۃً کھل گیا، آفاق عالم سے مفسدین اٹھ کھڑے ہوئے، جابجا باغیانہ تحریکیں نشو ونما پانے لگیں، ملک کے ہر ہر گوشہ میں فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہوئی، اور شورہ پشتوں کے سیلاب نے دارالخلافت مدینہ منورہ کا رخ کیا،

لیکن اس وقت اسلامی مملکت کے مختلف حصوں میں بہت سی ایسی شخصیتیں موجود تھیں جن کو تعدّی و جور مرعوب نہیں کرسکتے تھے، چنانچہ جب امام مظلوم کی صدائے حق دارالخلافۃ کے ایک مقدس گوشہ سے بلند ہوئی تو سب سے پہلے ان حاملان صداقت نے اسے سنا اور حمایت حق پر کمر ہمت باندھ کر اٹھ کھڑے ہوئے،

سلطنت اسلامیہ کے ہر حصہ میں ان بزرگوں کا وجود تھا، بصرہ بھی جو عراق عرب کا صدر مقام تھا، ان بزرگوں سے خالی نہ تھا، چنانچہ جب بصرہ میں ان ہولناک واقعات کی خبر پہنچی، تو حضرت انس بنؓ مالک، حضرت عمران بنؓ حصین اور دوسرے بزرگوار نصرت دین اور تائید اسلام کے لیے مستعد ہوگئے اور اپنی پرجوش تقریروں سے تمام شہر میں آگ لگادی لیکن یہ امداد پہونچنے بھی نہ پائی تھی کہ خلیفۂ اسلام شہید ہوچکا تھا،

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسند خلافت کو اپنے جلوس سے زینت بخشی، خلافت کو چھ ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ ایک عظیم الشان فتنہ نے بصرہ سے سر اٹھایا، جس کی لپیٹ میں صحابہؓ بھی آگئے، بصرہ حضرت انسؓ کا مستقل قرارگاہ

تھا، اور وہاں ان کا خاص اثر تھا، لیکن انھوں نے اس فتنہ سے اپنا دامن بالکل محفوظ رکھا، دوسرے صحابۂ کرامؓ کی طرح گوشہ نشین رہے، اور اس وقت تک نہ نکلے جب تک آتش فساد سرد نہ ہو گئی،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد وہ عرصہ تک زندہ رہے، اور انقلاب زمانہ کے عجیب و غریب مناظر دیکھتے رہے، لیکن انھوں نے گوشہ خلوت کو مقدم جانا، اور شہرت کی گوناگوں دل فریبیوں پر اپنے نفس کو مائل نہ کیا،

بایں ہمہ وہ عمالِ حکومت کے دست ستم سے محفوظ نہ رہ سکے، عبد الملک بن مروان کے زمانہ خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی جو سلطنت امویہ کے مشرقی ممالک کا گورنر تھا، اور ظلم و جور میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا، جب بصرہ آیا تو حضرت انسؓ کو بلا کر نہایت سخت تنبیہ کی، اور لوگوں میں ذلیل کرنے کی غرض سے گردن پر مہر لگوا دی،

حجاج کا خیال تھا کہ حضرت انسؓ ہوا کے رخ پر چلتے ہیں، چنانچہ ان کو دیکھ کر کہا انسؓ! یہ چال بازی! کبھی مختار کا ساتھ دیتے ہو اور کبھی ابن اشعث کا، میں نے تمھارے لئے بڑی سخت سزا تجویز کی ہے، حضرت انسؓ نے نہایت تحمل سے کام لے کر پوچھا خدا امیر کو صلاحیت دے کس کے لئے سزا تجویز ہوئی ہے، حجاج نے کہا "تمھارے لئے" حضرت انسؓ خاموش ہو کر اپنے مکان واپس تشریف لائے، اور خلیفہ عبد الملک کے پاس ایک خط جس میں حجاج کی شکایت لکھی تھی، روانہ کیا، عبد الملک نے خط پڑھا تو غصہ سے بیتاب ہو گیا، اور حجاج کو ایک تہدید آمیز خط لکھا کہ حضرت انسؓ سے فوراً ان کے مکان پر جا کر معافی مانگو، ورنہ تمھارے ساتھ بہت سخت برتاؤ کیا جائیگا، حجاج مع درباریوں کے خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور معافی مانگی اور درخواست کی کہ خوشنودی کا ایک خط خلیفہ کے پاس بھیج دیجئے، چنانچہ

حضرت انسؓ نے اس کی عرضداشت منظور کی اور دمشق ایک خط روانہ کیا،

وفات عمر شریف اس وقت سو سے متجاوز ہو چکی تھی ۹۳ھ میں پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا، چند مہینوں تک بیمار رہے، شاگردوں اور عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا تھا، اور دور دور سے لوگ عبادت کو آتے تھے، جب وفات کا وقت قریب ہوا تو ثابت بنانی سے کہ تلامذۂ خاص میں تھے، فرمایا کہ میری زبان کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک رکھ دو، ثابتؒ نے حکم کی تعمیل کی، اسی حالت میں روح مطہر نے داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات کے وقت حضرت انسؓ عمر کے ۱۰۳ مرحلے طے کر چکے تھے، بصرہ میں سوائے ان کے اور کوئی صحابی زندہ نہ تھا، اور عموماً عالم اسلامی بجز ابو الطفیل رصحابۂ کرام کے وجود سے خالی ہو چکا تھا، نماز جنازہ میں اہل وعیال، تلامذہ اور احباب خاص کی معتدبہ تعداد موجود تھی، قطن بن مدرک کلابی نے نماز جنازہ پڑھائی، اور اپنے محل کے قریب موضع طف میں دفن کئے گئے،

حضرت انسؓ کی وفات سے لوگوں کو سخت صدمہ ہوا، اور واقعی رنج والم کا مقام تھا، تربیت یافتگان نبوت ایک ایک کر کے اٹھ گئے تھے، صرف دو شخص باقی تھے جن کی آنکھیں شمع نبوت کے دیدار سے روشن ہوئی تھیں، اب ان میں سے بھی ایک نے دنیائے فانی سے قطع تعلق کر لیا،

حضرت انسؓ کا انتقال ہوا تو مورق بولے افسوس! آج نصف عالم جاتا رہا، لوگوں نے کہا یہ کیونکر؟ کہا میرے پاس ایک بدعتی آیا کرتا تھا، وہ جب حدیث کی مخالفت کرتا میں اسے حضرت انسؓ کے پاس حاضر کرتا تھا، حضرت انسؓ حدیث سنا کر اس کی تشفی کرتے تھے، اب کون صحابی ہے جس کے پاس جاؤنگا،

آل و اولاد اور خانگی حالات

حضرت انسؓ کثرتِ اولاد میں تمام انصار پر فوقیت رکھتے تھے، اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھا، ایک مرتبہ آپ ان کے مکان پر تشریف لے گئے، ام سلیمؓ نے عرض کی، انسؓ کے لیے دعا فرمائیے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیر تک دعا کی، اور اخیر میں یہ فقرہ زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا،

اللھم اکثر مالہ وولدہ وادخلہ الجنۃ، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ دو باتیں پوری ہوئیں اور تیسری کا منتظر ہوں، مال کی یہ حالت تھی کہ انصار میں کوئی شخص ان کے برابر متمول نہ تھا، اولاد کی اتنی زیادتی تھی کہ خاص حضرت انسؓ کے ۸۰ لڑکے اور دو لڑکیاں (لڑکیوں کے نام حفصہ اور ام عمرو تھا) تولد ہوئیں، اور پوتوں کی تعداد اس پر مستزاد تھی، مختصر یہ کہ وفات کے وقت بیٹوں اور پوتوں کا ایک پورا کنبہ چھوڑا تھا جن کا شمار ۱۰۰ سے اوپر تھا، حضرت انسؓ کے مشہور بیٹوں اور بیٹیوں کے نام یہ ہیں، عبداللہ، عبید اللہ، زید، یحیٰ، خالد، موسیٰ، نضر، ابوبکر، براء، علاء، عمر، رملہ، امیمہ، ام حرام (نزہتہ الابرار فی الاسامی ومناقب الاخیار تالیف وجیہ الدین ابو الفضائل عمر بن عبد الحسن بن ابی بکر قلمی)، حضرت انسؓ کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی، وہ اکثر اپنے مکان پر رہتے تھے، ازدیاد الفت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا، اپنے لڑکوں کو خود تعلیم دیتے تھے، لڑکیوں کو بھی حلقۂ درس میں بیٹھنے کی اجازت تھی، ان کے کئی لڑکے فن حدیث میں شیخ اور امام کا منصب رکھتے تھے، اور طبقۂ تابعین میں خاص عظمت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، جو حضرت انسؓ کی تعلیم کا اثر تھا،

تعلیم کے ماسوا حضرت انسؓ بہت بڑے تیر انداز تھے، اپنے لڑکوں کو تیر اندازی کی بھی مشق کراتے تھے، پہلے لڑکے نشانہ لگاتے، جس میں بسا اوقات غلطی ہو جاتی تو خود حضرت انسؓ ایسا تیر جوڑ کر مارتے کہ نشانہ خالی نہ جاتا تھا، لڑکوں کو تیر اندازی کی مشق کرانا،

انصار ہیں ایام جاہلیت سے رائج تھا۔ طبری نے تاریخ کبیر میں اس کی تصریح کی ہے،

عام حالات، حلیہ اور لباس

حضرت انسؓ کا مفصل حلیہ معلوم نہیں، اس قدر معلوم ہے کہ خوبصورت اور موزوں اندام تھے، مہندی کا خضاب لگاتے تھے، ہاتھوں میں خلوق (ایک قسم کی خوشبو تھی) ملتے تھے، جس کی زردی سے چمک پیدا ہوتی تھی، انگوٹھی پہنتے تھے، صاحب اسد الغابہ نے روایت کی ہے کہ انگوٹھی کے نگینہ پر شیر کی صورت کندہ تھی، ایام پیری میں دانت ہلنے لگے تو سونے کے تاروں سے کسوائے تھے، بچپن میں ان کے گیسو تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے تو ان بالوں کو بھی ہاتھ سے مس فرمایا تھا، ایک دفعہ حضرت انسؓ نے گیسو کٹوانا چاہا تو ام سلیم نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بالوں کو چھوا ہے، ان کو نہ کٹاؤ، حضرت انسؓ کے مزاج میں نفاست اور پاکیزگی تھی اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا، اس لئے زندگی امیرانہ بسر کرتے تھے، کپڑے قیمتی پہنتے تھے، خز کا لباس اس زمانہ میں اکثر امرا پہنا کرتے تھے، حضرت انسؓ بھی خز کے کپڑے زیب تن کرتے اور اسی کا عمامہ باندھتے تھے، خوشبودار چیزوں کو پسند کرتے، مزاج میں تکلف تھا، ایک باغ نہایت اہتمام سے لگایا تھا، جو سال میں دو مرتبہ پھلتا تھا، اس میں ایک پھول تھا جو مشک کی طرح مہکتا تھا،

حضرت انسؓ نے بصرہ سے دو فرسخ باہر مقام طف میں ایک محل بنوایا تھا اور وہیں اقامت پذیر تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہر کے اندر رہنے سے باہر بود وباش رکھنا زیادہ پسند کرتے تھے، کھانا اچھا کھاتے تھے، دستر خوان پر اکثر چپاتی اور شوربہ ہوتا تھا، کبھی کبھی ترکاری بھی ڈالی جاتی تھی، لوکی کی فصل میں اکثر لوکی پڑتی تھی، جو ان کو محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے

بہت مرغوب تھی، طبیعت فیاض اور سیر چشم واقع ہوئی تھی، کھانے کے وقت شاگرد موجود ہوتے تو ان کو بھی شریک کر لیتے تھے،

صبح کو ناشتہ کرتے، اور ۳ یا ۵ یا اس سے زیادہ چھوہارے نوش فرماتے، پانی پیتے تو تین مرتبہ میں ختم کرتے،

گفتگو بہت صاف کرتے اور ہر فقرہ کو ۳ مرتبہ بولتے، کسی کے مکان پر تشریف لیجاتے تو تین مرتبہ اندر جانے کی اجازت طلب کرتے تھے[1]،

با ایں ہمہ علو مرتبت طبیعت میں انکسار و تواضع تھی، لوگوں سے نہایت بے تکلفانہ ملتے تھے، شاگردوں سے بھی چنداں تکلف نہ تھا، اکثر فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگ بیٹھے ہوتے اور حضور تشریف لاتے، لیکن ہم میں سے کوئی تعظیم کے لئے نہ اٹھتا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہم کو کون محبوب ہو سکتا تھا؟ اور اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان تکلفات کو ناپسند فرماتے تھے،

تحمل اور بردباری بھی ان میں انتہا درجہ کی تھی، وہ جس رتبہ کے شخص تھے، اسلام میں ان کا جو اعزاز تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جو مناقب بیان فرمائے تھے، حامل نبوت کی بارگاہ میں ان کو جو تقرب حاصل تھا، ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ ہر شخص ان کو محبت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، لیکن حکومت امویہ کے چند حکام و عمال ایسے متکبر اور بانخوت تھے کہ اپنے جبروت اور سطوت کے سامنے کسی کی عظمت بزرگی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، حجاج بن یوسف ان تمام متمردوں کا سرگروہ تھا، اس نے حضرت انسؓ کو ان الفاظ میں مخاطب کیا تھا، اور حضرت انسؓ نے جس حلم سے کام

---

[1] مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۸، ۱۸۰، ۲۲۱ و ۲۳۳،

لیا تھا اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اگر حضرت انس رضؓ کے بجائے کسی دوسرے شخص کے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو بصرہ میں ایک قیامت برپا ہو جاتی،

اس تحمل کے ساتھ عظمت وجلال کا یہ عالم تھا کہ ان کے صرف ایک خط پر خلیفہ عبد الملک اموی نے حجاج بن یوسف ثقفی جیسے با اختیار امیر کو جو محض سلطنت کا رعب و دبدبہ قائم کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا ایسا عتاب آمیز خط لکھا کہ خواص تو کجا ایک عام آدمی بھی اپنے لئے وہ الفاظ سننا گوارا نہ کریگا، اور جس کا یہ انجام ہوا کہ حجاج کو حضرت انسؓ سے معذرت کرنی پڑی،

شجاعت وبسالت کا کافی حصہ پایا تھا، بچپن میں اس قدر تیز دوڑتے تھے کہ ایک مرتبہ مرالظہران میں خرگوش کو دوڑ کر پکڑ لیا تھا، حالانکہ ان کے تمام ہمعمر ناکام واپس آئے تھے، بڑے ہوئے تو فنون سپہگری میں کمال حاصل کیا، وہ بڑے بڑے شہسوار تھے، تیراندازی میں ان کو خاص ملکہ تھا اور گھوڑ دوڑ میں بہت دلچسپی لیتے تھے،

صحابہ میں ارباب روایت تو سیکڑوں ہیں، لیکن ان میں ایک مخصوص جماعت ان لوگوں کی ہے جو روایات میں صاحب اصول تھے، حضرت انسؓ بھی انہی لوگوں میں تھے، چنانچہ ان کے روایات کے استقصا سے حسب ذیل اصول مستنبط ہوتے ہیں،

(۱) روایات کے بیان کرنے میں نہایت احتیاط کی مسند احمد بن حنبل میں ہے،

"کان انسؓ بن مالک اذا حدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا ففرغ منہ قال او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"، یعنی حضرت انسؓ حدیث بیان کرتے وقت گھبرا جاتے تھے، اور اخیر میں کہتے تھے کہ اس طرح یا جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا،

۲- جن حدیثوں کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی تھی ان کو نہیں بیان کیا،

(۳) جو حدیث صحابہ سے سنی تھی اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سنی تھی، اس میں امتیاز قائم کیا۔

حضرت انسؓ نے علم حدیث کی کیا خدمت کی، کیونکر تعلیم حاصل کی، شاگردوں تک کس طرح اس فن شریف کو پہنچایا، اور ان کی مروی روایات کی تعداد کیا ہے؟ اس کا جواب آیندہ سطور میں ملے گا،

کسی علم کی سب سے بڑی خدمت اس کی اشاعت اور تعلیم ہوتی ہے حضرت انسؓ اس باب میں اکثر صحابہ میں پیش پیش ہیں، انھوں نے اس مستعدی اور اہتمام سے نشر حدیث کی خدمت ادا کی ہے، جس سے زیادہ مشکل ہے، اور انھوں نے تمام عمر اس دائرہ (تعلیم حدیث) سے قدم باہر نہ نکالا جس زمانہ میں تمام صحابہ میدان جنگ میں مصروف جہاد تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خادم جامع بصرہ میں دنیا سے الگ قال رسول اللہ کا نغمہ خلائق کو سنا رہا تھا،

توسیع علم کا حال شاگردوں کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے، حضرت انسؓ کے حلقۂ درس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ اور شام کے طلبہ شامل تھے، جس طرح ظاہری اور صلبی اولاد کی کثرت کے لحاظ سے وہ خوش قسمت تھے، اسی طرح معنوی اولاد کی بہتات میں ان کا پلہ بہت بھاری تھا،

حضرت انسؓ مکثرین صحابہ میں سے ہیں یعنی ان کی روایات کا شمار ہزاروں تک ہے، صحیح بخاری میں ان سے ۸۰ حدیثیں منقول ہیں، صحیح مسلم میں ۷۰ اور متفق علیہ روایات کی تعداد (۱۲۸) ہے۔

حضرت انسؓ نے ابتداءً خود حامل وحیؐ سے اکتساب کیا، آپ کے بعد جن صحابۂ کرام کے دامن فیض سے وابستہ رہے، ان کے نام نامی یہ ہیں، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف، حضرت ابن مسعودؓ،

حضرت ابوذرؓ، حضرت ابو طلحہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت ثابت بن قیسؓ بن شماس، حضرت مالک بن صعصعہؓ، حضرت ام سلیمؓ (والدہ حضرت انسؓ) حضرت ام حرامؓ (خالہ حضرت انسؓ) حضرت ام الفضلؓ (زوجہ حضرت عباس (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت انسؓ کے دائرۂ تلمذ میں اگرچہ ایک جہان داخل تھا، لیکن وہ بزرگ جو امام فن ہوکر نکلے اور آسمان حدیث کے مہر وماہ ثابت ہوئے ان کے نام نامی درج ذیل ہیں،

حسن بصری، سلیمان تیمی، ابو قلابہ، اسحٰق بن ابی طلحہ، ابوبکر بن عبداللہ مزنی، قتادہ، ثابت بنانی، حمید الطویل، ثمامہ بن عبداللہ (حضرت انسؓ کے پوتے ہیں) جعد، ابو عثمان، محمد بن سیرین انصاری، انس بن سیرین، زہری، یحییٰ بن سعید انصاری، ربیعۃ الرائے، سعید بن جبیر، و سلمہ بن وردان (رحمہم اللہ تعالیٰ)

فقہ علم حدیث کی طرح علم فقہ میں بھی حضرت انسؓ کو کمال حاصل تھا، فقہائے صحابہؓ کے تین طبقے ہیں، حضرت انسؓ کا شمار دوسرے طبقہ میں ہے، جن کے اجتہادات و فتاویٰ اگر ترتیب دیئے جائیں تو ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے،

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت انسؓ کو ایک جماعت کے ساتھ فقہ سکھانے کے لئے بصرہ روانہ کیا تھا اس سے زیادہ ان کی فقہ دانی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے

صحابہ کے زمانہ میں تعلیم کا طریقہ عموماً حلقۂ درس تک محدود تھا، حضرت انسؓ بھی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے، اثنائے درس میں کوئی شخص سوال کرتا، اس کو جواب سے سرفراز فرماتے تھے، اس قسم کے سوال و جواب کا ایک مجموعہ ہے، جس کا استقصار طوالت سے خالی نہیں، یہاں چند مسائل درج کئے جاتے ہیں، جن سے حضرت انسؓ کے طرز اجتہاد، جودت فہم

وقت نظر اور اصابت رائے کا اندازہ ہو گا،

باب الاشربہ، یہ مسئلہ کہ بنید مخصوص برتنوں میں پینا مکروہ ہے، صحابہؓ میں عموماً متفق علیہ تھا حضرت انسؓ نے اس کو جس قدر وضاحت اور صفائی سے بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے اس میں انھوں نے ان وجوہ واسباب کی طرف اشارہ کیا ہے، جن کے سبب سے ان برتنوں میں بنید پینے کی مخالفت آئی ہے،

قتادہ نے دریافت کیا کہ گھڑے میں بنید بنا سکتے ہیں؟ حضرت انسؓ نے کہا اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں فرمائی، تاہم میں مکروہ سمجھتا ہوں، یہ استدلال اس بنا پر ہے کہ جس چیز کی حلت و حرمت میں اشتباہ ہو، اس میں حرمت کا پہلو غالب ہو گا،

ایک مرتبہ مختار بن فلفل نے پوچھا کن ظروف میں بنید نہ پینا چاہیے؟ فرمایا مزفت میں کیونکہ ہر مسکر چیز حرام ہے، مختار نے کہا شیشہ یا رانگے کے برتنوں میں پی سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں، پھر پوچھا لوگ تو مکروہ سمجھتے ہیں، فرمایا جس چیز میں شک ہو اسے چھوڑ دو، پھر استفسار کیا کہ نشہ لانے والی چیز تو حرام ہے لیکن ایک دو گھونٹ پینے میں کیا حرج ہے؟ حضرت انسؓ نے کہا جس کا زیادہ حصہ موجب سکر ہو، اس کا قلیل حصہ بھی حرام ہے، دیکھو! انگور، خرمے گیہوں، جو وغیرہ سے شراب تیار ہوتی ہے، ان میں سے جس چیز میں نشہ پیدا ہو جائے، وہ شراب ہو جاتی ہے،

حضرت انسؓ نے اس مسئلہ کو اگرچہ نہایت خوبی سے بیان کیا ہے لیکن اس کی مزید تشریح کی ضرورت ہے، شارع علیہ السلام نے کتاب الاشربہ کے متعلق جو احکام ارشاد فرمائے ہیں، اور جو اس باب کے قواعد اصول کہے جا سکتے ہیں، یہ ہیں (۱) کل شراب اسکر

فھو حرام (صحیحین عن عائشہ)، (۲) کل مسکر خمر و کل خمر حرام (صحیح مسلم عن ابن عمرؓ) (۳) ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام (سنن ابن عمرؓ) ان میں سے پہلے کا مفہوم یہ ہے کہ جس پینے والی چیز میں نشہ آجائے حرام ہے، دوسرے میں یہ بیان ہے کہ ہر نشئی چیز شراب ہوتی ہے، اور ہر قسم کی شراب حرام ہے جس کا نتیجہ یہ متفرع ہوتا ہے کہ ہر نشئی چیز حرام ہے، تیسرے کلیہ کا یہ منشا ہے کہ جو زیادہ پینے کی صورت میں نشہ پیدا کرے، اس کا خفیف حصہ بھی پینا حرام ہے، حضرت انسؓ نے انہی باتوں کا اپنے جواب میں ذکر کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ سوالات کی بے ترتیبی سے جواب غیر مرتب ہو گیا ہے،

اب رہا یہ سوال کہ چند مخصوص برتنوں میں نبیذ پینے کی ممانعت کیوں آئی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ عرب میں شراب رکھنے یا بنانے کے لئے وہ نفیس اور خوبصورت شیشہ کے برتن جو آج یورپ نے ایجاد کئے ہیں موجود نہ تھے، وہاں عام طور پر کدو کی تونبی صراحی و سبو کا کام دیتی تھی، یا اور اسی نوع کے چند برتن تھے جو قدرتی پھلوں کو خشک اور صاف کرکے بادہ نوشی کے لئے مخصوص کر لئے جاتے تھے، ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں شراب رکھنے سے اس کا اثر برتن میں پہونچتا ہوگا اور دھونے کے بعد بھی زائل نہ ہوتا ہوگا، یہی راز ہے کہ اوائل اسلام میں جب شراب حرام ہوئی تو ان برتنوں کا استعمال بھی ناجائز کر دیا گیا، اور گو بعد میں اس قسم کے برتنوں کا جن میں شراب نہ رکھی گئی ہو استعمال جائز قرار دیا جا سکتا تھا لیکن پہلی صدی ہجری کا پرجوش مسلمان یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ ان برتنوں کے استعمال سے شراب نوشی کی یاد کو عہد اسلام میں از سر نو تازہ کرے،

ایک شخص نے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے؟ فرمایا ہاں! جوتے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ پاک ہو اور نجاست آلودہ نہ ہو اگر

کوئی شخص نیا جوتہ پہن کر نماز پڑھے تو کچھ ہرج نہیں)

یحییٰ بن یزید ہنائی نے دریافت کیا کہ نماز میں قصر کب کرنا چاہیئے؟ فرمایا کہ میں جب کوفہ جاتا تھا، قصر کرتا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ میل یا ۳ فرسخ کا راستہ طے کر کے قصر کیا تھا، (اس کا یہ مطلب نہیں کہ ۳ میل سفر کرنے سے قصر واجب ہو جاتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کے ارادہ سے تشریف لے گئے تھے، راستہ میں جس مقام پر سب سے پہلے نزول اجلال ہوا وہ ذوالحلیفہ تھا جو صحیح روایت کی بنا پر مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اور چونکہ حدود سفر میں داخل تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر نماز پڑھی)

مختار بن فلفل نے پوچھا کہ مریض کس طرح نماز پڑھے، حضرت انسؓ نے کہا بیٹھ کر پڑھے،

عبدالرحمن بن وردانؒ معہ دیگر اہالیان (مدینہ) حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت انسؓ نے پوچھا نماز عصر پڑھ چکے ہو کہا جی ہاں، پھر لوگوں نے استفسار کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز کس وقت پڑھتے تھے؟ فرمایا آفتاب خوب روشن اور بلند رہتا تھا

حضرت انسؓ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی جنازہ مرد کا تھا، اس لئے میت کے سرھانے کھڑے ہوئے، اس کے بعد دوسرا جنازہ عورت کا لایا گیا، حضرت انسؓ نے کمر کے سیدھ پر کھڑے ہو کر اس کی نماز پڑھائی، علاء بن زیاد عدوی بھی نماز میں شریک تھے اس اختلاف قیام کا سبب پوچھا، حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے؛ علاء مجمع کی جانب مخاطب ہوئے اور کہا کہ اس کو یاد رکھنا،

ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت عمرؓ نے رکوع کرنے کے بعد قنوت پڑھا ہے؟ فرمایا ہاں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہے، (لیکن یہ حضرت انسؓ کا ذاتی اجتہاد

ہے، ورنہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عموماً صحابۂ کرامؓ وتابعینؒ رکوع کرنے کے قبل قنوت پڑھا کرتے تھے، امام شافعیؒ اس مسئلہ میں حضرت انسؓ کے پیرو ہیں اور انھوں نے اس کے ثبوت میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ بھی رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے لیکن یہ حدیث قطع نظر اس کے کہ منقطع ہے بیہقیؒ امام شافعیؒ نے حکایۃً بیان کی ہے اور اپنی سند ہشیم تک چھوڑ دی ہے اور اُبھی ضعیف ہے، اس کے راویوں میں ہشیم اور عطار کا نام بھی شامل ہے اور ان دونوں کی ائمہ فن حدیث نے تضعیف کی ہے،

اس کے علاوہ ابن منذر نے الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت انسؓ اور فلاں فلاں صحابہؓ سے مجھکو جو روایتیں پہونچی ہیں، سب میں رکوع سے قبل قنوت پڑھنے کا تذکرہ ہے اور یہی صحیح بھی ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے جو روایت آتی ہے، اس میں اس کی صاف تصریح ہے، عاصم نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ قنوت قبل رکوع پڑھنا چاہیے یا بعد رکوع؟ انھوں نے کہا قبل رکوع، عاصم نے کہا لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد رکوع پڑھتے تھے، حضرت انسؓ نے کہا وہ ایک وقتی واقعہ تھا، چند قبائل نے مرتد ہو کر بہت سے صحابہ کو قتل کر دیا تھا، اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھ کر ان کے لئے بد دعا کی تھی[1]

تم نے دیکھا کہ ان مسائل میں حضرت انسؓ کس قدر صائب الرائے ہیں، ان کے اجتہادی مسائل کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر صحابہؓ کے اجتہاد کے موافق ہیں اور اس لئے

---

[1] ان مسائل کے لئے دیکھو مسند احمد ج ۳ صفحات ۱۰۰، ۱۱۲، ۱۱۸، ۱۲۶، ۱۲۹، ۲۰۴، ۲۰۹، ۲۷۰ وعمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۱۹ ۲ و ۲۶ ۳ ج ۳ و جوہر النقی فی الرد علی البیہقی ص ۲۱۳ ج اول،

قطعاً صحیح ہیں۔

اخلاق: حضرت انسؓ کے گلدستۂ اخلاق میں چار پھول نہایت نازک، لطیف اور شگفتہ ہیں جن گلدستہ کی خوبصورتی کا تمام تر انحصار ہے۔ حبِّ رسول، اتباعِ سنت، امر بالمعروف، حق گوئی یہ حضرت انسؓ کے خاص اوصاف ہیں، حبِّ رسول کا نقشہ تم اوپر دیکھ چکے ہو، جس زمانہ میں وہ دس برس کے نابالغ اور ناسمجھ بچے تھے، جوشِ محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر صبح اٹھ کر کاشانۂ نبوت کی زیارت سے آنکھوں کو مشرف کرتے تھے، آپ نے شب کی تاریکی میں ام سلیمؓ کا کمسن بچہ بسترِ راحت سے اٹھتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان وضو مہیا کرنے کیلئے مسجد نبوی کا راستہ لیتا تھا، ایام شباب میں ان کی محبت کی کوئی حد نہ تھی، وہ شمع نبوت پر پروانہ وار شیفتہ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ کرم حضرت انسؓ کے لئے باعث صد طمانیت وتسلی تھی اور آقائے نامدار کی ایک آواز ان کے قالب عقیدت میں نئی روح پھونکنے کا سبب بنجاتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اگرچہ ظاہری آنکھیں دیدار محبوب کو ترس گئی تھیں لیکن محبت کی معنوی آنکھوں پر باب فیض اب تک بند نہ ہوا تھا، چنانچہ کشتۂ عشق نبوت اکثر خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا تھا، اور صبح کو واقعاتِ شبینہ کی یاد تازہ کرکے گریہ وزاری کا ایک طوفان بپا کرتا تھا، عاشق صادق کے تڑپانے اور تلملانے کے لئے محبوب کی ایک ایک چیز نشتر کا کام کرتی ہے، حضرت انسؓ بن مالک کا بعینہ یہی حال تھا وہ محبوب دوعالم کا ذکر کرتے تھے، اور فرط محبت سے بیقرار ہوجاتے تھے، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک بیان کررہے تھے، آپ کا ایک ایک خال وخط زبانِ مدح میں نباتِ محبت گھول رہا تھا، الفاظ جدا ہورہے تھے اسی عالم میں شوق زیارت کا زبردست جذبہ ظہور پذیر ہوا، حرمان نصیبی اور برگشتہ بختی نے وہ ایام سعید یاد دلائے جب

ہادیٔ برحق عالم بادی کے گلی کوچے میں پھرا کرتا، اور حضرت انسؓ اُس کے شرف غلامی پر ناز
کیا کرتے تھے، دفعۃً حالت میں ایک تغیر پیدا ہوا، اور زبان سے بے اختیارانہ یہ جملہ
نکلا کہ قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ہوگا تو عرض کروں گا کہ حضورؐ
کا ادنیٰ غلام انس حاضر ہے،

حضرت انسؓ کی ہر مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے لبریز ہوتی تھی، وہ
عہد نبوت کے واقعات اپنے تلامذہ کے گوش گذار کیا کرتے تھے، اثنائے ذکر میں دل میں
ایک ٹیس اٹھتی جس سے حضرت انسؓ بے چین ہو جاتے تھے، لیکن یہ وہ درد تھا جس کا علاج
طبیبوں کے اختیار سے باہر تھا، ناچار ہو کر گھر میں تشریف لیجاتے اور حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے تبرکات نکال لاتے، ان ظاہری یادگاروں کو دیکھ کر دل کو تسکین دیتے اور جمعیت
خاطر کا سامان بہم پہنچاتے،

حضرت انسؓ کا جوش محبت اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اس سے تمام مجلس متاثر تھی، ان کے
تلامذہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو خاص محبت پیدا ہو گئی تھی، وہ حضرت انسؓ ہی
کے ولولۂ محبت کا کرشمہ تھا، ثابت حضرت انسؓ کے شاگرد رشید تھے، وہ بالکل اپنے
استاد کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ہمیشہ عہد نبوت کی نسبت سوال کرتے، ایک دفعہ
حضرت انسؓ سے پوچھا آپ نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک چھوا تھا؟ حضرت
انسؓ نے کہا ہاں، ثابت کے دل میں سوز محبت نے بیقراری پیدا کر دی، حضرت انسؓ سے
کہا کہ اپنا ہاتھ بڑھائیے میں چوموں گا،

حب رسول کے بعد اتباع سنت کا درجہ ہے، محب صادق کی یہ شناخت ہے جو چیز اس کے
محبوب کے مرغوب خاطر ہو خود بھی اس کو پسند کرے، حضرت انسؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات ستودہ صفات سے جو عشق تھا اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ وہ آپؐ کے اقوال و افعال کی پوری طور سے تقلید کریں، چنانچہ حضرت انسؓ کی زندگی مطہر کے متعدد واقعات اس پر روشنی ڈالتے ہیں،

اسلام کا سب سے بڑا رکن کلمہ توحید کے بعد نماز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس خضوع و خشوع اور جن آداب کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے، صحابہ کوشش کرتے تھے کہ خود بھی اسی طریق پر کاربند ہوں، چنانچہ متعدد صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے ملتی جلتی نماز پڑھتے لیکن حضرت انسؓ نے آپ کے طرز و طریقہ سے جو مشابہت اختیار کی تھی، وہ ایک چراغ ہدایت تھا، جو نبوت کے قلب مبارک سے حضرت انسؓ کے قلب مصفا میں روشن ہوا تھا، حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت انسؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ میں نے ابن ام سلیم (انسؓ) سے بڑھ کر کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا،

نماز کے ماسوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول اور ہر فعل صحابہؓ کی نگاہ میں تھا، حضرت انسؓ نے دس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انجام دی تھی، اور ہمیشہ ساتھ رہے تھے، ایسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل ایسا نہ تھا، جو حضرت انسؓ سے مخفی رہ سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے، یا اپنے طریق عمل سے کسی امر کو ثابت کرتے تو حضرت انسؓ اس کو اپنے حافظہ کے سپرد کر دیتے تھے، جب اس قسم کی کوئی صورت پیش آتی تو قوت حافظہ سے اپنی امانت طلب کرتے اور اس پر اس کو منطبق کرتے تھے، خلیفہ دمشق نے حضرت انسؓ کو شام میں طلب کیا تھا، وہاں سے واپسی کے وقت عین التمر میں قیام کرنا چاہا، شاگردوں اور جان نثاروں کو آمد آمد کی خبر پہلے سے معلوم ہو چکی تھی اور وہ لوگ عین التمر میں موجود تھے، آبادی سے باہر ایک میدان پڑتا ہے حضرت انسؓ کا اونٹ اسی طرف سے

آرہا تھا، نماز کا وقت تھا، اور حضرت انسؓ چوپایہ کی پیٹھ پر خالق دو جہاں کی حمد و ستائش کر رہے تھے، لیکن اونٹ قبلہ رُخ نہ تھا تلامذہ نے تو استعجاب کے لہجہ میں پوچھا کہ آپ کس طرح نماز پڑھ رہے تھے، حضرت انسؓ نے فرمایا اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز پڑھتے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی نہ پڑھتا،

ابراہیم بن ربیعہؓ، حضرت انسؓ کے حضور میں آئے، نماز کا وقت تھا، حضرت انسؓ ایک کپڑا باندھے اور اسی کو اوڑھے یادِ الٰہی میں مصروف تھے، اور ایک چادر پاس رکھی ہوئی تھی، نماز سے فارغ ہوئے تو ابراہیم نے پوچھا آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں؟ حضرت انسؓ نے فرمایا ہاں، میں نے اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا، (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات اقدس میں سب سے آخیر نماز، جو حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے پڑھی تھی، ایک کپڑے میں ادا فرمائی تھی، دیکھو مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر نقش حضرت انسؓ کے لئے چراغ ہدایت تھا، وہ اسی کی روشنی میں شاہراہ عمل پر قدم رکھتے تھے، فرائض سے اتر کر واجبات و سنن میں بھی آپ کا اسوہ پیش نظر رہتا تھا، قربانی ہر صاحب استطاعت پر ضروری ہے حضرت انسؓ رئیس اعظم تھے، جس قدر جانور چاہتے ذبح کر سکتے تھے، لیکن خیر القرون میں متابعت رسولؐ کا درجہ، نام و نمود سے بالاتر تھا، وہاں قربانی شہرت کے لئے نہیں بلکہ ثواب کیلئے ہوتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جانور قربانی کئے تھے، اس لئے حضرت انسؓ بھی دو ہی کرتے تھے،

حضرت انسؓ کے بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر لڑکوں کی طرف ہوا تھا، تو آپ نے ان سے السلام علیکم فرمایا تھا اس لئے حضرت انسؓ ضعف پیری میں بھی بچوں سے

سلام میں سبقت کرتے تھے،

اظہار حق گوئی اور حق پسندی حضرت انسؓ کے نمایاں اوصاف ہیں، خلافت شیخین کے بعد ایسے نوجوان جو اسلامی تعلیم سے بے گانہ تھے حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر مقرر ہوئے، اس لئے بیشتر اوقات ان سے ایسے افعال سرزد ہوجاتے تھے جو قرآن و حدیث کے بالکل خلاف تھے، اصحاب رسولؐ نے جنھوں نے اپنی جان بیچ کر اسلام کا سودا کیا تھا، اس طرز کو گوارا نہ کرسکتے تھے، اور ان کے جوش ایمانی میں ایک ہیجان پیدا ہوتا تھا، اور وہ بلا لومۃ لائم اظہار حق پر آمادہ ہوجاتے تھے، حضرت انسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمانہ دراز تک بقید حیات رہے بڑے بڑے جبار اور قہار امراء سے ان کو سابقہ پڑا جو بالاعلان احکام شریعت کی خلاف ورزی کرتے تھے، حضرت انسؓ سنت نبویؐ کو پامال دیکھ کر آپے سے باہر ہوجاتے تھے، اور مجمع عام میں ایسے امراء کو تنبیہ کرتے تھے،

عبید اللہ بن زیاد یزید کی طرف سے عراق کا گورنر تھا حضرت امام حسینؓ کے سر مبارک کو طشت میں رکھوا کر اپنے سامنے منگایا، اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی اس کو آنکھ پر مار کر آپ کے حسن کی نسبت نا ملائم الفاظ استعمال کئے، حضرت انسؓ سے نہ دیکھا گیا، غصہ سے بیتاب ہو کر فرمایا یہ چہرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے مشابہ ہے"

مشہور جفا کار حجاج بن یوسف ثقفی اپنے بیٹے کو بصرہ کا قاضی بنانا چاہتا تھا، حدیث شریف میں قضا یا امارت کی خواہش کرنے کی ممانعت آئی ہے، حضرت انسؓ کو خبر ہوتی تو فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع کیا ہے،

حکم بن ایوب حکومت امویہ کا ایک امیر تھا، اسکی سفاکی انسانوں سے متجاوز کرکے حیوانوں تک پہنچی تھی، ایک دفعہ حضرت انسؓ اس کے مکان پر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک مرغی

کے پاؤں باندھکر لوگ نشانہ لگا رہے ہیں، جب تیر لگتا تو بے اختیار پھڑ پھڑاتی، یہ دیکھ کر حضرت انس رضؓ برہم ہوئے اور لوگوں کو اس حرکت پر تنبیہ کی۔[1]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ ایام شہزادگی میں دولت امیہ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر تھے، اور چونکہ خاندان شاہی میں پرورش پائی تھی، اس لئے رموز ملت میں دخل نہ تھا لیکن رواج زمانہ کے موافق نماز خود پڑھاتے تھے، اور اس میں بعض غلطیاں ہو جاتی تھیں، حضرت انس رضؓ ہمیشہ ان کو ٹوکتے تھے، بار بار ٹوکنے پر انھوں نے حضرت انس رضؓ سے کہا کہ آپ میری کیوں مخالفت کرتے ہیں؟ حضرت انس رضؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح نماز پڑھتے دیکھا ہے، اگر آپ اسی طرح پڑھائیں تو میری عین خوشی ہے، ورنہ آپ کے ساتھ نماز نہ پڑھونگا، عمر بن عبدالعزیز رضؓ کی طبیعت صلاحیت پذیر واقع ہوئی تھی، ان جملوں نے خاص اثر کیا، اور اسرار دین سیکھنے کی طرف توجہ صرف کی، حضرت انس رضؓ سے زیادہ اس کام کیلئے اور کون موزوں ہو سکتا تھا، چنانچہ کچھ دنوں ان کی صحبت و تعلم کے اثر سے ایسی معتدل نماز پڑھانے لگے کہ ان کے قعدہ و قیام کی موزونیت دیکھ کر حضرت انس رضؓ کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ اس لڑکے سے زیادہ کسی شخص کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز سے مشابہ نہیں ہے!

وہ کسی موقع پر بھی تعلیم دین و تبلیغ سنت سے غافل نہ رہتے تھے، ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک اموی نے حضرت انس رضؓ اور بعض انصار کو جن کی تعداد ۴۰ کے قریب تھی دمشق بلایا، وہاں سے واپسی کے وقت فج الناقہ پہونچ کر عصر کا وقت آیا، چونکہ سفر ابھی ختم نہ ہوا تھا، اس لئے حضرت انس رضؓ نے دو رکعت نماز پڑھائی، اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے، باقی تمام آدمیوں نے دو اور بڑھا کر چار رکعتیں پوری کیں، حضرت انس رضؓ کو معلوم ہوا تو

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۱،

تو رعایت برہم ہوئے اور فرمایا کہ جبیب خدا نے اس کی اجازت دی ہے تو لوگ اس رعایت سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک زمانہ میں لوگ دین میں بال کی کھال نکالیں گے اور تعمق سے کام لیں گے، لیکن حقیقت میں وہ بالکل کورے رہیں گے،

ایک مرتبہ کچھ لوگ نماز ظہر پڑھ کر حضرت انسؓ کی ملاقات کو گئے۔ انھوں نے کنیز سے وضو کے لئے پانی مانگا، لوگوں نے کہا کس وقت کی نماز کی تیاری ہے؟ فرمایا عصر کی، حاضرین میں سے ایک شخص بولا کہ ہم تو ابھی ظہر پڑھ کر آرہے ہیں، امرا کی سہل انگاری اور عوام کی غفلت دینی دیکھ کر حضرت انسؓ کو سخت غصہ آیا اور ان سے خطاب کرکے فرمایا، وہ منافق کی نماز ہوتی ہے کہ آدمی بیکار بیٹھا رہتا ہے، نماز کے لئے نہیں اٹھتا، جب آفتاب غروب ہونے کے قریب آتا ہے تو جلدی سے اٹھ کر مرغ کی طرح چار چونچیں مار لیتا ہے جس میں یاد الٰہی کا بہت تھوڑا حصہ ہوتا ہے،

امر بالمعروف

حق گوئی کے بعد گو اس سے متصل امر بالمعروف کا رتبہ ہے، قرآن مجید میں جہاں پیروان دین حنیف کی مدح سرائی کی گئی ہے؟ امر بالمعروف کو امت اسلامیہ کے خیر الامم ہونے پر سب سے پہلے بطور استشہاد پیش کیا ہے، حضرت انسؓ میں یہ وصف خاص طور پر پایا جاتا تھا،

عبید اللہ بن زیاد کی مجلس میں ایک مرتبہ حوض کوثر کا ذکر آیا اس نے اس کے وجود کی نسبت شک ظاہر کیا، حضرت انسؓ کو اس کی خبر ہوئی تو لوگوں سے فرمایا کہ اسے میں جاکر سمجھاؤنگا، اور عبید اللہ کے ایوان امارت میں جاکر فرمایا تمھارے ہاں حوض کوثر کا ذکر ہوا تھا اس نے کہا جی ہاں، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کچھ فرمایا ہے

حضرت انسؓ نے حوض کوثر کے متعلق حدیث پڑھی اور مکان واپس تشریف لائے۔

ایک انصاری سردار کے متعلق مصعب بن زبیرؓ کو کچھ اطلاع ملی، دغابازی سازش کی خبر، اس نے انصاری کو اس جرم میں ماخوذ کرنا چاہا، لوگوں نے حضرت انسؓ کو خبر کی، وہ سیدھے دارالامارت پہنچے، امیر تخت پر بیٹھا تھا، حضرت انسؓ نے اس کے سامنے جا کر یہ حدیث سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے امراء کو یہ وصیت کی ہے کہ ان کے ساتھ خاص رعایت کیجائے، ان کے اچھوں سے سلوک کا اور بروں سے درگذر کا برتاؤ کرنا چاہیئے، اس حدیث کا مصعب پر اس قدر اثر ہوا کہ تخت سے اتر گیا اور فرش پر اپنا رخسار رکھ کر کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سر آنکھوں پر، میں ان کو چھوڑتا ہوں۔

حضرت اُبی بن کعبؓ

نام و نسب اور ابتدائی حالات	ابی نام، ابو المنذر و ابو الطفیل کینت، سید القراء، سید الانصار، اور سید المرسلین القاب ہیں، قبیلہ نجار (خزرج) کے خاندان معاویہ سے تھے،

جو بنی حدیلہ کے نام سے مشہور تھا (حدیلہ معاویہ کی ماں کا نام تھا جو جشم بن خزرج کی اولاد میں تھی) سلسلۂ نسب یہ ہے

اُبی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار،[1] والدہ کا نام صہیلہ تھا، جو عدی بن نجار کے سلسلہ سے تعلق رکھتی تھیں، اور حضرت ابو طلحہؓ انصاری کی حقیقی پھوپھی تھیں، اس بنا پر حضرت ابو طلحہؓ اور حضرت اُبیؓ پھوپھی زاد بھائی تھے،

حضرت اُبیؓ کی دو کنیتیں تھیں ابو المنذر اور ابو الطفیل، پہلی کنیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی، اور دوسری حضرت عمرؓ نے ان کے بیٹے طفیل کے نام کی مناسبت سے پسند فرمائی،

حضرت اُبیؓ کے ابتدائی حالات بہت کم معلوم ہیں، حضرت انس بن مالکؓ کی زبانی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے مے نوشی اُبی بن کعبؓ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی اور حضرت ابو طلحہؓ نے ندیموں کا جو حلقہ قائم کیا تھا، حضرت اُبی بن کعبؓ اسکے ایک ضروری رکن تھے

اسلام	مدینہ میں یہود کا کافی مذہبی اقتدار تھا، غالباً وہ اسلام سے پہلے توراۃ پڑھ چکے تھے

---

[1] مسند احمد ص ۱۲۳ ج ۵،

اسی مذہبی واقفیت نے ان کو اسلام کی آواز کی طرف متوجہ کیا ہوگا، چنانچہ مدینہ کے جن انصار نے دوسری بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر عقبہ میں بیعت کی تھی، ان میں حضرت ابی بھی تھے، اور یہی ان کے اسلام کی تاریخ ہے۔

مواخاۃ | ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں برادری و مواخاۃ قائم ہوئی تھی، اس میں سعید ابن زید بن عمرو بن نفیل سے جو عشرہ مبشرہ میں تھے ان کی مواخاۃ ہوئی۔

غزوات اور عام حالات | حضرت ابی عہد نبوت کے غزوات میں بدر سے لیکر طائف تک تمام معرکوں میں شریک رہے، غزوۂ احد میں ایک تیر ہفت اندام میں لگا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبیب بھیجا جس نے رگ کاٹ دی پھر اس رگ کو اپنے ہاتھ سے داغ دیا، حضرت ابی نے عہد رسالت سے لے کر خلافت عثمانی تک اہم مذہبی اور ملکی خدمات انجام دیں ۹ھ میں جب زکوٰۃ فرض ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحصیل صدقات کیلئے عرب کے صوبہ جات میں عمال روانہ فرمائے، تو حضرت ابی بھی خاندان ہائے بلی، عذرہ اور بنی سعد میں عامل صدقہ مقرر ہوکر گئے، اور نہایت تدین کے ساتھ یہ خدمت انجام دی، ایک دفعہ ایک گاؤں میں گئے تو ایک شخص نے حسب معمول تمام جانور سامنے لاکر کھڑے کر دیے، کہ ان میں سے جس کو چاہیں انتخاب کریں، حضرت ابیؓ نے اونٹ سے ایک دو برس کے بچہ کو چھانٹا، صدقہ دینے والے نے کہا اس کے لینے سے کیا فائدہ؟ نہ دودھ دیتی ہے اور نہ سواری کے قابل ہے، اگر آپ کو لینا ہے تو یہ اونٹنی حاضر ہے، موٹی تازی بھی ہے اور جوان بھی، حضرت ابیؓ نے کہا، یہ کبھی نہ ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے خلاف میں نہیں کر سکتا، اس سے یہ بہتر ہے کہ تم میرے ساتھ چلو، مدینہ یہاں سے کچھ دور نہیں آنحضرت صلعم

۱؎ مسند جابر بن عبداللہ ج ۳ ص ۳۰۳ و ۳۰۴ و ۳۱۵

جوارشاد فرمائیں اسکی تعمیل کرنا، وہ اس پر راضی ہوگیا، اور حضرت ابیؓ کے ساتھ اس اونٹنی کو لیکر مدینہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمام قصہ دہرایا، آپ نے فرمایا کہ "اگر تمھاری مرضی یہی ہے تو اونٹنی دیدو قبول کرلی جائے گی، اور خدا تم کو اس کا اجر دیگا" اس نے منظور کیا اور اونٹنی آپ کے حوالہ کرکے اپنے مکان واپس آیا۔[1]

سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا، اور حضرت ابو بکرؓ خلافت کی مسند پر متمکن ہوئے، ان کے عہد میں قرآن مجید کی ترتیب و تدوین کا اہم کام شروع ہوا، صحابہ کی جو جماعت اس خدمت پر مامور کی گئی تھی، حضرت ابیؓ اس کے سرگروہ تھے، وہ قرآن کے الفاظ بولتے تھے، اور لوگ ان کو لکھتے جاتے تھے، یہ جماعت چونکہ ارباب علم پر مشتمل تھی، اس لیے کسی کسی آیت پر مذاکرہ و مباحثہ بھی رہتا تھا، چنانچہ جب سورہ براۃ کی یہ آیت ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم بانھم قوم لا یفقھون لکھی گئی تو لوگوں نے کہا کہ یہ سب سے اخیر میں نازل ہوئی تھی، حضرت ابیؓ نے کہا نہیں اس کے بعد دو آیتیں مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور پڑھائی تھیں، سب سے اخیر آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم ہے۔[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمرؓ ان کے جانشین ہوئے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں سیکڑوں مفید باتوں کا اضافہ فرمایا جس میں ایک مجلس شوریٰ کا قیام بھی ہے، یہ مجلس انصار و مہاجرین کے مقتدر اصحاب پر مشتمل تھی، جن میں قبیلہ خزرج کی طرف سے حضرت ابی بن کعبؓ بھی ممبر تھے،[3]

خلافت فاروقی میں حضرت ابیؓ مدینہ منورہ میں بالاستقلال مقیم رہے، زیادہ تر درس و تدریس سے کام رہتا تھا، جب مجالس شوریٰ منعقد ہوتیں یا کوئی مہم آپڑتی تو حضرت عمرؓ

---

[1] مسند احمد ج ۵ ص ۱۴۲ [2] ایضاً ص ۱۳۴ [3] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۴،

ان سے استصواب فرماتے تھے،

حضرت ابیؓ حضرت عمرؓ کے پورے عہد حکومت میں مسند افتاء پر متمکن رہے، اور اس کے سوا حکومت کا کوئی منصب ان کو نہیں ملا، ایک مرتبہ انھوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ آپ مجھے کسی جگہ کا عامل کیوں نہیں مقرر فرماتے، بولے کہ میں آپ کے دین کو دنیا میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتا[۱]

حضرت عمرؓ نے جب اپنے زمانہ خلافت میں نماز تراویح کو باجماعت کیا تو حضرت ابی بن کعبؓ کو امامت کے لئے منتخب فرمایا[۲]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قرآن مجید میں لب و لہجہ کا اختلاف تمام ملک میں عام ہو چکا تھا، اس بناء پر آپ نے اس اختلاف کو مٹانا چاہا اور خود اصحاب قرأت کو طلب فرما کر ہر شخص سے جدا جدا قرأت سنی، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، اور معاذ بن جبلؓ، سب کے لہجہ (تلفظ) میں اختلاف نظر آیا، یہ دیکھکر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں کو ایک تلفظ کے قرآن پر جمع کرنا چاہتا ہوں، قریش اور انصار میں ۱۲ شخص تھے، جن کو قرآن پر پورا عبور تھا، حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو یہ اہم کام تفویض فرمایا، اور حضرت ابی بن کعبؓ کو اس مجلس کا رئیس مقرر کیا، وہ قرآن کے الفاظ بولتے تھے اور زید لکھتے تھے، آج قرآن مجید کے جس قدر نسخے ہیں، وہ حضرت ابیؓ کی قرأت کے مطابق ہیں[۳]

وفات ۳۹ھ میں عمر طبعی کو پہونچ کر حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں جمعہ کے دن وفات پائی، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور مدینہ منورہ میں دفن کئے گئے،

---

[۱] کنز العمال ج ۳ ص ۱۲۳ [۲] صحیح بخاری کتاب صلوٰۃ التراویح [۳] کنز العمال ص ۲۸۲ و ۲۸۳، ج ۱،

آل واولاد حضرت ابیؓ کی اولاد کی صحیح تعداد اگرچہ نامعلوم ہے، لیکن جن کے نام معلوم ہیں وہ یہ ہیں، طفیلؓ، محمدؓ، عبداللہؓ، ربیعؓ، ام عمروؓ، ان میں سے اول الذکر وہ بزرگ عہد رسالت میں پیدا ہو گئے تھے،

حضرت ابیؓ کی زوجہ کا نام ام الطفیل ہے، وہ صحابیہ ہیں اور روایات حدیث کی فہرست میں ان کا نام داخل ہے،

حلیہ، حضرت ابیؓ کا حلیہ یہ تھا قد میانہ، رنگ گورا مائل بہ سرخی، بدن دبلا،

اخلاق وعادات مزاج میں تکلف تھا مکان میں گدوں پر نشست رکھتے تھے، غالباً دیوار میں آئینہ لگایا تھا اور کنگھی کرتے تھے اسی طرف بیٹھتے تھے، ایام پیری میں جب سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے کنیز سر کے بال بناتی تھی،[1]

مزاج میں تیزی تھی، اکثر خلاف طبع باتوں پر حرارت آجاتی تھی، حضرت عمرؓ کا مزاج بھی تیز تھا، اس لئے کبھی کبھی دونوں بزرگوں میں جھڑپ ہو جاتی تھی،

حضرت ابیؓ نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھائی تھی، حضرت عمرؓ نے سنا تو پوچھا تم نے یہ کس سے سیکھی، اس نے حضرت ابیؓ کا نام لیا، حضرت عمرؓ اس کو ساتھ لیکر ان کے مکان تشریف لے گئے اور استفسار کیا، انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ایسا ہی سیکھا تھا، حضرت عمرؓ نے مزید تحقیق کے لئے پھر پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے تم نے سیکھا ہے، جواب دیا جی ہاں، حضرت عمرؓ نے اس جملہ کو پھر دہرایا، تیسری مرتبہ حضرت ابیؓ کو غصہ آگیا، بولے واللہ یہ آیت خدا نے جبریلؑ پر نازل کی تھی اور جبریلؑ نے قلب محمدؐ پر نازل کی، اس میں خطاب اور اس کے بیٹے سے مشورہ نہیں لیا تھا، حضرت عمرؓ کانوں پر ہاتھ رکھ کر ان کے گھر سے تکبیر کہتے ہوئے نکل گئے،[3]

[1] مسند ۵ ص ۱۴۲ [2] طبقات ص ۶۵ [3] کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۶،

اسی طرح ایک مرتبہ ایک آیت کے متعلق اختلاف ہوا، حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ کو بلا کر ان سے وہ آیت پڑھوائی، انھوں نے پڑھ کر حضرت عمرؓ کی ناک کی طرف انگلی سے اشارہ کیا، حضرت عمرؓ نے اس کو دوسری طرح پڑھا، اور حضرت ابیؓ کی ناک کی طرف اشارہ کیا، حضرت ابیؓ نے کہا واللہ مجھکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھایا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا اب ہم آپ کی متابعت کرتے ہیں[1]،

حضرت ابودرداؓ شامیوں کی ایک بڑی جماعت کو تعلیم قرآن کے لئے مدینہ لائے، ان لوگوں نے حضرت ابیؓ سے قرآن پڑھا، ایک دن ان میں سے ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی آیت پڑھی، انھوں نے ٹوکا، اس نے کہا مجھکو ابی بن کعبؓ نے پڑھایا ہے، حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ ایک آدمی کر دیا کہ ابی کو بلا لاؤ، اس وقت حضرت ابیؓ اپنے اونٹ کو چارہ دے رہے تھے، آدمی نے پہنچ کر کہا، آپ کو امیر المومنین بلاتے ہیں، انھوں نے پوچھا کیا کام ہے، انھوں نے واقعہ بیان کیا، حضرت ابیؓ دونوں پر بگڑے اور کہا تم لوگ باز نہیں آتے، اور غصہ میں اسی طرح دامن چڑھائے ہاتھ میں چارہ لئے ہوئے حضرت عمرؓ کے پاس پہونچے، انھوں نے ان سے اور زید بن ثابتؓ سے آیت پڑھوائی، دونوں کی قرأت میں اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے زید کی تائید کی، حضرت ابیؓ برہم ہوئے اور کہا خدا کی قسم عمرؓ! تم خوب جانتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اندر ہوتا تھا، اور تم لوگ باہر کھڑے رہتے تھے، اب آج میرے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاتا ہے، واللہ اگر تم کہو تو میں گھر میں بیٹھ رہوں، نہ کسی سے بولوں اور نہ درس قرآن دوں یہانتک کہ موت میرا خاتمہ کر دے، حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں، جب خدا نے آپ کو علم دیا ہے، تو آپ شوق سے پڑھائیے[2]،

---

[1] کنز العمال ص ۲۱۲ ج ۱، [2] ایضاً،

طبعاً نہایت آزاد اور خوددار تھے، ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ مدینہ منورہ کے کسی کوچہ میں ایک آیت پڑھتے ہوئے جارہے تھے، پیچھے سے آواز آئی ابن عباسؓ کھڑے رہو، مڑ کر دیکھا تو حضرت عمرؓ تھے، فرمایا کہ میرے غلام کو لیتے جاؤ، ابی بن کعبؓ سے پوچھنا کہ فلاں آیت انھوں نے اس طرح پڑھی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابیؓ کے مکان پہونچے تھے کہ خود حضرت عمرؓ بھی تشریف لے آئے اور اجازت لے کر سب اندر پہونچے، حضرت ابیؓ بال بنوا رہے تھے، دیوار کی طرف رخ تھا، حضرت عمرؓ کو گدے پر بٹھایا گیا، حضرت ابیؓ کی پشت حضرت عمرؓ کی طرف تھی، وہ اسی حالت میں بیٹھے رہے اور ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا "مرحبا یا امیر المومنین میری ملاقات کے لئے تشریف لانا ہوا یا کوئی اور غرض ہے"، حضرت عمرؓ نے فرمایا کام سے آیا ہوں اور ایک آیت پڑھ کر کہا یہ تو بہت سخت ہے (یعنی تلفظ میں) حضرت ابیؓ نے کہا میں نے قرآن اس سے سیکھا جس نے جبریل سے سیکھا تھا، وہ تو نہایت نرم اور تر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ تو احسان جتانا چاہتے ہیں، مگر مجھے جواب سے تشفی نہیں ہوئی،

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں دونوں میں ایک باغ کی بابت جھگڑا ہو گیا، حضرت ابیؓ رونے لگے اور کہا آپ کے عہد میں یہ باتیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا نہیں میری یہ نیت نہ تھی، آپ کا جس مسلمان سے جی چاہے فیصلہ کرا لیجئے، میں راضی ہوں، انھوں نے زید بن ثابتؓ کا نام لیا، حضرت عمرؓ راضی ہو گئے، اور حضرت زیدؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، گو حضرت عمرؓ خلیفۂ اسلام تھے، تاہم ایک فریق کی حیثیت سے حضرت زید بن ثابتؓ کے اجلاس میں حاضر ہوئے، حضرت عمرؓ کو ابیؓ کے دعویٰ سے انکار تھا، انھوں نے ان سے کہا آپ بھولتے ہیں سوچ کر یاد کیجئے، حضرت ابیؓ کچھ دیر سوچتے رہے، پھر کہا کہ مجھے کچھ یاد نہیں آتا، تو خود حضرت عمرؓ نے واقعہ کی

صورت بیان کی، حضرت زیدؓ نے حضرت ابیؓ سے پوچھا آپ کے پاس ثبوت کیا ہے، انھوں نے کہا کچھ نہیں، بولے تو آپ امیر المومنین سے قسم نہ لیجئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر مجھ پر قسم ضروری ہے تو مجھے اس میں تامل نہیں۔[۱]

طبیعت غیور پائی تھی، ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا فلاں آدمی اپنے باپ کی عورت (سوتیلی ماں) سے ہمبستر ہوتا ہے، حضرت ابیؓ موجود تھے بولے کہ میں تو ایسے شخص کی گردن مار دیتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا ابی کس قدر غیرت مند ہیں، لیکن میں ان سے زیادہ غیور ہوں، اور خدا مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے،

بڑے مہمان نواز تھے لیکن تکلف نہ تھا، ایک بار زر بن مالکؓ ملاقات کو آئے، پوچھا کیا کھاؤ گے؟ انھوں نے کہا ستو اور چھوہارے، اندر جا کر ستو لے آئے اور شکم سیر ہو کر کھلایا، زر بن مالکؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا آپؐ نے فرمایا یہ تو بڑی عمدہ بات ہے۔[۲]

علم وفضل حضرت ابی بن کعبؓ کی حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ علم کے لئے وقف تھا، عین اس وقت جب مدینہ میں مہاجرین اور انصار سے تجارت اور زراعت کا بازار گرم رہتا تھا حضرت ابیؓ مسجد نبوی میں نبوت کے علمی جواہر سے اپنے علوم وفنون کی دوکان سجاتے تھے انصار میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، اور قرآن سمجھنے اور حفظ وقرأت میں مہاجرین وانصار دونوں میں ان کی فوقیت مسلم تھی، یہانتک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قرآن مجید پڑھوا کر سنتے تھے،

جلالت علمی علوم اسلامیہ کے علاوہ کتب قدیمہ سے بھی پوری واقفیت رکھتے تھے، توراۃ

---

[۱] کنز العمال ص ۱۸۴ ج ۳ [۲] ایضاً ص ۲۵ ج ۵،

انجیل کے عالم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کتابوں میں جو بشارتیں مذکور ہیں، وہ ان کو خاص طور پر معلوم تھیں، اس علمی جلالت شان کی بنا پر حضرت فاروق اعظمؓ ان کی تعظیم اور ان کا لحاظ کرتے تھے اور خود ان کے گھر جا کر مسائل پوچھتے تھے،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو اسلام کی تاریخ میں حبر کے لقب سے مشہور ہیں، حضرت ابی ابن کعبؓ کی درسگاہ میں حاضری کو اپنا فخر سمجھتے تھے،

حضرت ابیؓ کا فضل و کمال صرف خرمن نبوت کا خوشہ چین تھا، انھوں نے حامل وحی سے اس قدر سیکھ لیا تھا کہ پھر کسی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی، صحابۂ کرام میں حضرت ابوبکرؓ کے سوا، کوئی شخص نہ تھا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسب علم سے بے نیاز رہا ہو، صرف ابی بن کعبؓ کی شخصیت تھی جو اس سے مستغنی تھی،

حضرت ابی بن کعبؓ اگرچہ مختلف علوم کے جامع تھے، لیکن وہ خاص فن جنمیں ان کو امامت اور اجتہاد کا منصب حاصل تھا، قرآن، تفسیر، شان نزول، ناسخ و منسوخ، حدیث، فقہ تھے، اور ہم انہی علوم میں اپنی بساط کے مطابق ان کے کمالات دکھائیں گے،

قرآن مجید سب سے پہلے ہمیں قرآن مجید کا ذکر کرنا ہے، اور یہ دکھانا ہے کہ حضرت ابیؓ اس کو کس نظر سے دیکھتے تھے، حضرت ابیؓ مجتہد تھے، وہ قرآن مجید پر مجتہدانہ انداز سے غور کرتے تھے، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ قرآن میں کون سی نہایت معظم آیت ہے، حضرت ابیؓ نے کہا آیۃ الکرسی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مسرور ہوئے، اور فرمایا! ابی تمھیں یہ علم مسرور کرے!!

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن کی آیتوں میں کیسا غور و خوض کرتے تھے، اب خود انکی زبان سے قرآن کی حقیقت سنو، ایک شخص نے ان سے درخواست کی کہ

مجھے نصیحت کیجئے. فرمایا قرآن کو دلیل راہ نہ بناؤ، اس کے فیصلوں اور حکموں پر راضی رہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی چیز تمھارے لئے چھوڑی ہے، اس میں تمھارا اور تمھارے قبل والوں کا اور جو کچھ زمانہ بعد میں ہو گا سب حال درج ہے،

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اس رائے میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے،

(۱) قرآن مجید اسلام کا مکمل قانون ہے،

(۲) مسلمانوں کا بہترین دستور العمل ہے،

(۳) اس کے قصص و حکایات نتیجہ خیز ہیں جو عمل اور عبرت کے لئے ہیں، گرمی محفل کے لئے نہیں،

(۴) اس میں تمام قوموں کا نہایت کافی تذکرہ ہے،

غور کرو! جو شخص ان حیثیتوں سے قرآن کریم کو دیکھتا ہو گا، اس کی وسعت معلومات اور دقت نظر میں کیا کلام ہو سکتا ہے،

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے ابتدا ہی سے قرآن مجید کے ساتھ غیر معمولی شغف ظاہر کیا تھا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ورود فرما ہوئے، تو سب سے پہلے جس نے وحی لکھنے کا شرف حاصل کیا وہ حضرت ابی تھے،

قرآن مجید حفظ کرنے کا خیال بھی اسی زمانہ سے پیدا ہوا، جس قدر آیتیں نازل ہوتیں وہ حفظ کر لیتے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورا قرآن یاد کر لیا، صحابہ رضی اللہ عنہم میں پانچ بزرگ تھے، جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مقدس میں پورا قرآن یاد کیا تھا، لیکن حضرت ابی رضی اللہ عنہ ان سب میں ممتاز تھے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس باب میں ان کی مدح کرتے تھے،

حضرت ابیؓ نے قرآن کا ایک ایک حرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سنکر یاد کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے شوق کو دیکھ کر ان کی تعلیم کی طرف خاص توجہ مبذول فرماتے تھے، نبوت کا رعب بڑے بڑے صحابہ کو سوال کرنے سے مانع ہوتا تھا، لیکن حضرت ابیؓ بے جھجک جو چاہتے تھے، سوال کرتے تھے، ان کے شوق کو دیکھ کر بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ابتدا فرماتے تھے، اور بغیر پوچھے بتاتے تھے، ایک مرتبہ حضرت ابیؓ سے فرمایا کہ میں تمھیں ایک ایسی سورہ بتاتا ہوں جس کی نظیر نہ تورات وانجیل میں ہے اور نہ قرآن میں، یہ کہہ کر باتوں میں مصروف ہو گئے، حضرت ابیؓ کہتے ہیں، میرا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائیں گے، اس لئے جب آپ گھر جانے کے لئے اٹھے تو میں بھی ساتھ ہو لیا، آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر باتیں شروع کر دیں، اور گھر کے دروازہ تک اسی طرح چلے آئے، میں نے عرض کی وہ سورہ بتا دیجئے آپ نے بتا دی[1]، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی، اس میں ایک آیت پڑھنا بھول گئے، حضرت ابیؓ نماز میں شروع سے شریک نہ تھے، بیچ میں شریک ہوئے تھے، نماز ختم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ کسی نے میری قرأت پر خیال کیا تھا؟ تمام لوگ خاموش رہے، پھر پوچھا، ابی بن کعب ہیں؟ حضرت ابیؓ نماز ختم کر چکے تھے بولے کہ آپ نے فلاں آیت نہیں پڑھی، کیا منسوخ ہو گئی، یا آپ پڑھنا بھول گئے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "نہیں میں پڑھنا بھول گیا" اس کے بعد فرمایا میں جانتا تھا کہ تمھارے سوا اور کسی کو ادھر خیال نہیں ہوا ہوگا[2]۔"

ان باتوں کا یہ اثر تھا، کہ جب کوئی مسئلہ حضرت ابیؓ کی سمجھ میں نہ آتا، تو وہ اور صحابہؓ کی طرح خاموش نہیں رہتے تھے، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بوری تک مذاکرہ جاری رکھتے

[1] [2] مسند احمد ج ۵ ص ۱۱۴ ایضاً ص ۱۲۳ و ۱۲۴

اور جب سمجھ میں آجاتا تب اُٹھتے، مسجد نبوی میں عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک آیت پڑھی، چونکہ وہ قبیلۂ ہذیل سے تھے، ان کی قرأت علیحدہ تھی، حضرت ابی بن کعبؓ نے سنا تو کہا، آپ نے یہ آیت کس سے پڑھی؟ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح پڑھی ہے، انھوں نے کہا مجھ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا ہے، حضرت ابیؓ کہتے ہیں، اس وقت میرے دل میں خیالات فاسدہ کا غلبہ ہوا، اور عجیب عجیب باتیں ذہن میں آئیں، میں ابن مسعودؓ کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور کہا میرے اور ان کے درمیان قرأت میں اختلاف ہو گیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے آیت پڑھوائی، اور فرمایا تم ٹھیک پڑھتے ہو، پھر حضرت ابن مسعودؓ سے پڑھوائی اور فرمایا تم بھی ٹھیک پڑھتے ہو، میں نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ٹھیک پڑھتے ہیں، یہ کیونکر؟ اس قدر کدوکاوش پر حضرت ابیؓ پسینہ پسینہ ہو گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گھبراہٹ دیکھی تو ان کے سینہ پر دست مبارک رکھ کر فرمایا الٰہی ابی کا شک دور کر! دستِ مبارک کی تاثیر تسلی بن کر قلب میں اتر گئی، اور ان کو کامل تشفی ہو گئی،

حضرت ابیؓ کا خاص فن قرأت ہے، اس فن میں ان کو اتنا کمال تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تعریف و توصیف کی تھی، صحابہ میں چند بزرگ تھے، جن کے کمالات کی حامل وحی نے تعیین کر دی تھی، ان میں حضرت ابی بن کعبؓ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا، واقرأهم ابی بن کعب یعنی صحابہ میں سب سے بڑے قاری ابیؓ ہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمرؓ نے اس جملہ کی یاد کو کئی مرتبہ تازہ

کیا، ایک مرتبہ مسجد نبوی کے منبر پر کہا کہ سب سے بڑے قاری ابی ہیں، شام کے مشہور سفر میں مقام جابیہ کے خطبہ میں فرمایا من اراد القرآن فلیات ابیا یعنی جس کو قرآن کا ذوق ہو وہ ابی کے پاس آئے[1]،

فن قرأت میں حضرت ابیؓ کو جو دخل تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود حامل نبوت ان سے قرآن کا دورہ فرماتے تھے، چنانچہ جس سال آپ نے وفات پائی حضرت ابیؓ کو قرآن سنایا اور فرمایا مجھ سے جبریلؑ نے کہا تھا کہ ابی کو قرآن سنا دیجئے،

جو سورہ نازل ہوتی اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابیؓ کو سناتے اور یاد کراتے تھے، سورہ لم یکن، نازل ہوئی تو فرمایا کہ خدا نے تم کو قرآن سنانے کا مجھے حکم کیا ہے، انہوں نے عرض کی، خدا نے میرا نام لیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں حضرت ابیؓ یہ سن کر فرط مسرت میں بے اختیار رو پڑے،

عبدالرحمٰن بن ابی ابزی حضرت ابی بن کعبؓ کے شاگرد تھے، ان کو استاد کا یہ واقعہ معلوم ہوا تو پوچھا ابا المنذر (حضرت ابیؓ کی کنیت) اس وقت آپ کو خاص مسرت ہوئی ہو گی، فرمایا کیوں نہیں، خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون[2]،

قراۃ ابی

اسی قرأت دانی کا نتیجہ تھا کہ ایک قرأت خاص طور پر ان کی جانب منسوب ہوئی جس کا نام "قرأت ابی بن کعبؓ" تھا۔ اہل دمشق اسی قرأت میں قرآن مجید پڑھتے تھے،

حضرت ابیؓ کی قرأت کو، ان کے رتبہ کے لحاظ سے عالمگیر ہونا چاہئے تھا لیکن اس قدر تک زیادہ رواج نہ پا سکی، اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ بہت سی آیتیں جو منسوخ ہو چکی تھیں اس

---

[1] مسند احمد ج ۵ ص ۱۲۴ [2] ایضاً ص ۱۲۳ ج ۴،

موجود تھیں، حضرت عمرؓ نے بار بار کہا کہ ابیؓ ہم میں سب سے زیادہ قرآن کے جاننے والے ہیں لیکن ہم کو بعض مواقع پر اُن سے اختلاف کرنا پڑا ہے، ان کو اصرار ہے کہ انھوں نے جو کچھ سیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہے، یہ سچ ہے لیکن جب بہت سی آیتیں منسوخ ہو چکی ہیں، اور اُن کو اس کا علم نہیں ہوا تو پھر ہم ان کی قرأت پر کیونکر قائم رہ سکتے ہیں[1]

لیکن بعد میں اس کی اصلاح ہو گئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں جب قرآن مجید کو جمع کیا گیا تو اس میں منسوخ شدہ آیتوں کا خاص خیال رکھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ان کی قرأت نے قبول عام کی سند حاصل کر لی، اور تمام ممالک اسلامیہ جن کی وسعت مغرب سے مشرق تک تھی حضرت ابیؓ کی قرأت پر مجتمع ہو گئے،

حضرت ابیؓ کے انتقال کے بعد اس فن میں اپنے دو جانشین چھوڑے جو اپنے عہد میں مرجع انام تھے، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ،

قرأ سبعہ میں سے نافع بن عبدالرحمٰن، ابورویم مدنی، حضرت ابوہریرہؓ کے سلسلہ سے اور عبداللہ بن کثیر مکی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے واسطہ سے حضرت ابی بن کعبؓ کے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں،

درس و تدریس — حضرت ابی بن کعب کا مدرسۂ قرأت اُس وقت ایک مرکزی حیثیت رکھتا تھا، عرب و عجم، روم و شام اور دیگر صوبہ جات اسلامیہ سے طلبہ مدینہ منورہ کا رُخ کرتے، اور اُن کی درس گاہِ قرأت سے فیض یاب ہوتے تھے،

طلبہ کے علاوہ بعض اکابر صحابہ دور دراز مقامات سے شائقین کو لے کر مدینہ منورہ تشریف لاتے، اور حضرت ابیؓ سے استفادہ کرتے تھے، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ انصاری شام میں تعلیم قرآن کے لئے بھیجے گئے تھے، وہ اس درجہ کے تھے کہ

---

[1] مسند جلد ۵ ص ۱۱۳،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن ۵ بزرگوں نے پورا قرآن حفظ کیا تھا، اُن میں ایک یہ بھی تھے، لیکن باایں ہمہ وہ حضرت ابیؓ کی قرأت سے مستغنی نہ تھے، حضرت عمرؓ کے عہد مقدس میں شامیوں کا ایک مجمع ساتھ لے کر حضرت ابیؓ کی خدمت میں آئے، خود قرآن پڑھا اور دوسرے لوگوں کو بھی پڑھوایا،

حضرت ابیؓ اگرچہ تلامذہ کی تعلیم سے خاص دلچسپی لیتے تھے لیکن مزاج تیز تھا اس لئے بہت جلد ان کا حلم و تحمل غیظ و غضب سے بدل جاتا تھا، اس لئے تلامذۂ خاص کوئی سوال کرتے تو خوف لگا رہتا کہ کہیں غصہ میں جھنجھلا نہ اٹھیں، زر بن حبیش جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد رشید تھے اور جن کو حضرت ابیؓ کے تلمذ کا بھی شرف حاصل تھا، کوئی بات پوچھنا چاہتے تھے مگر ہمت نہ پڑتی تھی ایک دن ایک سوال کیا تو تمہید سے کہ مجھ پر نظر عنایت فرمایئے میں آپ سے علم سیکھنا چاہتا ہوں، حضرت ابیؓ نے کہا ہاں شاید یہ ارادہ ہوگا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت پوچھنے سے باقی نہ رہ جائے،

اسی وجہ سے ان کی مجلس لایعنی سوالات سے پاک ہوتی تھی، وہ قبل از وقت باتوں کا جواب نہیں دیتے تھے، بلکہ ناراض ہوتے تھے، مسروق نے ایک دن ایک سوال کیا، حضرت ابیؓ نے کہا کہ ایسا کبھی ہوا ہے؟ انھوں نے کہا نہیں، فرمایا ابھی ٹھہرے جب ایسا واقعہ پیش آئیگا تو آپ کے لئے اجتہاد کی تکلیف کی جائے گی،

لیکن معقول سوالات سے خوش ہوتے تھے، اور جواب مرحمت فرماتے تھے، زیاد انصاری نے پوچھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویاں قضا کر جاتیں تو آپ نکاح کر سکتے تھے یا نہیں؟ انھوں نے کہا کر سکتے تھے زیاد نے کہا پھر اس آیت کے کیا معنی لایحل اللہ لک النساء من بعد حضرت ابیؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عورتوں کی ایک

قسم حلال تھی (مسند احمد ج ۵ ص۱۴۲)

حضرت ابیؓ کی زندگی بڑی پر تکلف اور باوقار تھی، اس کا اثر ان کے حلقۂ درس میں نظر آتا تھا، گھر اور مجلس دونوں جگہوں میں ان کی نشست گدے پر ہوتی تھی، اور تلامذہ عام صف میں بیٹھتے تھے،

نشست و برخاست میں تلامذہ ان کی تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہوتے تھے، اس زمانہ میں یہ دستور بالکل نیا تھا، ایک مرتبہ سلیم بن حنظلہ حضرت ابیؓ کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے آئے، جب وہ اٹھے تو شاگردوں کا پورا مجمع پیچھے پیچھے ساتھ ہو گیا، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ان کو یہ روش ناپسند ہوئی، حضرت ابیؓ سے فرمایا کہ یہ آپ کے فتنہ اور ان لوگوں کے لئے ذلت ہے،

تلامذہ سے تحائف وہدایا قبول کر لیتے تھے، اور اس میں کچھ مضائقہ نہ جانتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مقدس میں انھوں نے طفیل بن عمرو دوسی کو قرآن پڑھایا تھا، انھوں نے ایک کمان ہدیۃً پیش کی، حضرت ابیؓ اس کو لگا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے پوچھا یہ کہاں سے لائے، انھوں نے کہا ایک شاگرد کا ہدیہ ہے آپ نے فرمایا اس کو واپس کر دو، اور اب آیندہ ایسے ہدیہ سے پرہیز کرنا،

اسی طرح ایک شاگرد نے کپڑا ہدیہ میں پیش کیا، اس میں بھی یہی صورت پیش آئی، اس لئے بعد میں ان باتوں سے اجتناب کلی کر لیا تھا، چنانچہ ملک شام کے لوگ جب آپ سے قرآن مجید پڑھنے مدینہ آئے، تو مدینہ کے کاتبوں سے اس کو لکھواتے بھی تھے اور کتابت کا معاوضہ اس طرح ادا ہوتا تھا کہ شامی اپنے ساتھ کاتبوں کو کھانے میں شریک

کر لیتے تھے لیکن حضرت ابی رضی ایک وقت بھی ان کی دعوت منظور نہ کی، حضرت عمر رضی نے ایک دن ان سے دریافت کیا، ملک شام کا کھانا کیسا ہوتا ہے؟ حضرت ابی رض نے کہا کہ میں آپکے ہاں کھانا نہیں کھاتا،

قرأت پڑھاتے وقت حروف مخارج سے ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے باشندوں کے ساتھ توچنداں دشواری پیش نہ آتی تھی، لیکن اعراب اور بدوؤں یا دیگر ملکوں کے باشندوں کو جن سے حروف صاف صاف ادا نہ ہو سکتے تھے انکا پڑھانا نہایت مشکل کام تھا، لیکن حضرت ابی رض اس مشکل کو بھی آسان کر لیتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں حضرت ابی رض ایک ایرانی کو قرآن پڑھاتے تھے، جب اس کو یہ آیت پڑھائی (ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم) تو اس سے اثیم نکلتا تھا، وہ یتیم کہتا تھا، حضرت ابی رض نہایت پریشان تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے اور ان کی حیرانی دیکھ کر خود ان کے شریک ہو گئے، اور ایرانی میں فرمایا، کہو "طعام الظالم"، اس نے اس کو صاف طور سے ادا کر دیا، آپ نے حضرت ابی رض سے فرمایا کہ اس کی زبان درست کرو، اور اس سے حرف نکلواؤ، خدا تم کو اس کا اجر دیگا،

مصحف ابی بن کعب رض | حضرت ابی رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر قرأت پڑھتے تھے گھر پر اس کو قلمبند کرتے جاتے تھے، یہی قرآن ہے، جو تاریخ فن قرأت میں "مصحف ابی رض" کے نام سے مشہور ہے، یہ مصحف حضرت عثمان رض کے عہد تک موجود تھا،

اس مصحف کی شہرت دور دور تک تھی، حضرت ابی رض کی وفات کے بعد ان کے بیٹے کے پاس جن کا نام محمد تھا، اور مدینہ ہی میں رہتے تھے، عراق سے کچھ لوگ آئے اور کہا کہ ہم لوگ مصحف کی زیارت کو آئے ہیں، انھوں نے کہا وہ تو حضرت عثمان رض نے لے لیا تھا،

تفسیر | حضرت ابیؓ مفسرین صحابہ میں ہیں اور ان سے اس فن میں ایک بڑا نسخہ روایت کیا گیا ہے، جس کے راوی امام ابو جعفر رازی ہیں، تین واسطوں سے حضرت ابیؓ تک یہ سلسلہ منتہی ہوتا ہے،

فن تفسیر میں حضرت ابیؓ کے اگرچہ متعدد شاگرد تھے، جن کی روایتیں عموماً تفسیر کی کتابوں میں مندرج ہیں، لیکن اس کا بڑا حصہ ابو العالیہ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے، ابو العالیہ کے تلمیذ ربیع بن انسؓ تھے، جن پر امام رازی کے سلسلۂ روایات کا اختتام ہوتا ہے،

اس تفسیر کی روایتیں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے کثرت سے نقل کی ہیں، حاکم نے مستدرک میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں بھی بعض روایتوں کو درج کیا ہے، حضرت ابیؓ سے اس فن میں دو قسم کی روایتیں ہیں، پہلی قسم میں وہ سوالات داخل ہیں جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات عنایت فرمائے تھے، دوسری قسم میں وہ تفسیریں ہیں جو خود حضرت ابیؓ کی طرف منسوب ہیں،

حضرت ابیؓ کی تفسیر کا پہلا حصہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے ظن و قیاس کے رتبہ سے بلند ہو کر یقین کے درجہ تک پہونچتا ہے، کیونکہ حامل وحی سے زیادہ قرآن کا مطلب کون سمجھ سکتا ہے،

دوسرا حصہ حضرت ابیؓ کی رائے کا مجموعہ ہے، اس میں مختلف حیثیتیں پیش نظر رکھی گئی ہیں، بعض آیتوں میں تفسیر القرآن بالقرآن کا اصول مد نظر ہے، بعض میں خیالات عصریہ کی جھلک ہے، کسی میں اسرائیلیات کا رنگ ہے، اور کہیں کہیں ان سب سے الگ ہو کر مجتہدانہ روش اختیار کی ہے، اور یہی ان کا علم تفسیر میں سب سے بڑا کارنامہ ہے،

شان نزول | حضرت ابیؓ سے شان نزول کی متعدد روایتیں ہیں، جو تفسیر کی کتابوں میں

مندرج ہیں،

حدیث صحابۂ کرامؓ میں جو بزرگ علم حدیث کے ماہر خیال کئے جاتے تھے ان میں ایک حضرت ابیؓ بن کعب بھی تھے، محدث ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں،

وکان احد من جمع الکثیر یعنی حضرت ابیؓ ان بزرگوں میں ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کا بہت بڑا حصہ سنا تھا، یہی وجہ ہے کہ بہت سے علمائے صحابہ جو اپنے مجالس درس میں مسند روایت پر متمکن ہوتے تھے، حضرت ابیؓ کے حلقۂ تعلیم میں شاگردی کا زانوئے ادب تہ کرتے تھے،

چنانچہ ان کے حلقہ میں تابعین سے زیادہ صحابہؓ کا مجمع ہوتا تھا، حضرت عمر بن الخطابؓ حضرت ابو ایوب انصاری، عبادہ بن صامت، ابوہریرہ، ابوموسیٰ اشعری، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، سہل بن سعد، سلیمان بن صرد، (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کہ تمام صحابہ میں انتخاب تھے، حضرت ابیؓ سے علم حدیث میں استفادہ کرتے تھے،

حضرت ابیؓ کے اوقات درس اگرچہ معین تھے، تاہم ان وقتوں کے علاوہ بھی باب فیض مسدود نہ ہوتا تھا، چنانچہ جب مسجد نبوی میں نماز کو تشریف لاتے اور اسوقت بھی کسی کو تعلیم کی حاجت ہوتی تو اس کی تشفی فرماتے تھے،

قیس بن عباد مدینہ میں صحابہ کے دیدار سے مشرف ہونے آئے تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابیؓ بن کعب سے بڑھکر کسی کو نہ پایا، نماز کا وقت تھا، لوگ جمع تھے، اور حضرت عمرؓ بھی تشریف رکھتے تھے کسی چیز کے تعلیم دینے کی ضرورت تھی، نماز ختم ہوئی تو محدث جلیل اٹھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لوگوں تک پہونچائی ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ تمام لوگ ہمہ تن گوش تھے قیس پر حضرت ابیؓ کی اس شان عظمت کا بڑا اثر پڑا، (مسند احمد ج ۵ صفحہ ۱۴۱)

روایت حدیث میں حضرت اُبیؓ حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے، باوجود اس کے وہ حاملِ نبوت کے مقرب بارگاہ تھے، اور زندگی کا بیشتر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں صرف کیا تھا بایں ہمہ روایت حدیث میں یہ شدت تھی کہ روایات کی مجموعی تعداد ۱۶۴ سے متجاوز نہیں ہے،

فقہ صحابہ میں کئی بزرگ تھے جو اجتہاد کا منصب رکھتے تھے، اور استنباط مسائل کرتے تھے، حضرت اُبیؓ کا بھی اُن میں شمار تھا، اور وہ حامل قرآن کی مقدس زندگی ہی میں مسند افتاء پر جلوہ افروز ہو چکے تھے، حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی اہل الرائے اور اہل فقہ میں شامل رہے، اور لوگ انہی سے استفسار کیا کرتے تھے، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بھی یہ منصب عظیم ان کو حاصل رہا،

آفاق عالم سے فتوے آتے تھے جن کے مستفیتوں میں صحابہ کا نام بھی داخل ہوتا تھا، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے، وہ نماز میں تکبیر کہتے اور سورہ پڑھنے کے بعد ذرا توقف کرتے تھے، لوگوں نے ان پر اعتراض کیا، اُنھوں نے حضرت اُبیؓ کے پاس فتویٰ لکھ کر بھیجا کہ مجھ پر حقیقت مجہول ہو گئی ہے، اس کے متعلق تحریر فرمایئے، واقعیت کیا ہے؟ حضرت اُبیؓ نے نہایت مختصر جواب تحریر کیا اور لکھا کہ آپ کا طریق عمل شرع شریف کے مطابق ہے، اور معترضین غلطی پر ہیں[1]،

استنباط مسائل کا طریقہ تھا کہ پیشتر قرآن مجید میں حور و خوض کرتے تھے، پھر احادیث کی تلاش ہوتی تھی، اور جب ان دونوں میں کوئی صورت نہ ملتی تو قیاس کرتے تھے،

حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ میرا شوہر مرگیا، میں حاملہ تھی، اب

---

[1] کنز العمال ۳۸ ج ۴،

وضع حمل ہو رہے لیکن عدت کے ایام ابھی پورے نہیں ہوئے اس صورت میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میعاد معین تک رکی رہو، وہ حضرت عمرؓ کے پاس سے حضرت ابیؓ کے پاس آئی، اور حضرت عمرؓ سے فتویٰ پوچھنے کا حال اور اُن کا جواب ان کے گوش گذار کیا، حضرت ابیؓ نے کہا کہ جاؤ اور عمرؓ سے کہنا کہ ابی کہتے ہیں کہ عورت حلال ہوگئی، اگر وہ مجھے پوچھیں تو یہیں بیٹھا ہوں آکر بلا لیجانا، عورت حضرت عمرؓ کے پاس آگئی، اُنھوں نے کہا بلا لاؤ حضرت ابیؓ آئے، حضرت عمرؓ نے پوچھا آپ نے یہ کہاں سے کہا؟ اُنھوں نے جواب دیا قرآن سے اور یہ آیت پڑھی واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، اس کے بعد کہا کہ جو حاملہ بیوہ ہوگئی ہو وہ بھی اس میں داخل ہے، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے، حضرت عمرؓ نے عورت سے کہا کہ جو یہ کہہ رہے ہیں اس کو سنو،[1]

حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر مسجد نبوی کے متصل تھا، حضرت عمرؓ نے جب مسجد کو وسیع کرنا چاہا تو ان سے کہا کہ اپنا مکان فروخت کر دیجئے، میں اس کو مسجد میں شامل کروں گا، حضرت عباسؓ نے کہا یہ نہ ہوگا، حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا تو ہبہ کر دیجئے، اُنھوں نے اس سے بھی انکار کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا تو آپ خود مسجد کو وسیع کر دیں اور اپنا مکان اس میں داخل کر دیں، وہ اس پر راضی نہ ہوئے، حضرت عمرؓ نے کہا ان تین باتوں میں سے کوئی بات آپ کو ماننا ہوگی، حضرت عباسؓ نے کہا میں ایک بات بھی نہ مانوں گا، آخر دونوں شخصوں نے حضرت ابی بن کعبؓ کو حکم بنایا، اُنھوں نے حضرت عمرؓ سے کہا بلا رضامندی آپ کو ان کی چیز لینے کا کیا حق ہے؟ حضرت عمرؓ نے پوچھا اس کے متعلق قرآن مجید سے کوئی

---

[1] کنز العمال ص ۱۹۲ ج ۵،

حکم نکالا ہے، یا حدیث سے؟ حضرت ابیؓ نے کہا حدیث سے، وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے جب بیت المقدس کی عمارت بنوائی تو اس کی ایک دیوار جو کسی دوسرے کی زمین پر بنوائی تھی گر پڑی، حضرت سلیمانؑ کے پاس وحی آئی کہ اس سے اجازت لے کر بنائے، حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے، لیکن حضرت عباسؓ کی غیرت اس کو کب گوارا کر سکتی تھی، اُنھوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں اس کو مسجد میں شامل کرتا ہوں،

سوید بن غفلہ، زید بن صوحان اور سلیمان بن ربیعہ کے ہمراہ کسی غزوہ میں گئے تھے، مقام عذیب میں ایک کوڑا پڑا ہوا تھا سوید نے اٹھا لیا، ان لوگوں نے کہا اسے پھینک دو، شاید کسی مسلمان کا ہو، اُنھوں نے کہا میں ہرگز نہ پھینکوں گا، پڑا رہے گا تو بھیڑئیے کی غذا ہے اس سے تو بہتر ہے کہ میں اسے کام میں لاؤں، اس کے کچھ دنوں بعد سوید حج کے ارادہ سے روانہ ہوئے، راستہ میں مدینہ طیبہ پڑتا تھا، حضرت ابیؓ کے پاس گئے، اور کوڑے والا واقعہ بیان کیا، حضرت ابیؓ نے کہا کہ اس قسم کا واقعہ مجھکو بھی پیش آچکا ہے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ۱۰۰ دینار (۵۰۰ روپئے) پائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ سال بھر تک لوگوں کو خبر کرتے رہو، سال گذرنے کے بعد فرمایا کہ روپئے کی تعداد تھیلی کا نشان وغیرہ یاد رکھنا اور ایک سال تک اور انتظار دیکھنا، اگر کوئی اس نشان کے موافق طلب کرے تو اس کے حوالہ کرنا ورنہ وہ تمھارا ہو چکا،[۱]

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ارادہ کیا کہ حج تمتع سے لوگوں کو روک دیں، حضرت ابیؓ نے کہا آپ کو اس کا کوئی اختیار نہیں، پھر ارادہ کیا کہ حیرہ کے حلے پہننے سے منع کریں کیونکہ اس کے رنگ میں پیشاب کی آمیزش ہوتی تھی حضرت ابیؓ نے کہا اس کے بھی آپ مجاز نہیں،

[۱] کنز العمال ص ۲۲۷ ج ۴،

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہنا ہے اور ہم لوگوں نے بھی پہنا ہے، (یہ فتویٰ عموم بلویٰ کی بنا پر تھا)

طرز استنباط معلوم کرنے کے بعد فقہ ابی کے چند مسائل بھی سُن لینا چاہئیں،

کتاب الصلوٰۃ حضرت ابیؓ قرأت خلف الامام کے قائل تھے، مگر اس کی یہ صورت تھی کہ ظہر اور عصر کی فرض نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے، عبداللہ بن ابی ہذیل نے پوچھا کہ آپ قرأت کرتے ہیں فرمایا ہاں[1]،

حضرت ابیؓ کا یہ استدلال قرآن مجید کے ظاہری الفاظ کی بنا پر تھا، قرآن میں ہے، واذ قُرِی القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، ظاہر ہے کہ قرأت سری میں جو ظہر و عصر میں ہوتی ہے، قرآن کو کس طرح سنا جا سکتا ہے، اس لئے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ قرأت سری میں مقتدی قرأت کرے، اور جہری میں خاموش کھڑا رہے۔

ایک شخص مسجد میں کسی گم شدہ چیز پر شور کر رہا تھا، حضرت ابیؓ نے دیکھا تو غصہ ہوئے اس نے کہا میں فحش نہیں بکتا، انھوں نے کہا یہ ٹھیک ہے، مگر مسجد کے ادب کے یہ بات منافی ہے[3]،

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے اور سورہ برأت تلاوت فرمائی تھی یہ سورہ حضرت ابو درداءؓ اور ابو ذرؓ کو معلوم نہ تھی، اثنائے خطبہ میں حضرت ابیؓ سے اشارہ سے پوچھا کہ یہ سورہ کب نازل ہوئی میں نے تو اب تک نہیں سنی تھی حضرت ابیؓ نے اشارہ سے کہا خاموش رہو، نماز کے بعد جب اپنے گھر جانے کیلئے اٹھے تو دونوں

---

[1] مسند احمد صفحہ ۱۴۰ ج ۵ [3] کنز العمال صفحہ ۲۵۴ [3] ایضاً صفحہ ۲۶ ج ۴۔

بزرگوں نے حضرت ابیؓ سے کہا کہ تم نے ہمارے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا، آج تمہاری نماز بیکار گئی اور وہ بھی محض ایک لغو حرکت کی وجہ سے، یہ سن کر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے اور بیان کیا کہ ابیؓ ایسا کہتے ہیں، آپ نے فرمایا سچ کہتے ہیں[1]،

کتاب الحدود | حضرت ابیؓ زنا کی سزا کے متعلق کہا کرتے تھے کہ تین قسم کے لوگوں کے لئے تین قسم کے حکم ہیں، کچھ لوگ سزائے تازیانہ اور سنگساری دونوں کے مستحق ہیں، کچھ فقط سنگساری کے اور کچھ صرف تازیانہ کے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی والے بوڑھے کو زنا کرنے کی صورت میں تازیانہ اور رجم دونوں، بیوی والے جوان کو محض رجم، اور بے بیوی والے جوان کو فقط کوڑے لگائے جائیں،

شیب کے متعلق حضرت ابیؓ کا خیال تھا کہ قرآن مجید کی رو سے اسکو کوڑے مارے جائیں، اور سنت کے لحاظ سے سنگسار کیا جائے[2]، حضرت علیؓ بھی اسی خیال کے مؤید تھے،

باب الاشربہ | نبیذ (چھوہاروں کا شربت) کی حلت پر عموماً علمائے اسلام متفق ہیں، لیکن ابیؓ سے اس کے متعلق ایک خاص اثر مروی ہے، ایک شخص نے نبیذ نوشی کے متعلق استفسار کیا، حضرت ابیؓ نے کہا نبیذ میں رکھا کیا ہے، پانی پیو، ستو پیو، دودھ پیو، سائل نے کہا شاید آپ نبیذ نوشی کے موافق نہیں، انھوں نے کہا شراب نوشی کی کیسے موافقت کرسکتا ہوں[3]،

ان مسائل کو غور سے پڑھو تو معلوم ہوگا کہ فقہائے صحابہ میں، اجتہاد مسائل اور استنباط احکام کی حیثیت سے، حضرت ابیؓ کا رتبہ بھی نہایت بلند تھا،

---

[1] کنز العمال ج۷ ص۲۵ و مسند احمد ج۵ ص۱۴۳ [2] ج۵ ص۱۲۲ کنز العمال ج۳ ص۹۱ [3] ج۵ ایضاً ص۱۲۳،

لکھنا جانتے تھے حضرت ابی رضؓ لکھنا بھی جانتے تھے، اور یہ اس زمانہ میں نعمت غیر مترقبہ تھی، چنانچہ وحی کی اکثر آیتیں وہی لکھتے تھے، مدینہ منورہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وحی لکھنے کا سب سے پہلے انہی کو شرف حاصل ہوا،

اس زمانہ تک کتاب یا قرآن کے اخیر میں کاتب کا نام لکھنے کا دستور نہ تھا، سب سے اول حضرت ابی رضؓ نے اس کی ابتدا کی بعد میں اور بزرگوں نے بھی اس کی تقلید کی،

حب رسول بدعات سے اجتناب، جرأت اظہار حق، یہ اوصاف حضرت ابی رضؓ میں خاص طور پر موجود تھے، عبادت الٰہی کا ذوق و شوق ایک مرتبہ اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ حضرت ابی رضؓ تمام علائق ظاہری سے قطع تعلق کے زاویۂ روحانیت میں معتکف ہو گئے تھے،

رات کی ہولناک تاریکی میں جب کہ تمام کائنات بستر راحت پر سرمست نشۂ خواب ہوتی تھی، وہ اپنے گھر کے ایک گوشہ میں معبود برحق کی عظمت و جلال کے تصور سے سرتا پا عجز و نیاز ہوتے تھے، زبان پر کلام الٰہی رواں ہوتا تھا، اور آنکھوں کی اشک باری ان کے کشت عبادت کو سیراب کرتی تھی،

قرآن مجید تین راتوں میں ختم کرتے تھے، رات کے ایک حصہ میں درود و سلام کا ورد کرتے تھے،

محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ استن حنانہ کو اپنے گھر میں بطور تبرک رکھ لیا تھا، اور جب دیمک نے چاٹ کر اس کو راکھ نہ کر دیا، حضرت ابی رضؓ نے اس کو مکان سے علیحدہ نہ کیا،[۱]

بدعات سے اس قدر اجتناب تھا کہ جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس عہد میں نہ ہوئی تھیں، انکا ارتکاب نہایت قبیح سمجھتے تھے، حضرت عمر رضؓ اپنے خلافت کے زمانہ میں

---

[۱] مسند احمد بن حنبل ج ۵،

مسجد نبوی میں آئے، تراویح کا وقت تھا، لوگ الگ الگ نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اس کو باجماعت کر دیں، حضرت ابیؓ سے کہا آپ کو امام بناتا ہوں آپ تراویح پڑھایا کیجئے، حضرت ابیؓ نے کہا جو بات پہلے نہیں کی ہے اس کو کیسے کر سکتا ہوں؟ حضرت عمرؓ نے کہا میں یہ جانتا ہوں، لیکن یہ کوئی بری بات نہیں ہے[1]،

ان کا قلب مزکا صغائر کی خفیف سی گرد کا بھی متحمل نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ ہم لوگ بیمار ہوتے ہیں یا اور تکلیفیں اٹھاتے ہیں، اس میں کچھ ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، حضرت ابیؓ موجود تھے، پوچھا چھوٹی تکلیفیں بھی گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہیں، حضور نے فرمایا ایک کانٹا تک کفارہ ہے، حضرت ابیؓ کا جوش ایمان اب اندازہ سے باہر تھا، عذاب و ثواب کا تصور آتش زیر پا بنا چکا تھا، خدا کی قہاریت و جباریت کی تصویر آنکھوں میں پھر رہی تھی، اسی بے اختیاری کے عالم میں زبان سے نکلا! کاش مجھے ہمیشہ تپ چڑھی رہتی، لیکن حج عمرہ، جہاد اور نماز باجماعت ادا کرنے کے قابل رہتا، دعا قلب صمیم سے نکلی تھی حریم اجابت تک پہونچی، حرارت کی ایک خفیف مقدار رگ و پے میں سرایت کر گئی، چنانچہ جب جسد اطہر پر ہاتھ رکھا جاتا تھا، حرارت معلوم ہوتی تھی،

---

[1] کنز العمال ص ۲۸۴ ج ۴،

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ

نام ونسب اور ابتدائی حالات: زید نام، ابوطلحہ کنیت، خاندان نجار کی شاخ عمرو بن مالک سے ہیں، جن کے افراد شہر یثرب میں معزز حیثیت رکھتے تھے، نسب نامہ یہ ہے، زید بن سہل ابن اسود بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن مالک بن النجار، والدہ کا نام عبادہ ہے اور وہ مالک بن عدی بن زید بن مناۃ کی بیٹی تھیں حضرت ابوطلحہؓ کے جدی رشتہ میں تھے، قبیلہ عمرو بن مالک مسجد نبویؐ سے غربی جانب باب الرحمۃ کی طرف سکونت پذیر تھا، اور حضرت ابوطلحہؓ اپنے زمانہ میں اس قبیلہ کے رئیس تھے،

قبل از اسلام ابوطلحہؓ عام اہل عرب کی طرح بت پرست تھے اور بڑے اہتمام سے شراب پیتے تھے، اور اس کے لئے ان کے ندیموں کی ایک مجلس تھی[1]

اسلام: ابھی زمانہ شباب کا آغاز تھا یہ مشکل بیس سال کی عمر ہوگی کہ آفتاب نبوت طلوع ہوا، حضرت ابوطلحہؓ نے ام سلیمؓ (حضرت انسؓ کی والدہ ماجدہ) کو نکاح کا پیغام دیا، اور انھوں نے اسلام کی شرط کے ساتھ نکاح کو وابستہ کردیا، جس کا آخری اثر یہ مترتب ہوا کہ ابوطلحہ دین حنیف قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے، یہ وہ وقت تھا جب حضرت مصعب بن عمیرؓ اسلام کے پرجوش داعی شہر یثرب میں دین اسلام کی تبلیغ کررہے تھے، مدینہ کا جو مختصر قافلہ بیعت کے لئے روانہ ہوا تھا اس میں حضرت ابوطلحہؓ بھی شامل تھے،

---

[1] بخاری ص ۶۶۵ ج ۲

اس بیعت میں حضرت ابو طلحہؓ کو مزید شرف یہ حاصل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انصار کا نقیب تجویز فرمایا،

مواخاۃ | بیعت کے چند مہینوں کے بعد خود حامل وحیؑ نے مدینہ کا ارادہ فرمایا اور یہاں مہاجرین و انصار میں اسلامی برادری قائم کی، مہاجرین میں سے حضرت ابو طلحہؓ انصاری کا جن کو بھائی بنایا گیا وہ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح قریشی تھے، جن کو پختگی ایمان کی بدولت دربار رسالت سے امین الامۃ کا خطاب عطا ہوا تھا، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی،

غزوات | غزوۂ بدر اسلام کی تاریخ میں پہلا غزوہ ہے، حضرت ابو طلحہؓ نے اس میں کافی حصہ لیا تھا، بدر کے بعد غزوۂ احد واقع ہوا، وہ حضرت ابو طلحہؓ کی جانبازی کی خاص یادگار ہے معرکہ اس شدت کا تھا کہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھڑ گئے تھے لیکن حضرت ابو طلحہ رضؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈھال آڑ کئے سینہ تانے کھڑے تھے کہ آپ کی طرف جو تیر آئے اس کا آماج گاہ خود بنیں[۱] اور نہایت جوش میں یہ شعر پڑھ رہے تھے،

نفسی لنفسک الفداء ووجھی لوجھک الوقاء

میری جان آپ کی جان پہ قربان! اور میرا چہرہ آپ کے چہرہ کی سپر ہو

اور تیر دان میں سے تیر نکال کر ایسا جوڑ کر مارتے کہ مشرکوں کے جسم میں پیوست ہو جاتا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تماشا دیکھنے کے لئے سر اٹھاتے تو حضرت ابو طلحہؓ حفاظت کے لئے سامنے آجاتے اور کہتے نحری دون نحرک میرا گلہ آپ کے گلے کے پہلے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جان نثاری اور سرفروشی سے خوش ہو کر فرماتے فوج میں ابو طلحہؓ کی

---

[۱] مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۵ و ۲۸۶ مسند حضرت انس بن مالکؓ، بخاری ص ۲۷۹،

آواز سو آدمی سے بہتر ہے[1]

حضرت ابو طلحہؓ نے احد میں نہایت پامردی سے مشرکین کا مقابلہ کیا، وہ بڑے تیرانداز تھے، اس دن دو تین کمانیں ان کے ہاتھ سے ٹوٹیں، اس وقت ان کے سامنے دو قسم کے خطرے تھے ایک مسلمانوں کی شکست کا خیال، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا مسئلہ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و پیش اس وقت صرف چند آدمی رہ گئے تھے حضرت ابو طلحہؓ نے اس جان نثاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی کہ جس ہاتھ سے بچاؤ کرتے تھے وہ شل ہو گیا، مگر انھوں نے اُف نہ کی،

غزوۂ خیبر میں حضرت ابو طلحہؓ کا اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کے بالکل برابر تھا، اس غزوہ میں بھی وہ اس حیثیت سے نمایاں ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے کے گوشت کھانے کی ممانعت کرنا چاہی تو منادی کرنے کے لئے ان ہی کو مخصوص فرمایا[2]

غزوۂ حنین میں حضرت ابو طلحہؓ نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے، ۲۰-۲۱ کافروں کو قتل کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جو شخص جس آدمی کو مارے اس کے سارے اسباب کا مالک سمجھا جائیگا، چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے بیس اکیس آدمیوں کا سامان حصہ میں حاصل کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں یہ اخیر غزوہ تھا، اور ۸ھ میں واقع ہوا تھا،

عام حالات | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت ابو طلحہؓ اپنے مکان میں تھے، ادھر مسجد نبویؐ میں صحابہؓ میں گفتگو ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کون بنائے

---

[1] مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۶ [2] بخاری کتاب المغازی [3] مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۱

کرے، مدینہ میں بغلی اور مکہ میں صندوقی قبروں کا رواج تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغلی قبر پسند فرماتے تھے، مسلمانوں میں دو شخص قبریں کھودتے تھے، مہاجرین میں ابو عبیدہ اور انصار میں حضرت ابو طلحہؓ حضرت ابو عبیدہؓ صندوقی اور حضرت ابو طلحہؓ بغلی بناتے تھے اس لئے دونوں کے پاس آدمی بھیجا گیا، اور یہ رائے قرار پائی کہ جو پیشتر پہونچے، اس شرف کو حاصل کرے، اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی بغلی کی تھی بہت سے مسلمان دست بدعا تھے کہ مہاجری کے آنے میں دیر ہو اور ابو طلحہ جلد آجائیں، یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت ابو طلحہؓ پہونچ گئے اور اپنے ہاتھ سے بغلی قبر کھودی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بہت سے صحابہؓ نے مدینہ کی سکونت ترک کردی تھی اور شام چلے گئے تھے، حضرت ابو طلحہؓ بھی ان ہی غمزدوں میں داخل تھے، لیکن جب زیادہ پریشانی بڑھتی تو آستانہ نبوت کا رخ کرتے، اور مہینوں کا سفر طے کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر حاضر ہوتے اور تسلی کا سرمایہ حاصل کرتے،

حضرت ابو بکرؓ کا عہد خلافت، حضرت ابو طلحہؓ نے شام میں گذارا، حضرت فاروقؓ کے زمانہ خلافت کا بیشتر حصہ بھی وہیں بسر ہوا، البتہ حضرت فاروقؓ کی وفات کے قریب وہ مدینہ میں تشریف فرما تھے حضرت فاروق اعظمؓ کو ان کی ذات پر جو اعتماد اور ان کی منزلت کا جو خیال تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ جب انھوں نے ۶ آدمیوں کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تو حضرت ابو طلحہؓ کو بلا کر کہا کہ آپ لوگوں کے سبب سے خدا نے اسلام کو عزت دی آپ انصار کے ۵۰ آدمی لیکر ان لوگوں پر متعین رہئے، اگر چار آدمی ایک طرف ہوں اور دو مخالفت کریں تو دو کی گردن مار دیجئے، اور اگر پلہ برابر ہو تو اس فریق کو قتل کیجئے جس میں عبدالرحمن بن عوفؓ نہ ہوں، اور اگر تین دن گذر جائیں اور کوئی فیصلہ نہ ہو تو سب کے

سر اُڑا دیجئے،

غرض مسور بن مخرمہ کے گھر میں ان چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ قائم ہوئی اور حضرت ابوطلحہؓ دروازہ پر حفاظت کے لئے کھڑے ہوئے، بنو ہاشم شروع سے اس مشورہ کے خلاف تھے، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چاہتے تھے، اس لئے حضرت عباسؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آہستہ سے کہا کہ آپ اپنا معاملہ ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ دیجئے، اپنا خود فیصلہ کیجئے، حضرت علیؓ نے اس کا کچھ جواب دیا، حضرت ابوطلحہؓ پاس کھڑے یہ باتیں سن رہے تھے، حضرت علیؓ کی ان پر نظر پڑی تو کچھ خیال پیدا ہوا، حضرت ابوطلحہؓ نے کہا لم ترع ابا الحسن! اے ابوالحسن خوف نہ کیجئے،

اسی طرح ایک دن جلسہ کے وقت عمرو بن العاصؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ بھی پہونچے اور دروازہ پر بیٹھ گئے، حضرت ابوطلحہؓ نے کچھ نہ کہا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جھلا اٹھے، وہ تھے، ان سے نہ رہا گیا، کنکری مار کر بولے، یہ لوگ اس لئے آئے ہیں کہ مدینہ میں مشہور کر دیں گے کہ ہم بھی اصحاب شوریٰ میں تھے، کنکری مارنے پر عمروؓ اور مغیرہؓ بھی برہم ہوئے اور بات بڑھنے لگی، حضرت ابوطلحہؓ نے کہا، "مجھے خوف ہے کہ آپ لوگ ان جھگڑوں میں الجھ کر اصل مسئلہ کو چھوڑ بیٹھیں! اس ذات کی قسم جس نے عمرؓ کو وفات دی! میں تین دن سے زیادہ کبھی مہلت نہ دونگا، پھر گھر میں بیٹھ کر تماشا دیکھوں گا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں؟"

اس کے بعد حضرت ابوطلحہؓ نے نہایت خاموش زندگی گذاری، اور عبادت الٰہی میں زندگی کے بقیہ ایام بسر کئے،

خانگی حالات | حضرت ابوطلحہؓ کے خانگی حالات میں دو چیزیں بہت نمایاں ہیں، نکاح اور اولاد، ان کا نکاح حضرت ام سلیمؓ سے ہوا تھا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ مالک بن نضر (حضرت انسؓ

سکے والد ہجرت نبوی سے قبل اپنی بیوی (ام سلیم سے ان کے اسلام قبول کرنے پر ناراض ہو کر شام چلے گئے تھے، وہاں انھوں نے انتقال کیا، حضرت ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ کو پیام دیا، انھوں نے کہا کہ میں تمھارا پیام رد نہیں کرتی لیکن تم کافر ہو اور میں مسلمان، میرا نکاح تمھارے ساتھ جائز نہیں، اگر تم اسلام قبول کر لو تو مجھے نکاح میں عذر نہ ہوگا، اور وہی میرا مہر ہوگا، حضرت ابو طلحہؓ مسلمان ہوگئے اور اسلام مہر قرار پایا، ثابت کہتے ہیں کہ میں نے کسی عورت کا مہر ام سلیمؓ سے افضل نہیں سنا،

حضرت ام سلیمؓ سے حضرت ابو طلحہؓ کی کئی اولادیں ہوئیں، لیکن سوائے عبد اللہ کے کوئی زندہ نہ رہا، حضرت ابو طلحہؓ کے ایک بیٹے کا نام ابو عمیر تھا، اس نے بچپن میں ایک لال پالا تھا، اتفاق سے لال مر گیا، اس کو نہایت غم ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسلم کے گھر تشریف لائے تو اس کو غمگین پا کر لوگوں سے پوچھا، آج یہ سست کیوں ہے؟ لوگوں نے واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہنسانے کے لئے فرمایا یا ابا عمیر ما فعل النغیر یعنی اے عمیر لال کہاں گیا؟

ایک اور لڑکا تھا جو کچھ دنوں بیمار رہ کر مر گیا، اس کی وفات کا واقعہ نہایت پر اثر ہے، ایک دن اس کی بیماری کے زمانہ میں حضرت ابو طلحہ مسجد نبویؐ آگئے اور ادھر وہ فوت ہو گیا، ام سلیمؓ نے اس کو دفن کروا دیا، اور گھر والوں سے تاکید کی کہ ابو طلحہؓ سے اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا، ابو طلحہؓ مسجد سے آئے تو کچھ صحابہؓ ساتھ تھے، پوچھا لڑکا کیسا ہے؟ ام سلیمؓ نے کہا پہلے سے اچھا ہے! ابو طلحہؓ صحابہؓ سے باتیں کرتے رہے کہ کھانا آیا، سب نے کھایا، جب صحابہؓ چلے گئے تو ابو طلحہؓ اندر آئے، اور رات کو میاں بیوی نے ایک بستر پر آرام کیا، اخیر رات میں ام سلیمؓ نے لڑکے کی وفات کا ذکر کیا اور کہا کہ خدا کی امانت تھی، اس نے

لے لی، اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے، ابو طلحہؓ نے انا للہ پڑھا اور صبر کیا (یہ واقعہ بخاری اور مسلم میں موثر اور مختلف طور پر مذکور ہے)

اس لڑکے کے بعد عبداللہ پیدا ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گھٹی دی، یہ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں پر فضیلت رکھتے تھے، ان ہی سے حضرت ابو طلحہؓ کی نسل چلی، ان کے دو بیٹے تھے، اسحاق اور عبداللہ اور اسحاق کے صاحبزادے یحییٰ تھے، اور یہ سب اپنے عہد میں مرجع انام اور علم حدیث کے امام تھے،

حلیہ حضرت ابو طلحہؓ کا حلیہ یہ تھا، رنگ گندم گوں، قد متوسط، سر اور داڑھی سفید، خضاب نہیں کرتے تھے) چہرہ نورانی،

وفات عمر شریف ۷۰ سال کی ہوئی تو پیغام اجل آیا، حضرت ابو طلحہؓ کی وفات کا قصہ بھی عجیب ہے، ایک دن سورۂ برأت تلاوت فرما رہے تھے، جب اس آیت انفروا خفافا وثقالا پر پہنچے، تو ولولۂ جہاد تازہ ہوا، گھر والوں سے کہا کہ خدا نے بوڑھے اور جوان سب پر جہاد فرض کیا ہے، میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، سفر کا انتظام کرو (دو مرتبہ کہا) بڑھاپے کے علاوہ روزے رکھتے رکھتے نہایت نحیف اور لاغر ہو گئے تھے، گھر والوں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے! عہد نبویؐ کے کل غزوات میں شریک ہو چکے، ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں برابر جہاد کیا، اب بھی جہاد کی حرص باقی ہے، آپ گھر میں بیٹھئے، ہم لوگ آپ کی طرف سے غزوہ میں جائیں گے، حضرت ابو طلحہؓ بھلا کب رک سکتے تھے، شہادت کا شوق انکو اپنی طرف کھینچ رہا تھا، بولے جو میں کہتا ہوں اس کی تعمیل کرو، گھر والوں نے چار و ناچار سامان سفر درست کیا، اور یہ ستر برس کا بوڑھا مجاہد خدا کا نام لے کر چل کھڑا ہوا، غزوہ بحری تھا اور اسلامی بیڑہ روانہ ہونے والا تھا، حضرت ابو طلحہؓ جہاز پر سوار ہوئے اور غزوہ

کے منتظر تھے کہ ساعت مقررہ آپہونچی اور ان کی روح عالم قدس کو پرواز کر گئی،

بحری سفر تھا زمین کہیں نظر نہ آتی تھی ہوا کے جھونکے جہاز کو غیر معلوم سمت میں لئے جا رہے تھے، اس مجاہد فی سبیل اللہ کی لاش غربت کی حالت میں جہاز کے تختہ پر بے گور و کفن پڑی رہی، آخر ساتویں روز جہاز خشکی پر پہنچا، اس وقت لوگوں نے لاش کو ایک جزیرہ میں اتر کر دفن کیا، لاش بعینہ صحیح و سالم تھی،

سنہ وفات میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ۳۱ھ اور بعض کے قول کے مطابق ۳۴ھ سال وفات ہے، لیکن اس میں زیادہ صحیح روایت حضرت انسؓ کی ہے، اس کے رو سے ۵۱ھ میں حضرت ابو طلحہؓ نے انتقال فرمایا،

فضل و کمال فضل و کمال میں حضرت ابو طلحہؓ کو خاص رتبہ حاصل ہے، علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو بڑے پایہ کے محدث تھے، اصابہ میں حضرت ابو طلحہؓ کے فضل و کمال کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے کہ وہ فضلائے صحابہ میں تھے،

روایت میں نہایت احتیاط کرتے تھے، ان کی احادیث مرویہ میں مسائل یا غزوات کا ذکر ہے، فضائل اعمال کا بیان نہیں، باوجودیکہ وہ مدت دراز تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے ممتاز رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک عرصہ تک زندہ رہے لیکن روایتوں کی مجموعی تعداد (۹۲) سے زیادہ نہ ہو سکی، اس کا اصلی باعث بیان حدیث میں احتیاط تھی،

حسب ذیل روایات ان کے علمی پایہ کو نمایاں کرتی ہیں،

حدیث شریف میں وارد ہے لاتدخل الملئکۃ بیتاً فیہ صورۃ یعنی جس گھر میں تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں آتے،

حضرت ابو طلحہؓ کی بیماری میں عقیدت مندوں کا ایک گروہ عیادت کو آیا تو دیکھا کہ دروازہ پر ایک پردہ پڑا ہے، جس میں تصویر بنی ہوئی ہے آپس میں گفتگو شروع ہوئی، زید بن خالد بولے کل تو تصویر کی ممانعت پر حدیث بیان کی تھی، عبید اللہ خولانی سے کہا ہاں لیکن یہ بھی تو کہا تھا کہ کپڑے پر جو تصویر ہو وہ اس میں داخل نہیں[1]،

ایک دن حضرت ابو طلحہؓ کھانا نوش فرما رہے تھے، دستر خوان پر حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت انس بن مالکؓ بھی تھے، کھانا کھا کر حضرت انسؓ نے وضو کے لئے پانی مانگا، دونوں بزرگوں نے کہا شاید گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کا خیال پیدا ہوا ہے؟ حضرت انسؓ نے کہا جی ہاں، اس پر فرمایا کہ تم طیبات کھا کر وضو کی ضرورت سمجھتے ہو' حالانکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کی حاجت نہیں سمجھتے تھے[2]،

ایک دن حضرت ابو طلحہؓ نے نفل کا روزہ رکھا تھا، اتفاق سے اسی دن برف پڑی وہ اٹھے اور اولے چن کر کھانے لگے، لوگوں نے کہا روزے میں آپ اولے کھا رہے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ یہ برکت ہے جس کا حاصل کرنا ضروری ہے[3]،

حضرت ابو طلحہؓ کو شعر وسخن کا بھی ذوق تھا، میدان جنگ میں تم نے ان کو رجز پڑھتے سنا ہو گا، یہ شعر انہی کا ہے،

انا ابو طلحة واسمی زید وکل یوم فی سلاحی صید

اخلاق حضرت ابو طلحہؓ کا سب سے بڑا اخلاقی جوہر حب رسول ہے، ایسی حالت میں کہ تمام مسلمان جنگ کی شدت سے مجبور ہو کر میدان میں منتشر ہو گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] حدیث ابو طلحہؓ ص۲۸، مسند احمد ج ۴ [2] ایضاً ص [3] ایضاً ج ۳ ص ۲۷۹، (مسند انسؓ)

کے پاس معدودے چند صحابہ باقی رہ گئے تھے، حضرت ابوطلحہؓ کا اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے کے لیے بڑھنا، اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر کفار کے وار سہنا، حامل نبوت پر جو تیر آئے ان کو اپنے سینے پر روکنا اور آخر اسی حالت میں اپنا ہاتھ بیکار کر دینا، حب رسول کا وہ لازوال نشان ہے، جو ابد تک نہیں مٹ سکتا،

اسی محبت کا اثر تھا کہ حضرت ابوطلحہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص خصوصیت رکھتی، وہ عموماً تمام معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اور ان کا اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کے برابر چلتا تھا، غزوہ خیبر سے واپسی کے وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر سوار تھیں، مدینہ کے قریب پہونچ کر ناقہ ٹھوکر کے گر گری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صفیہؓ زمین پر آرہے حضرت ابوطلحہؓ سواری سے فوراً کود پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچ کر پوچھا یا رسول اللہ جعلنی اللہ فداك چوٹ تو نہیں آئی؟ حضور نے فرمایا نہیں مگر عورت کی خبر لو، حضرت ابوطلحہؓ منہ پر رومال ڈال کر حضرت صفیہؓ کے پاس پہنچے، اور ان کا کجاوا درست کر کے اونٹ پر بٹھایا۔[1]

اسی طرح ایک مرتبہ مدینہ میں دشمنوں کا کچھ خوف معلوم ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہؓ کا گھوڑا جس کا نام مندوب تھا مستعار مانگا اور سوار ہو کر جس طرف اندیشہ تھا، روانہ ہوئے، حضرت ابوطلحہؓ پیچھے پیچھے چلے، لیکن ابھی پہونچنے نہ پائے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، راستہ میں ملاقات ہوئی، فرمایا وہاں کچھ نہیں، اور تمہارا گھوڑا بہت تیز رفتار ہے!۔

حضرت ابوطلحہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت تھی اس کا اثر چھوٹی چھوٹی چیزوں میں

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۳ صفحہ ۱۸۱، (مسند انس)

بھی ظاہر ہوتا تھا، جب ان کے گھر میں کوئی چیز آتی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت انسؓ ایک خرگوش پکڑ لائے حضرت ابو طلحہؓ نے اس کو ذبح کیا، اور ایک ران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجدی آپ نے یہ حقیر لیکن پرخلوص نذر قبول کرلی[۱]، اسی طرح ام سلیمؓ نے ایک طباق میں خرمے بھیجے حضورؐ نے قبول فرماکر ازواج مطہرات اور صحابہ میں تقسیم کیے[۲]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس محبت کی نہایت قدر فرماتے تھے، چنانچہ جب آپ حج کے لیے مکہ تشریف لے گئے اور منی میں حلق کرایا تو سر مبارک کے داہنے طرف کے بال تو اور لوگوں میں تقسیم ہوگئے اور بائیں طرف کے کل موئے مبارک حضرت ابو طلحہؓ کو مرحمت فرمائے، حضرت ابو طلحہؓ اس قدر خوش ہوئے کہ گویا دونوں جہان کا خزانہ ہاتھ آگیا،

اسی طرح جب عبد اللہ بن ابی طلحہؓ پیدا ہوئے تو حضرت ابو طلحہؓ نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، آپ نے کچھ چھوہارے چبا کر اس سے لڑکے کو گھٹی دی، لڑکے نے مزے سے اس آب حیواں کی گھٹی لی، اور چھوہارے کو مسوڑھے سے دابنے لگا حضور نے فرمایا، دیکھو انصار کو چھوہاروں سے فطری محبت ہے، اس لڑکے کا نام آنحضرت صلی اللہ نے عبد اللہ رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک دعا کا اثر تھا کہ حضرت عبد اللہ تمام نوجوانان انصار پر فوقیت رکھتے تھے[۳]۔

جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ شراب حرام ہونے سے قبل ایک روز صبح جو چھوہارے کی نبیذ پی رہے تھے، کہ اسی حالت میں ایک شخص نے آکر خبر دی کہ شراب حرام ہوگئی، یہ سن کر حضرت انسؓ سے کہا تم اس گھڑے کو توڑ دو، انھوں نے توڑ دیا[۴]، جب یہ آیت

[۱] مسند احمد ج ۳ ص ۱۷۱ (مسند ابن انسؓ) [۲] ایضاً ص ۱۲۵ [۳] ایضاً ص ۲۵۶ (مسند انسؓ) [۴] بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۷

نازل ہوئی،

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون   جب تک تم ان میں سے خرچ نہ کرو جو

تم کو محبوب ہے نیکی نہیں پا سکتے،

تو امرائے انصار نے زکیں ان کی ... تو جن، اور جس کے پاس جو قیمتی چیزیں تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیں، حضرت ابو طلحہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بیرحا کو خدا کی راہ میں وقف کیا،

بیرحا ان کی نہایت قیمتی جائداد تھی، اس میں ایک کنواں تھا، اس کا پانی نہایت شیریں اور خوشگوار تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت شوق سے اس کو پیتے تھے، یہ اراضی حضرت ابو طلحہؓ کی ملک میں اور مسجد نبوی کے سامنے واقع تھی (بعد میں اس مقام پر قصر بنی حدیلہ بنایا تھا،

حضرت ابو طلحہؓ کے اس وقف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت محظوظ ہوئے اور فرمایا بخ بخ ذالک مال رائح ذالک مال رائح اور حکم دیا کہ اپنے اعزہ میں اس کو تقسیم کر دو، چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے اپنے بنی اعمام اور اقارب میں یعنی حسان بن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ میں تقسیم کر دیا[1]،

ایک مرتبہ ایک شخص آیا، اس کے قیام کا کوئی سامان نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو جو اپنے ہاں مہمان رکھے، اس پر خدا رحم کرے گا، حضرت ابو طلحہؓ نے اٹھ کر کہا میں لیے جاتا ہوں، گھر میں کھانے کو نہ تھا، صرف بچوں کے لیے کھانا پکا تھا، حضرت ابو طلحہؓ نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو سلا دو اور مہمان کے پاس بیٹھ کر چراغ گل کر دو، اس طور پر وہ کھانا کھا لیگا

[1] مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۱ (بخاری مسند انسؓ)

اور ہم بھی فرضی طور پر منہ چلاتے رہیں گے، غرض اس طرح اس کو کھلا کر تمام گھر فاقہ سے پڑ رہا، صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، تو آپ نے ان کی شان میں یہ آیت پڑھی جو اسی موقع پر نازل ہوئی تھی، ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ اور حضرت ابوطلحہؓ سے کہا رات تمھارے کام سے خدا کو بہت تعجب ہوا[1]،

حضرت ابوطلحہؓ کا ایک خاص وصف خلوص تھا، وہ شہرت پسندی، ریا اور نمود و نمائش سے دور رہتے تھے، بیرحا کو وقف کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قسم کھا کر کہا کہ یہ بات اگر چھپ سکتی تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا[2]،

انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۴۰ سال کی زندگی پائی، یہ تمام عمر روزوں میں بسر کی، عید اور بقرعید کے سوا ۴۰ برس میں کوئی دن ایسا نہ تھا (بجز بیماری کے ایام کے) جس میں وہ صائم نہ رہے ہوں،

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۸ [2] مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۵ (مسند انس)

حضرت ابو درداءؓ

نام ونسب اور ابتدائی حالات عویمر نام، ابو درداء کنیت، قبیلۂ خزرج کے خاندان عدی بن کعب سے ہیں نسب نامہ یہ ہے، عویمر بن زید بن قیس بن امیہ بن مالک بن عامر بن عدی بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر، والدہ کا نام محبۃ تھا، جو ثعلبہ بن کعب کے سلسلہ سے وابستہ تھیں،

بعثت نبوی کے زمانہ میں تجارت کسب معاش کا ذریعہ تھا، لیکن جب یہ شغل عبادت میں خلل انداز ہوا تو اس کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا اور رزاق کون ومکان کے سفرۂ عام پر آبیٹھے، بعد میں تجارت سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ فرماتے تھے مجھے اب ایسی دوکان بھی پسند نہیں جس میں ۴۰ دینار یومیہ نفع ہو، جس کو روزانہ صدقہ کرتا رہوں، اور نماز بھی نہ قضا ہوتی ہو، لوگوں نے کہا اس کا سبب؟ فرمایا قیامت کے حساب کا خوف ہے،

اسلام یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابو درداءؓ باایں ہمہ کمال عقل دوسرے اکابر انصار کے ایک سال بعد ۲ھ میں مشرف باسلام ہوئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اسلام تقلیدی نہ تھا، اجتہادی تھا، ممکن ہے کہ یہ ایک سال مزید غور وفکر، اور کاوش وتحقیق میں صرف ہوا ہو لیکن قبول اسلام میں یہ ایک سالہ تاخیر تمام عمر ان کے لیے تکلیف دہ رہی، فرمایا کرتے تھے "ایک گھڑی کی خواہش نفس، دیرپا غم پیدا کرتی ہے"،

غزوات اور عام حالات غزوۂ بدر میں وہ مسلمان نہ تھے، اس لیے اس میں شریک نہ تھے،

غزوہ احد حالت ایمان میں پیش آیا، اس میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا، گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شجاعت وبسالت کو دیکھ کر فرمایا نعم الفارس عویمر یعنی عویمر کس قدر اچھے سوار ہیں۔

احد کے علاوہ دیگر غزوات اور مشاہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ابو درداء کا اسلامی بھائی تجویز فرمایا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو درداءؓ مدینہ کی سکونت ترک کر دی کہ یہاں ہر وقت آپ کی یاد تازہ رہتی تھی، نیز ملک بملک علم اسلام کی اشاعت وارثان نبوت کا فرض تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے یہ بھی سنا تھا کہ فتنہ کی آندھی میں ایمان کا چراغ شام میں محفوظ رہے گا، اس بنا پر شام کے دارالحکومت دمشق کی سکونت اختیار کی۔

ان کے ترک وطن کے سلسلہ میں یہ واقعہ لائق ذکر ہے کہ سفر کی تیاری کے بعد انھوں نے حضرت عمرؓ سے ترک وطن کی اجازت چاہی، انھوں نے کہا اجازت تو نہیں دیتا، ہاں اگر حکومت کی کوئی خدمت قبول کیجئے تو منظور کر سکتا ہوں۔ حضرت ابو درداءؓ نے کہا میں حاکم بننا ناپسند کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر اجازت کی امید فضول ہے حضرت ابو درداءؓ نے درخواست کی کہ حکومت کے بجائے لوگوں کو قرآن وحدیث سکھاؤنگا اور نماز پڑھاؤں گا۔ فرمایا یہ البتہ قبول ہے، چنانچہ اس ادائے فرض کی نیت سے شام کا سفر اختیار کیا،

دمشق میں ان کا وقت زیادہ تر درس وتدریس، احکام شریعت کی تلقین اور عبادت

---

[1] مسند حنبل ج ۵ ص ۱۹۹،

وریاضت میں گذرتا تھا، شام کے متوطن صحابہ کرام میں اکثر ایسے تھے جن کی زاہدانہ اور سادہ زندگی پر شام کی خصوصیات و تکلفات کا رنگ و روغن چڑھ گیا تھا، لیکن حضرت ابودرداءؓ برابر اپنی اصلی بے تکلفی و سادگی پر قائم رہے، حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا اور یزید بن ابی سفیان، عمرو بن عاصؓ اور ابو موسیٰؓ کے مکانوں پر جا کر ملاقات کی تو سب کے شاہانہ ٹھاٹھ دیکھے، حضرت ابودرداءؓ کے گھر پہنچے تو یہاں خدم وحشم، نقیب وچاؤش، تزک و احتشام، زینت و آرائش ایک طرف، مکان میں چراغ تک نہ تھا، کشور دین و ملت کا تاجدار تاریک مکان میں ایک کمبل اوڑھے پڑا تھا، حضرت عمرؓ نے یہ حالت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے پوچھا اس قدر عسرت سے زندگی گذارنے کا سبب کیا ہے؟ حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا میں ہم کو اتنا ساز وسامان رکھنا چاہیے جتنا ایک مسافر کے لیے درکار ہے، آہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم لوگ کیا سے کیا ہو گئے، اس پر اثر فقرہ کا یہ اثر ہوا کہ دونوں بزرگوں نے روتے روتے صبح کر دی،[۱]

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں تمام اکابر صحابہؓ کے نقد وظائف مقرر کر دیئے تھے مجاہدین بدر کی سب سے بڑی تنخواہ تھی، حضرت ابودرداءؓ مجاہدین بدر میں داخل نہ تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ بدریوں کے برابر مقرر کیا،

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی منظوری سے ان کو دمشق کا قاضی مقرر کیا، کبھی کبھی جب حضرت امیر معاویہؓ کو باہر جانے کی ضرورت پڑتی تو وہ ان کو اپنا قائم مقام بنا جاتے، دمشق میں قضا کا یہ پہلا عہدہ تھا،

---

[۱] کنز العمال ج ۷ صفحہ ۔۔ بحوالہ عسکری۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ عہد فاروقی کا ہے لیکن یہ صحیح نہیں، حافظ ابن عبدالبر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے،

اہل وعیال حضرت ابودرداءؓ کے ابواب فضائل میں یہ باب بھی قابل لحاظ ہے کہ ان کے حبالۂ نکاح میں دو بیویاں آئیں، اور دونوں فضل وکمال میں ممتاز تھیں، پہلی کا نام ام درداء کبریٰ خیرۃ بنت ابی حدرد اسلمی ہے، اور دوسری کا نام ام درداء صغریٰ ہجیمہ بنت حی وصابیہ تھا،

ام درداء کبریٰ، مشہور صحابیہ اور بڑی فقیہ، عقلمند اور عبادت گذار بی بی تھیں، ان سے حدیث کی کتابوں میں بہت سی روایتیں مروی ہیں۔

ام درداء صغریٰ صحابیہ نہ تھیں، شوہر کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہیں، امیر معاویہؓ نے نکاح ثانی کا پیام دیا تھا، لیکن قبول نہ کیا، اولاد کے نام حسب ذیل ہیں۔ بلال[۱]، یزید[۲]، درداء[۳]، نسیبہ[۴]،

بلال ابومحمد دمشقی، یزید اور خلفائے مابعد کے عہد میں دمشق کے قاضی تھے، عبدالملک نے اپنے زمانہ میں معزول کیا، ۹۲ھ میں وفات پائی،

درداء صفوان بن عبداللہ بن صفوان بن امیہ بن خلف قرشی سے منسوب تھیں، جو معزز تابعی اور مکہ کے ایک جلیل القدر خاندان کی یادگار تھے،

حلیہ حلیہ یہ تھا، جسم خوبصورت، ناک اٹھی ہوئی، آنکھیں شربتی، داڑھی، اور سر میں خضاب لگاتے تھے، جس کا رنگ سنہرا ہوتا تھا،

لباس عربی تھا، قلنسوہ ایک قسم کی ٹوپی پہنتے تھے، عمامہ باندھتے۔ تو اس کا شملہ پیچھے لٹکاتے تھے،

وفات اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت ابودرداءؓ مسافرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ہجرت کا

بتیسواں سنہ سال تھا کہ یہ ساغر کے ہر دان ہوا ہے عالم سے وطن مالوف کو سدھارا،

وفات کا واقعہ عجیب پُر اثر تھا، حضرت ابو درداؓ گریہ وزاری میں مصروف تھے، ام درداءؓ (بیوی کا نام ہے) نے کہا آپ صحابی ہوکر روتے ہیں؟ حضرت ابو درداؓ نے فرمایا کیوں نہ روؤں، خدا معلوم گناہوں سے کیونکر چھٹکارا ہو، اسی حالت میں بلالؓ کو بلایا، اور فرمایا دیکھو! ایک دن تم کو بھی یہ واقعہ پیش آنا ہے، اس دن کے لیے کچھ کر رکھنا، موت کا وقت قریب آیا تو جزع و فزع کی کوئی انتہا نہ تھی، ایمان کے متعلق کہا گیا ہے کہ خوف و رجا کے درمیان ہوتا ہے، حضرت ابو درداؓ پر خوف الٰہی کا نہایت غلبہ تھا، بیوی نے جو پاس بیٹھی تسکین دے رہی تھیں کہا تم موت کو محبوب رکھتے تھے، پھر اس وقت پریشانی کیوں ہے؟ فرمایا یہ سچ ہے، لیکن جس وقت سے موت کا یقین ہوا سخت پریشانی ہے، یہ کہہ کر روئے، پھر فرمایا یہ میرا آخیر وقت ہے، کلمہ پڑھاؤ، چنانچہ لوگ کلمہ کی تلقین کرتے رہے، اور حضرت ابو درداؓ اس کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ روح مطہر نے آخری سانس لی،

وفات سے کچھ دن پیشتر حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلامؓ ان کے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آئے تھے، لیکن اس وقت حضرت ابو درداؓ بستر مرض پر تھے، پوچھا کیسے آئے، عرض کیا، میرے والد اور آپ میں جو ارتباط تھا اس کی وجہ سے زیارت کو حاضر ہوا، فرمایا جھوٹ بھی کیا بری شے ہے لیکن جو شخص استغفار کرلے تو معاف ہو جاتا ہے[۱]۔

حضرت یوسفؓ ان کی وفات تک مقیم رہے، انتقال سے پہلے یوسف کو بلا کر کہا کہ لوگوں کو میری موت کی خبر کردو، اس خبر کا مشتہر ہونا تھا کہ آدمیوں کا طوفان امنڈ آیا گھر سے باہر تک آدمی ہی آدمی تھے، اندر اطلاع ہوئی تو فرمایا مجھکو یہاں سے باہر لے چلو،

---

[۱] مسند ۵۰ ج ۶

باہر آکر اٹھ کے بیٹھے اور تمام مجمع کو مخاطب کر کے ایک حدیث بیان کی، اللہ اکبر! اشاعت حدیث کا جوش اس وقت بھی قائم تھا،

فضل وکمال حضرت ابو درداءؓ کا شمار علمائے اصحاب میں ہے، صحابۂ کرام ان کو نگاہِ عظمت سے دیکھتے تھے،

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ دونوں باعمل عالموں کا کچھ ذکر کرو (معاذ اور ابو درداء) یزید بن معاویہ کا قول تھا کہ ابو درداءؓ کا علم و تفقہ بہت سے امراض (جہل) کو شفا بخشتا ہے، معاذ بن جبل نے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ ابو درداءؓ سے علم سیکھنا، کیونکہ ان کے پاس علم ہے، حضرت ابو ذر غفاریؓ نے ابو درداء سے خطاب کر کے کہا تھا کہ ماحملت ورقاء ولا اظلت خضراء اعلم منک یا ابا الدرداء یعنی زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے تم سے کوئی بڑا عالم نہیں، مسروق جو بڑے جلیل القدر تابعی اور اپنے زمانہ کے امام تھے، کہتے ہیں کہ میں تمام صحابہ کا علم چھ شخصوں میں مجتمع پایا، جس میں ایک ابو درداء ہیں، یہی سبب ہے کہ گو حجاز میں بڑے بڑے صحابہ مسند امامت پر متمکن تھے، تاہم وہاں سے بھی طالبین حق جوق در جوق ان کے آستانہ کا رخ کرتے تھے،

درس کے وقت تشنگان علم کا بڑا ہجوم رہتا تھا، مکان سے نکلتے تو طلبہ کا مجمع رکاب میں ساتھ ہوتا، ایک روز مسجد جا رہے تھے، پیچھے لوگوں کا اتنا اژدحام تھا کہ موکب شاہی کا دھوکا ہوتا تھا، اس مجمع کا ہر فرد کسی نہ کسی مسئلہ کا سائل ہو کر آیا تھا،

حضرت ابو الدرداءؓ کی تعلیم کا یہ طرز تھا کہ فجر کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں درس کے لیے بیٹھ جاتے تھے، شاگرد ان کے گرد ہوتے اور مسائل پوچھتے، وہ جواب عنایت فرماتے تھے،

---

[۱] مسند ج ۶ ص ۴۴۳،

درس قرآن حضرت ابو درداؓ اگرچہ فقہ و حدیث میں بھی ممتاز تھے، لیکن ان کا اصل سرمایہ قرآن مجید کا درس و تعلیم تھا، وہ ان لوگوں میں تھے جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورے قرآن کے حافظ تھے۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے شام میں قرآن مجید کی تعلیم و اشاعت کے لئے مامور فرمایا، دمشق کے جامع مسجد میں یہ قرآن کا درس دیتے تھے، اور گویا یہ قرآن کا ایک مدرسۂ اعظم بن گیا تھا، حضرت ابو درداؓ کے ماتحت اور مدرسین بھی تھے، طلبہ کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی۔ دور دور سے لوگ آ آکر شریک درس ہوتے تھے،

نماز صبح کے بعد دس دس آدمیوں کی علحدہ علحدہ جماعت کر دیتے تھے، اور ہر جماعت ایک قاری کے زیر نگرانی ہوتی تھی، قاری قرآن پڑھاتے اور خود ٹہلتے جاتے اور پڑھنے والوں کی طرف کان لگائے رہتے تھے، جب کسی طالب علم کو پورا قرآن یاد ہو جاتا تو اس کو خود اپنی شاگردی میں لے لیتے، یہ مدرسین جب طلبہ کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکتے تو وہ ہر کز درس کی طرف رجوع کرتے،

طلبہ کا درس میں اتنا ہجوم رہتا تھا کہ ایک روز شمار کرایا تو سولہ سو طالب العلم حلقۂ درس میں نکلے،

دار القرا کے ممتاز اصحاب میں ابن عامر یحصبی، ام درداء صغریٰ، خلیفہ بن سعد، راشد ابن سعد، خالد بن سعدان تھے، ان میں سے اول الذکر بزرگ ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں اہل مسجد کے رئیس تھے، ام درداء، حضرت ابو درداؓ کی زوجہ، قرأت میں یگانہ روزگار تھیں، قرأت کا فن اپنے شوہر سے سیکھا تھا، عطیہ بن قیس کلابی کو انہی نے قرأت سکھائی تھی، خلیفہ بن سعد کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ صاحب ابی الدرداؓ کہتے تھے، اور شام کے مشہور قاریوں میں ان کا شمار تھا، باقی بزرگوں کو یہ شرف حاصل تھا کہ انھوں نے خود حضرت ابو درداؓ کو

قرآن سنایا تھا، اور ان کے خاص تلامذہ میں داخل تھے،

تفسیر | علم تفسیر کا سرمایہ جن صحابہ سے جمع ہوا اگرچہ حضرت ابودرداؓ کا نام نامی ان میں شامل نہیں، تاہم ان میں سے متعدد آیتوں کی تفسیریں مروی ہیں، ان کا قول تھا کہ لا نفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقرآن وجوھا، یعنی انسان تاوقتیکہ قرآن میں مختلف پہلو پیدا نہ کرے فقیہ نہیں ہو سکتا،

مشکل آیتوں کے مطالب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرماتے تھے، ایک روز دریافت کیا یا رسول اللہ! الذین اٰمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا سے کیا مراد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رؤیائے صالحہ خواہ خود دیکھے یا کوئی دوسرا شخص اس کے متعلق دیکھے[1]

خود ابودرداؓ سے جب کسی آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ نہایت شافی جواب دیتے تھے، ایک شخص نے سوال کیا کہ ولمن خاف مقام ربہ جنتان، میں زانی اور سارق بھی داخل ہیں؟ فرمایا کہ اپنے رب کا خوف ہوتا تو زنا اور چوری کیوں کرتا؟[2]

سورہ قلم میں ایک کافر کے متعلق ہے،

عتل بعد ذٰلک زنیم، لفظ عتل کے معنی مختلف مفسروں نے مختلف بیان کئے ہیں حضرت ابودرداؓ نے یہ جامع معنی بیان فرمائے ہیں،

کل رحیب الجوف وثیق الخلق اکول شروب جموع للمال منوع لہ[3] (بڑے پیٹ اور مضبوط حلق الاکثیر الغذا، کثیر الشراب، مال جمع کر لے والا اور نہایت بخیل)

سورہ طارق میں ہے یوم تبلی السرائر زبان کے لحاظ سے سرائر کے معنی مطلقاً پوشیدہ

[1] مسند ابوداؤد طیالسی ص۱۳۱، [2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر ص۲۰، [3] کنز العمال بحوالہ ابن مردویہ ص۳۵ ج ۱،

شے کم ہیں، جن میں عقائد، نیات یا جوارح کے اعمال کی کوئی قید نہیں، حضرت ابو درداؓ نے موقع ومحل کے لحاظ سے اس تعمیم میں کسی قدر تخصیص کردی، چنانچہ فرمایا،

خدا نے چار چیزوں کا بندوں کو ضامن قرار دیا ہے، نماز، زکوٰۃ، روزہ، طہارت اسرار انہی چیزوں کو کہتے ہیں[۱]،

حدیث | کلام الٰہی کی تعلیم و خدمت کے بعد صحابہؓ کا سب سے مقدم فرض حدیث نبوی کی نشر و اشاعت تھا، حضرت ابو درداؓ نے اس فرض کو بھی پوری طرح انجام دیا،

ایک دفعہ انھوں نے سعدان بن طلحہؓ سے ایک حدیث بیان کی مسجد دمشق میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے تشریف لائے تو سعدان نے توثیق مزید کی غرض سے ان سے اس حدیث کے متعلق استفسار کیا، حضرت ثوبانؓ نے فرمایا کہ ابو درداء نے بالکل صحیح کہا میں خود اس واقعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا[۲]،

حضرت معاذؓ نے اپنی وفات کے وقت ایک حدیث بیان کی تھی، اور فرمایا تھا کہ شہادت کی ضرورت ہو تو عویمر بن زید (ابو درداء) موجود ہیں، ان سے دریافت کرنا، لوگ حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس پہنچے، انھوں نے حدیث سن کر فرمایا، میرے بھائی (معاذ) نے سچ کہا[۳]،

صحابہ جب مل کر بیٹھتے تو آپس میں احادیث نبوی کا مذاکرہ فرماتے حضرت ابو درداءؓ بھی ان مجلسوں میں شریک رہتے تھے، کبھی کبھی خود بھی مذاکرہ کی ابتدا فرماتے تھے،

ایک مجمع میں حضرت ابو درداءؓ بھی عبادہؓ بن صامت، حرث بن معویہ کندی اور مقدام

---

[۱] کنز العمال بحوالہ بیہقی ص۲۱۵ ج ۱، [۲] مسند ۴۴۳ ج ۶، [۳] ایضاً ص۴۵۵،

ابن معدی کرب تشریف فرما تھے۔ حدیثوں کا ذکر آیا، حضرت ابو درداءؓ نے حضرت عبادہؓ سے کہا کہ فلاں غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا تھا؟ آپ کو یاد ہے؟ حضرت عبادہؓ نے پورا واقعہ بیان کیا،

حضرت ابو درداءؓ کی پوری زندگی کلام الٰہی اور حدیث نبویؐ کی تعلیم و اشاعت میں صرف ہوئی، جس وقت روح مطہر عالم فنا سے عالم بقا کو پرواز کر رہی تھی اس وقت بھی آپ نے اہل شہر کو جمع کر کے نماز کے متعلق آخری وصیت سنائی[1]،

حضرت ابو درداءؓ نے حدیث کا اکتساب زیادہ تر خود ذات اقدس نبوی سے کیا تھا، آپ کی وفات کے بعد بعض روایتیں حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت عائشہؓ سے بھی سنی تھیں،

تلامذہ اور راویان حدیث کا دائرہ مختصر تھا، حاشیہ نشینان نبوت میں سے متعدد بزرگ ان کے حلقۂ حدیث سے بھی مستفیذ ہوئے، جن کے نام نامی یہ ہیں،

حضرت انسؓ بن مالکؓ، فضالہؓ بن عبیدؓ، ابو امامہؓ، عبد اللہؓ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، ام درداءؓ،

تابعین میں سے اکثر اعیان و اجلاے علم ان کے شرف تلمذ سے بہرہ یاب تھے، بعض کے نام یہ ہیں:

سعید بن مسیبؒ، بلالؒ بن ابو درداءؓ، علقمہؒ بن قیس، ابو مرہؒ مولی ام ہانی، ابو ادریسؒ خولانی، جبیرؒ بن نفیر، سویدؒ ابن غفلہ، زید بن وہبؒ، معدانؒ بن ابی طلحہ، ابو حبیبہؒ طائی، ابو السفرؒ ہمدانی، ابو سلمہؒ ابن عبد الرحمن، صفوانؒ بن عبد اللہ، کثیرؒ بن قیس، ابو بحریہ عبد اللہؒ بن قیس، کثیر بن مرہؒ، محمد بن سیرینؒ، محمدؒ بن سعد ابی وقاص، محمد بن کعبؒ، قرظی، بلال بن یسافؒ وغیرہم،

---

[1] مسند ص ۱۹۴ ج ۵،

حضرت ابو درداءؓ [illegible] سے جو روایات احادیث میں مروی ہیں، ان کی تعداد ۱۷۹ ہے، جن میں سے بخاری میں ۱۳ اور مسلم میں ۸ مندرج ہیں،

فقہ | مسائل فقہیہ میں ان کا ایک خاص درجہ ہے، لوگ دور دراز مسافت طے کرکے ان سے مسائل پوچھنے آتے تھے، چنانچہ ایک بزرگ کوفہ سے دمشق صرف ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آئے تھے،

مسئلہ یہ تھا کہ ایک شخص شادی پر رضامند نہ تھا، اس کی والدہ نے جبرًا شادی کردی، شادی کے بعد میاں بیوی میں محبت پیدا ہو گئی، اس وقت ماں نے کہا کہ اس کو طلاق دیدو، اب طلاق کے لیے اس نے [illegible] حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ میں کسی شق کی تعیین نہیں کرتا، نہ طلاق دینے کا حکم دیتا ہوں، اور نہ والدہ کی نافرمانی جائز سمجھتا ہوں، تمھارا دل چاہے تو طلاق دیدو یا موجودہ حالت پر قائم رہو، لیکن یہ یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو جنت کا دروازہ کہا ہے۔

ابو حبیبہ طائی نے استفسار کیا کہ میرے بھائی نے چند دینار فی سبیل اللہ دیے تھے اور مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میں ان کو کسی مصرف میں صرف کردوں، آپ فرمائیے کہ سب سے بہتر مصرف کونسا ہے؟ حضرت ابو درداءؓ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک مجاہدین سب سے بہتر ہیں۔[۵]

اخلاق وعادات | حضرت ابو درداءؓ فطرۃً نہایت نیک مزاج اور صالح تھے، اسلام کی تعلیم نے اس طلاء کو اور خالص بنادیا تھا، حضرت ابوذر غفاریؓ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ حق گو اور حریت مجسم تھے، اور ابتداءً شام میں رہتے تھے، یہاں بہت کم لوگ ان کی سخت گیری سے

---

۵ مسند ج ۵ ص ۹۶،

محفوظ تھے، امیر معاویہ وغیرہ کو برسر دربار ٹوک دیتے تھے، ابو درداءؓ کی نسبت حضرت انسؓ نے کہا کہ اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہ بھی پاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام لاتے تب بھی صالحین اسلام میں آپ کا شمار ہوتا[1]، اس سے زیادہ حضرت ابوالدرداء کی طہارت اخلاق کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

بایں ہمہ کہ وہ بساط نبوت کے حاشیہ نشین تھے، خالق کون ومکان کے جلال وجبروت کا تخیل ان کے جسم میں رعشہ پیدا کر دیتا تھا، ایک روز منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا تو فرمایا کہ میں اس روز سے بہت خائف ہوں جب خدا مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؛ قرآن مجید کی ہر آیت پیکر امر وزجر بن کر نمودار ہوگی، اور مجھ سے پوچھا جائیگا کہ تم نے اوامر کی کیا پابندی کی، آیۃ آمرہ کہے گی کہ اس نے کچھ نہیں کیا، پھر سوال ہوگا کہ نواہی سے کہاں تک پرہیز کیا، آیۃ زاجرہ بولے گی بالکل نہیں، لوگو! کیا میں اس وقت چھوٹ جاؤنگا؟[2]

عبادات میں قیام لیل اور نماز پنجگانہ کے علاوہ ۳ چیزوں کی نہایت سختی سے پابند تھے، ہر ماہ میں ۳ دن روزہ رکھتے، وتر پڑھتے اور حضر وسفر میں چاشت کی نماز ادا کرتے، ان چیزوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت فرمائی تھی،[3]

ہر فرض نماز کے بعد تسبیح پڑھتے تھے، تسبیح ۳۳ مرتبہ، تحمید ۳۳ مرتبہ، تکبیر ۳۴ مرتبہ[4]،

حضرت ابودرداءؓ کی زندگی زاہدانہ بسر ہوتی تھی، وہ دنیائے دوں کی دلفریبیوں اور عالم فانی کے تکلفات سے ملوث نہ تھے، فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو دنیا میں ایک مسافر کی حیثیت سے رہنا چاہیے،

ایک دفعہ حضرت سلمان فارسیؓ ان سے ملنے ان کے گھر آئے، یہ دونوں مواخاۃ کے

---

[1] مسند عبادہ ؟؟ [2] کنز العمال ج، بحوالہ ابن عساکر [3] مسند ج ۶ ص ۴۴۰ [4] ایضاً ج ۵ ص ۱۹۶،

قاعدے سے بھائی بھائی تھے، بھاوج کو دیکھا تو نہایت معمولی وضع میں پایا، سبب پوچھا تو نیک بخت نے جواب دیا کہ تمھارے بھائی (ابوالدرداءؓ) دنیا سے بے نیاز ہوگئے ہیں، ان کو اب ان چیزوں کی کچھ پروا نہیں، حضرت ابو درداءؓ آئے، سلمانؓ کو مرحبا کہا اور کھانا پیش کیا، سلمانؓ نے کہا آپ بھی آئیے، حضرت ابو درداءؓ نے کہا میں تو روزہ ہوں، سلمانؓ نے قسم کھا کر کہا آپ کو میرے ساتھ کھانا ہوگا ورنہ میں بھی نہ کھاؤں گا، رات کو سلمانؓ نے انہی کے مکان میں قیام کیا تھا حضرت ابو درداءؓ نماز کے لیے اٹھے، حضرت سلمانؓ نے روک لیا، اور فرمایا بھائی، آپ پر خدا کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی اور اپنے بدن کا بھی، آپ کو ان سب کا حق ادا کرنا چاہیے، صبح کا تڑکا ہوا تو حضرت سلمانؓ نے ابو درداء کو جگایا اور کہا اب اٹھو، دونوں بزرگوں نے نماز پڑھی، اس کے بعد اداے دوگانہ کے لیے مسجد نبویؐ گئے، حضرت ابو درداءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلمانؓ کا واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ سلمانؓ نے ٹھیک کہا، وہ تم سے زیادہ سمجھدار ہیں۔[1]

امر بالمعروف تمام تربیت یافتگان نبوت کا فرض تھا، حضرت ابو درداءؓ بھی اس فرض سے غافل نہ تھے، امیر معاویہ نے کوئی چاندی کا برتن خریدا جس کی قیمت میں چاندی کے وزن سے کم و بیش روپیے مالک کو دیے، اسلام میں یہ ناجائز ہے، حضرت ابو درداءؓ نے فوراً ٹوکا، معاویہ! یہ درست نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی سونے میں برابر سرابر کا حکم دیا ہے۔[2]

یوسف بن عبد اللہ بن سلام ان کے پاس شام گئے، سفر کا مقصد تحصیل علم تھا، یہ وہ ساعت تھی، جب حضرت ابو درداءؓ مرض الموت میں گرفتار تھے، یوسف سے پوچھا

---

[1] بخاری عن ابی جحیفہ [2] مسند ص۴۴۸ ج۶،

کیسے آئے؟ انھوں نے کہا آپ کی زیارت کو، یوسف نے یہ بات چونکہ واقعہ کے خلاف کہی تھی، حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا جھوٹ بولنا بڑی بری بات ہے،[1]

امیر معاویہؓ نے حضرت ابوذرؓ کو شام سے جلاوطن کر دیا، حضرت ابو درداءؓ کو راستہ میں خبر ملی تو تین بار انا للہ پڑھا، اور کہا کہ اب ان لوگوں کا بھی انتظار کرو، جیسا کہ اصحاب ناقہ کے بارہ میں کہا گیا تھا" اس کے بعد نہایت جوش میں فرمایا، خدایا! ان لوگوں نے ابوذر کو جھٹلایا لیکن میں نہیں جھٹلاتا ہوں، لوگوں نے ان کو متہم کیا، لیکن میں نہیں کرتا، اور ان لوگوں نے ان کو خارج البلد کیا، لیکن میں نے اس رائے میں شرکت نہیں کی، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے برابر کسی کو زمین پر نہیں سمجھتے تھے، اور ان کے برابر کسی سے راز نہ کہتے تھے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو درداءؓ کی جان ہے، اگر ابوذر میرا ہاتھ بھی کاٹ ڈالیں تو بھی میں ان سے بغض نہ رکھوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور میں نے سنا تھا کہ ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی لهجة اصدق من ابی ذرؓ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذرؓ سے زیادہ سچا کوئی نہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ جو شخص توحید کا قائل ہو وہ جنتی ہے، حضرت ابوذرؓ نے عرض کی، خواہ زانی اور چور کیوں نہ ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، یہ ایک ایسی خوشخبری تھی جو سب مسلمانوں کو سنانی چاہیے تھی، ابو درداءؓ تین مرتبہ پوچھکر مسلمانوں کو یہ مژدۂ نجات سنانے چلے، راستہ میں حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے منع کیا کہ اس اعلان سے لوگ عمل چھوڑ بیٹھیں گے، حضرت ابو درداءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ عمرؓ نے صحیح کہا،[3]

---

[1] مسند ج ۶ ص ۔۔ [2] ایضاً ج ۵ ص ۱۹۷، [3] ایضاً ج ۶ ص ۱۱۲،

ایک روز مکان میں تشریف لائے چہرہ سے غیظ و غضب عیاں تھا، بیوی نے پوچھا کیا حال ہے؟ فرمایا خدا کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات بھی باقی نہیں رہی، لوگوں نے سب چھوڑ دیا، صرف نماز باجماعت پڑھتے ہیں۔[1]

ایک مرتبہ سعدان بن ابی طلحہ یعمری کو دیکھا پوچھا آپ کا مکان کہاں ہے؟ انھوں نے کہا گاؤں میں جو حمص کے قریب ہے، فرمایا تو تم شہر میں نماز پڑھا کرو، کیونکہ جس مقام پر اذان یا نماز نہ ہوتی ہو وہاں شیطان کا تسلط ہوتا ہے، دیکھو بھیڑیا اسی بکری کو پکڑتا ہے جو گلہ سے دور رہتی ہے۔[2]

تمام مسلمان ان کا نہایت ادب کرتے تھے، غیظ و غضب کے عالم میں بھی جو کچھ کہہ دیتے تھے لوگ دل سے لگا لیتے تھے، ایک دفعہ ایک قریشی نے ایک انصاری کا دانت توڑ دیا، امیر معاویہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا، امیر معاویہؓ نے قریشی کو مجرم ٹھہرایا، اس نے کہا کہ پہلے انصاری نے میرے دانت کو صدمہ پہنچایا، امیر معاویہؓ نے کہا کہ ٹھیرو، میں انصاری کو رضامند کروں گا، لیکن انصاری طالب قصاص تھا وہ راضی نہ ہوا، امیر معاویہؓ نے کہا یہ ابو درداؓ بیٹھے ہیں جو فیصلہ کر دیں، اس کو مان لینا، حضرت ابو درداؓ نے ایک حدیث پڑھی کہ جو شخص کسی جسمانی تکلیف پہنچنے پر ایذا دہندہ کو معاف کر دے تو اس کے مراتب بلند اور اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس حدیث کے سنتے ہی انصاری جو مجسمۂ غیظ و غضب تھا پیکر تسلیم و رضا بن گیا، حضرت ابو درداؓ سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تھا؟ انھوں نے کہا ہاں، انصاری نے کہا تو میں معاف کرتا ہوں۔[3]

فساد و شر سے دور بھاگتے تھے تمام ملک حجاز سے شام کا ملک اس حال میں بہتر تھا لیکن انھوں

۱؎ [illegible] ۲؎ ایضاً [illegible] ۳؎ ایضاً [illegible]

کے زمانہ میں شام ایک حکومت کے ماتحت بہرحال قائم رہا، اور حجاز میں ہر سال نئی فوج کشی کا سامنا تھا، حضرت ابو درداءؓ کی سکونت شام کا یہی سبب تھا، فرماتے تھے کہ جس مقام پر دو آدمی ایک بالشت زمین کے لیے منازعت کریں میں اس کو بھی چھوڑ دینا زیادہ پسند کرتا ہوں[1]۔

نہایت ہشاش بشاش رہتے تھے، لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، گفتگو کے وقت لب مبارک پر تبسم ظاہر ہوتا تھا، ام درداءؓ تبسم کو خلاف وقار سمجھتی تھیں، ایک دن کہا کہ تم ہر بات پر مسکراتے ہو، کہیں لوگ بیوقوف نہ بنائیں، حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے وقت تبسم فرماتے تھے[2]۔

مزاج فطرۃً سادہ تھا، مسجد دمشق میں خود اپنے ہاتھ سے درخت لگاتے تھے، لوگ دیکھتے تو تعجب کرتے کہ آغوش پروردۂ نبوت اور امام حلقہ مسجد ہو کر اپنے ہاتھ سے ایسے چھوٹے چھوٹے کام کرتے ہیں، لیکن ان کو اس کی کچھ پروا نہ تھی، ایک شخص نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ خود یہ کام کرتے ہیں؟ حضرت ابو درداءؓ نے اس کے تعجب کو ان الفاظ سے زائل کیا کہ اس میں بڑا ثواب ہے[3]۔

۵۵ ابن سعد تذکرہ بھی ج ۳ ص ۵۱۶

بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے، تنگدستی کے باوجود مہمانوں کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، اکثر ان کے ہاں لوگ ٹھہرا کرتے تھے، جب کوئی مہمان آتا حضرت ابو درداءؓ دریافت کراتے کہ قیام کرنے کا ارادہ ہے یا جانے کا، جانے کا قصد ہوتا تو مناسب زاد راہ بھی ساتھ کر دیتے تھے[4]۔

بعض لوگ ہفتوں قیام کرتے[5]، حضرت سلمانؓ فارسی جب شام آتے تو انہی کے مکان میں قیام فرماتے تھے[6]۔

---

[1] مسند ابوداؤد طیالسی ص ۱۳۱ [2] مسند ج ۶ ص ۱۹۸ [3] ایضاً ص ۴۴۴ [4] ایضاً ج ۵ ص ۱۹۶ [5] ایضاً ص ۱۹۵

دل کے نرم تھے، ایک دن کسی طرف جا رہے تھے، کہ دیکھا کہ ایک شخص کو لوگ گالی دے رہے ہیں، پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس نے کوئی گناہ کیا تھا، حضرت ابو درداءؓ نے کہا کہ ایک شخص کنوئیں میں گرے تو اس کو نکالنا چاہیے، گالی دینے سے کیا فائدہ؟ اسی کو غنیمت سمجھو کہ تم اس سے محفوظ رہے، لوگوں نے عرض کی کہ آپ اس شخص کو برا نہیں جانتے؟ فرمایا اس شخص میں طبعاً تو کوئی برائی نہیں، البتہ اس کا یہ عمل برا ہے، جب چھوڑ دے گا تو پھر میرا بھائی ہے[1]،

طبیعت میں استغنا، اور بے نیازی بھی تھی، عبد اللہ بن عامر شام آیا تو بہت سے صحابہ اپنے وظائف لینے گئے، لیکن حضرت ابو درداءؓ اپنی جگہ سے بھی نہ ہلے، عبد اللہ خود ان کا وظیفہ لے کر ان کے مکان آیا اور کہا کہ آپ تشریف نہیں لائے، اس لیے میں خود وظیفہ لے کر حاضر ہوا ہوں، انھوں نے جواب دیا کہ تم سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی ذلیل نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا، کہ جب امراء اپنی حالت بدل لیں تو تم بھی اپنے کو بدل لو[2]

[1] اسد الغابہ ص۱۶۰ ج ۴، [2] کنز العمال ص۱۳۲ ج ۷



حضرت ابوسعید خدریؓ

نام ونسب سعد نام، ابوسعید کنیت، خاندان خدرہ سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، سعد بن مالک بن سنان بن عبید بن ثعلبہ بن الابجر (خدرہ) ابن عوف بن حارث بن خزرج، والدہ کا نام انیسہ بنت ابی حارثہ تھا، وہ قبیلہ عدی بن نجار سے تھیں،

دادا (سنان) شہید کے لقب سے مشہور اور رئیس محلہ تھے، چاہ بصہ کے قریب اجرد نام قلعہ ان کی ملکیت تھا، اسلام سے پیشتر قضا کی،

باپ نے ہجرت سے چند سال قبل عدی بن نجار میں ایک بیوہ سے نکاح کیا تھا، جو پہلے پہلے عمان اوسی کی زوجیت میں تھیں، حضرت ابوسعیدؓ انہی کے بطن سے تولد ہوئے، یہ ہجرت سے ابرس پیشتر کا واقعہ ہے،

اسلام مدینہ میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ بیعت عقبہ سے جاری تھا، خود انصار داعی اسلام بن کر توحید کا پیغام اپنے قبیلوں کو پہنچاتے تھے، مالک بن سنان نے اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا، شوہر کے ساتھ بیوی بھی اسلام لائیں، اس لئے حضرت ابوسعیدؓ نے مسلمان ماں باپ کے دامن میں تربیت پائی،

غزوات اور دیگر حالات ہجرت کے پہلے برس مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی حضرت ابوسعیدؓ نے اسکے کاموں میں شرکت کی[۱] غزوہ احد میں باپ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۹۰

کے حضور میں گئے، اس وقت ۱۳ برس کا سن تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر سے پاؤں تک دیکھا، کمسن خیال کرکے واپس کیا، مالک نے ہاتھ پکڑ کر دکھایا کہ ہاتھ تو پورے مرد کے ہیں، تاہم آپ نے اجازت نہ دی،

اس معرکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک زخمی ہوا تو مالک نے بڑھکر خون پونچھا اور ادب کے خیال سے زمین پر پھینکنے کے بجائے پی گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص کو ایسے شخص کے دیکھنے کی خواہش ہو جس کا خون میرے خون سے آمیز ہوا ہو تو مالک بن سنانؓ کو دیکھے، اس کے بعد نہایت جانبازانہ لڑکر شہادت حاصل کی،

باپ نے کوئی جائداد نہیں چھوڑی تھی، اس سے ان کی شہادت سے بیٹے پر کوہ الم ٹوٹ پڑا، فاقہ کشی کی نوبت آگئی، پیٹ پر پتھر باندھا، ماں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ آج انھوں نے فلاں شخص کو دیا ہے، تم کو بھی کچھ دیں گے، پوچھا گھر میں ہے؟ وہاں کیا دھرا تھا، اس لیے خدمت اقدس میں پہنچے، اس وقت آپ خطبہ دے رہے تھے، کہ جو شخص ایسی حالت میں صبر کرے خدا اس کو غنی کردے گا، یہ سن کر دل میں کہا کہ میری یاقوتہ (اونٹنی کا نام تھا) موجود ہے، پھر مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سوچ کر چلے آئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کچھ نکلا تھا پورا ہو کر رہا، رازق عالم نے باب رزق کھولدیا، یہاں تک کہ تمام انصار سے دولت و ثروت میں بڑھ گئے،

احد کے بعد مصطلق کا غزوہ پیش آیا، اس میں شریک ہوئے، اس کے بعد غزوۂ خندق ہوا، اس وقت وہ پانزدہ سالہ تھے، عمر کی طرح ایمان کا بھی شباب تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان میں داد شجاعت دی،

۱؎ مسند ص ۹۴ ج ۳، ۲؎ باب غزوۂ بنی المصطلق

صفر ۸ھ میں عبد اللہ بن غالب لیثی لشکر لے کر فدک روانہ ہوئے، یہ بھی ساتھ تھے، عبد اللہ نے تمام لشکر کو تاکید کی کہ خبردار متفرق نہ ہونا، اس مصلحت کے لیے برادری قائم کرنے کی ضرورت ہوئی، تو لیثہ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، ان کے بھائی بنائے گئے، برادری کا نتیجہ عمدہ صورت میں نمودار ہوا[1]،

ربیع الثانی ۹ھ میں علقمہ بن مجزر ایک سریہ کے ساتھ بھیجے گئے، یہ بھی فوج میں تھے، عبد اللہ بن حذافہ نے اسی غزوہ میں صحابہؓ کو آگ میں کودنے کا حکم دیا تھا، لیکن دراصل ان کا یہ منشا نہ تھا، وہ نہایت خوش مزاج آدمی تھے، طبیعت مذاق کی عادی تھی، لوگوں نے اس کو صحیح سمجھ کر کودنا چاہا تو خود روکا کہ میں تم سے مذاق کر رہا تھا[2]،

اسی سلسلہ میں ایک سریہ جس میں ۳۰ آدمی شامل تھے اور دار قطنی کی روایت کے بموجب حضرت ابو سعیدؓ اس کے امیر تھے، کسی مقام کی طرف روانہ ہوا، ایک جگہ پڑاؤ تھا، قریب کے گاؤں والوں سے کہلا بھیجا کہ ہم تمھارے مہمان ہیں، انھوں نے ضیافت کرنے سے انکار کیا، اتفاق سے سردار قبیلہ کو بچھو نے ڈنک مارا، لوگوں نے بہت علاج کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، بعض نے مشورہ دیا کہ صحابہ کے پاس جاؤ، شاید ان کو کچھ علاج معلوم ہو، چنانچہ وہ لوگ آئے، اور واقعہ بیان کیا، بعض روایتوں میں تصریح ہے کہ حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا، میں جھاڑ سکتا ہوں لیکن ۳۰ بکری اجرت ہوگی، انھوں نے منظور کر لیا، آپ نے جا کر سورۂ الحمد پڑھی اور زخم پر تھوک دیا، وہ شخص بالکل اچھا ہو گیا، اور بے تکلف چلنے پھرنے لگا، اور ان لوگوں نے بکریاں لے کر مدینہ کا رخ کیا، سب کو تردد تھا کہ ان کا لینا جائز ہے کہ نہیں، آخر یہ رائے ٹھہری کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جائے، آپ نے پورا واقعہ سن کر تبسم کیا، اور فرمایا تم کو یہ کیسے

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۱ [2] مسند ج ۳ ص ۶۷ وابن سعد [3] صحیح بخاری کتاب الاجارہ

معلوم ہوا کہ یہ رقیہ کا کام دیتی ہے ؟ پھر کہا تم نے ٹھیک کیا، اس کو تقسیم کرلو، اور میرا بھی حصہ لگانا[1]

ان غزوات کے علاوہ حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، تبوک اور اوطاس میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، لیکن چونکہ ان میں ان کا کوئی قابل ذکر کام نہیں ہے، صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عہد نبوت کے ۱۲ غزوات میں ان کو شرف شرکت حاصل تھا،

عہد نبوت کے بعد مدینہ ہی میں قیام رہا، عہد فاروقی وعثمانی میں فتوی دیتے تھے،

حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں جنگ نہروان پیش آئی، اس میں بہت جوش سے حصہ لیا[2]، فرماتے تھے کہ ترکوں کے بہ نسبت خوارج سے لڑنا زیادہ ضروری جانتا ہوں[3]، یزید کے مطالبہ بیعت کے وقت جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینہ چھوڑنے کا ارادہ فرمایا تو اور صحابہؓ کی طرح ابو سعید خدریؓ نے بھی یہ خیر خواہانہ مشورہ دیا تھا کہ آپ یہیں تشریف رکھیں[4] مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے نہ مانا،

سنہ ۶۱ھ میں یزید کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اہل حجاز نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے تھے، بیعت کی، حضرت ابو سعیدؓ بھی ان میں تھے،

سنہ ۶۳ھ میں اہالیان حرم رسول اللہ نے علانیہ یزید سے فسخ بیعت کر کے حضرت عبداللہؓ ابن حنظلہ الغسیل، انصاری کے ہاتھ پر بیعت کی، لشکر شام سے مقابلہ پیش آیا، جس میں اہل مدینہ کو ہزیمت ہوئی، اور حضرت عبداللہؓ نہایت جانبازی سے لڑکر مارے گئے، اس وقت عجیب تشویش اور اضطراب کا عالم تھا، مدینہ کا گلی کوچہ خون سے لالہ زار تھا، مکان لوٹے جارہے

[1] صحیح بخاری ج اول ص ۳۰۵ [2] مسند ج ۳ ص ۵۵ [3] ایضاً ص ۳۳ [4] تاریخ الخلفا سیوطی،

تھے، عورتیں بے ناموس کی جا رہی تھیں، اور وہ مقام جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرح حرام کیا تھا، اہل شام کے ہاتھوں قتل و غارت گری کا مرکز بنا ہوا تھا،

صحابہؓ سے یہ بے حرمتی دیکھی نہیں جاتی تھی، اس لیے حضرت ابو سعید خدریؓ پہاڑ کے ایک کھوہ میں چلے گئے تھے، لیکن یہاں بھی پناہ نہ تھی، ایک شامی بلائے بے درماں کی طرح پہنچ گیا اور اندر اتر کر تلوار اٹھائی، انھوں نے بھی دھمکانے کی خاطر تلوار کھینچ لی، وہ آگے بڑھا حضرت ابو سعیدؓ نے یہ دیکھ کر تلوار رکھدی اور یہ آیت پڑھی لئن بسطت الی یدك لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك لاقتلك انی اخاف اللہ رب العلمین" اگر تم مجھے مارنے کو ہاتھ بڑھاؤگے تو میں تمھارے مارنے کو تیار نہ ہوں گا، کیونکہ میں خدائے رب العالمین کا خوف کرتا ہوں"، شامی یہ سن کر پیچھے ہٹا، اور کہا خدا کے لیے بتائیے آپ کون ہیں، فرمایا ابو سعید خدری، بولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ؟ کہا ہاں، یہ سنکر غار سے نکل کر چلا گیا،[1]

غار سے مکان آئے تو یہاں عام دار و گیر تھی، شامی ابن دلجہ کے پاس پکڑلے گئے، اس نے یزید کی خلافت پر بیعت لی،

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے جاکر کہا میں نے سنا ہے کہ آپ نے دو امیروں کی بیعت کی ہے؟ فرمایا ہاں، پیشتر ابن زبیرؓ سے کی تھی، پھر شامی پکڑلے گئے اور یزید کی بیعت کی، ابن عمرؓ نے کہا اسی کا مجھے خوف تھا، کہا بھائی! کیا کرتا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ انسان کے شب و روز کسی امیر کی بیعت میں گذرنے چاہییں، ابن عمرؓ نے کہا لیکن میں دو امیروں کی بیعت پسند نہیں کرتا،[2]

وفات ۷۴ھ میں جمعہ کے دن وفات پائی، بقیع میں دفن کیے گئے، اس وقت سن

---

[1] اصابہ ج ۳ و طبری ص ۲۴۱۱ حالات ۶۳ھ۔ [2] مسند ص ۲۹ ج ۳۔

تھے، ہاتھوں میں رعشہ تھا، لوگوں نے عمر کا تخمینہ ۸۴ سال کیا ہے، لیکن علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ۸۶ برس کی عمر تھی[1]، اور یہی صحیح ہے،

اولاد | دو بیویاں تھیں، ایک کا نام زینب بنت کعب بن عجزہ تھا، جو بعض کے نزدیک صحابیہ تھیں، دوسری ام عبد اللہ بنت عبد اللہ مشہور تھیں، اور قبیلہ اوس کے خاندان معاویہ سے تھیں، اولاد کے نام یہ ہیں، عبد الرحمن[2]، حمزہ[3]، سعید[4]

حلیہ | حلیہ یہ تھا، مونچھیں باریک کٹی ہوئی، داڑھی میں زرد خضاب،

علم و فضل | حضرت ابو سعید خدری اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ تھے[5]،

قرآن مجید ایک قاری سے پڑھا تھا، انصار کے کئی حلقۂ درس قائم تھے جن میں علمائے انصار درس دیتے تھے، حضرت ابو سعید کی طالب علمی کا زمانہ کا ابتدائی زمانہ تھا، لوگوں کے پاس بدن کے کپڑے تک نہ تھے، ایک دوسرے کی آڑ میں چھپ چھپ کر بیٹھتے تھے، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت قاری قرأت کر رہا تھا، آپ کو دیکھ کر خاموش ہو گیا، آپ سب کے پاس بیٹھ گئے، اور اشارہ کیا کہ لوگ دائرہ کی شکل میں بیٹھیں، چنانچہ سب حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے، اس تمام جماعت میں صرف حضرت ابو سعید کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہچانتے تھے[6]،

حدیث و فقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے سیکھی تھی، خلفائے اربعہ اور حضرت زید بن ثابت سے روایتیں کیں،

کثرت سے حدیثیں یاد تھیں، ان کی مرویات کی تعداد ۱۱۷۰ ہے، ان صحابہ اور ممتاز

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۴۳، [2] مسند ج ۳ ص۶۵، [3] ایضاً ص۷، [4] ایضاً ص۱۸، [5] ایضاً ص۲۱،
[6] اصابہ ج ۳ تذکرہ ابو سعید خدری، [7] مسند ج ۳ ص۶۳،

تابعین کے نام نامی جنھوں نے ان سے سماع حدیث کیا تھا، یہ ہیں :۔

زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ، انس بن مالکؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، جابرؓ، ابوقتادہؓ

محمود بن لبید، ابوالطفیلؓ، ابوامامہ بن سہل، سعید بن مسیبؒ، طارق بن شہابؒ، عطاء، مجاہد،

ابوعثمان، سہدی، عبید بن عمیر، عیاض بن ابی سرح، بشر بن سعید، ابونضرہ، سعید بن سیرینؒ

عبداللہ بن محیریز، ابوالمتوکل ناجی وغیرہم۔

آپ کا حلقۂ درس آدمیوں سے ہر وقت معمور رہتا تھا، جو لوگ کوئی خاص سوال کرنا چاہتے تو بہت دیر میں موقع ملتا[1]۔

اوقات درس کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص کچھ دریافت کرتا تو جواب سے مشرف فرماتے، ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے بیٹے علی اور غلام عکرمہ کو بھیجا کہ ابوسعید سے حدیث سن کر آؤ، اس وقت وہ باغ میں تھے، ان لوگوں کو دیکھ کر ان کے پاس آکر بیٹھے اور حدیث بھی بیان کی[2]۔

روایت حدیث کے ساتھ سماع کی نوعیت بھی ظاہر فرما دیتے تھے،

عبداللہ بن عمرؓ نے کسی سے ایک حدیث سنی تھی، وہ ابوسعیدؓ سے راوی تھا، ابن عمرؓ اس کو لے کر ان کے پاس گئے، اور پوچھا، اس شخص نے فلاں حدیث آپ سے سنی ہے؟ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی؟ فرمایا بصر عینی وسمع اذنی یعنی میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا[3]۔

ایک راوی قزعہ کو ایک حدیث بہت پسند آئی، انھوں نے بڑھ کر پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا تھا، اس سوال پر حضرت ابوسعیدؓ کو غصہ آگیا فرمایا تو کیا

---

[1] مسند ج ۳ ص ۔ [2] ایضاً ص ۹۱۔ [3] ایضاً ص ۔

ہیں بے سنے بیان کروں گا، ہاں میں نے سنا تھا[۱]

جس حدیث کے الفاظ پر اعتماد نہ ہوتا، اس کے بیان میں احتیاط کرتے تھے،

ایک مرتبہ ایک حدیث روایت کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیا، ایک شخص نے پوچھا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے؟ فرمایا میں بھی جانتا ہوں[۲]،

اخلاق وعادات | نہایت حق گو تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق گوئی کی تاکید کرتے سنا تھا، لیکن کاش نہ سنا ہوتا[۳]، ایک مرتبہ اس حدیث کا جس میں حق گوئی کی تاکید تھی، ذکر چھیڑا تو رو کر کہا کہ حدیث تو ضرور سنی لیکن عمل بالکل نہ ہو سکا[۴]،

امیر معاویہؓ کے عہد میں بہت سی نئی باتیں پیدا ہو گئی تھیں، حضرت ابو سعیدؓ سفر کر کے ان کے پاس گئے، اور تمام خرابیاں گوش گذار کیں[۵]،

ایک مرتبہ انہی سے انصار کے متعلق گفتگو آئی تو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے، امیر نے کہا تو صبر کیجئے[۶]،

ایک مرتبہ مروان سے فضیلت صحابہؓ کی حدیث بیان کی، وہ بولا کیا جھوٹ بکتے ہو، زید بن ثابتؓ اور رافع بن خدیجؓ بھی اس کے تخت پر بیٹھے تھے، ابو سعیدؓ نے کہا ان سے پوچھو لیکن یہ کیوں بتائیں گے، ایک کو صدقہ کی افسری سے معزول ہونے کا خوف ہوگا، دوسرے کو ڈر ہوگا کہ جنبش لب سے ریاست قوم چھنتی ہے، یہ سن کر مروان نے مارنے کو درہ اٹھایا، اس وقت دونوں بزرگوں نے ان کی تصدیق کی[۷]،

---

[۱] مسند ج ۳ ص۱۹ [۲] ایضاً ص۳ [۳] ایضاً ص۲۹ [۴] ایضاً ص۱۲ و ص۳ [۵] ایضاً ص۴۲،

[۶] ایضاً ص۸۹ [۷] ایضاً ص۲۳،

اسی طرح مروان نے عید کے دن منبر نکلوایا، اور نماز سے قبل خطبہ پڑھا، ایک شخص نے اٹھ کر ٹوکا کہ دونوں باتیں خلاف سنت ہیں، بولا کہ اگلا طریقہ متروک ہو چکا، حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا چاہے کچھ ہو مگر اس نے اپنا فرض ادا کر دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص امر منکر دیکھے تو اس کو ہاتھ سے دفع کرنا چاہیے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو زبان سے اور یہ بھی نہیں تو کم از کم دل سے ضرور برا سمجھے۔[1]

امر بالمعروف کے ولولہ کا یہ حال تھا کہ یہی مروان ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک جنازہ سامنے سے گذرا، اس میں ابو سعیدؓ بھی شریک تھے، دیکھا تو دونوں جنازہ کے لیے نہیں اٹھے، فرمایا اے امیر جنازہ کے لیے اٹھ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھا کرتے تھے، یہ سنکر مروان کھڑا ہو گیا۔[2]

جب مصعب بن زبیرؓ مدینہ کے حاکم مقرر ہوئے تو عید الفطر میں دریافت کر لیا کہ نماز اور خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل کیا تھا، فرمایا خطبہ سے قبل نماز پڑھاتے تھے، چنانچہ مصعبؓ نے اس دن اسی قول پر عمل کیا۔[3]

ایک مرتبہ شہر بن حوشب کو سفر طور کا خیال دامن گیر ہوا، وہ ملاقات کو آئے، ابو سعیدؓ نے ان سے کہا تین مسجدوں کے علاوہ (اور کسی مقدس مقام کے لیے) شد رحال کی ممانعت ہے۔[4]

ابن ابی صعصعہ مازنی کو جنگل پسند تھا، ان کو ہدایت کی کہ وہاں زور سے اذان دیا کریں کہ تمام جنگل نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھے۔[5]

نہی عن المنکر کی یہ کیفیت تھی کہ ان کی بہن متواتر بغیر کھائے پیئے روزے رکھتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے، حضرت ابو سعیدؓ ان کو ہمیشہ منع کرتے تھے۔[6]

---

[1] مسند ج ۳ صفحہ ۱۰، [2] ایضاً صفحہ ۴۸ و ۹۷، [3] ایضاً صفحہ ۹۴، [4] ایضاً صفحہ ۹۳، [5] ایضاً صفحہ ۳۵، [6] ایضاً صفحہ ۹۵،

سنت کے پورے متبع تھے، حضرت ابوہریرہؓ ایک مسجد میں نماز پڑھایا کرتے تھے، وہ ایک مرتبہ بیمار ہوگئے، یا کسی اور سبب سے نہ آسکے تو ابوسعید خدریؓ نے امامت کی، ان کے طریقۂ نماز سے لوگوں نے اختلاف کیا، انھوں نے منبر کے پاس کھڑے ہوکر کہا میں نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اس طرح پڑھائی ہے، باقی تمھارے طریقہ کی مخالفت، تو اس کی مجھے بالکل پروا نہیں[1]۔

مزاج میں بردباری اور تحمل تھا، ایک مرتبہ پاؤں میں درد ہوا، پیر پر پیر رکھے لیٹے تھے کہ آپ کے بھائی نے آکر اسی پاؤں پر ایک ہاتھ مارا جس سے درد بڑھ گیا، انھوں نے نہایت نرم لہجہ میں کہا، تم نے مجھے تکلیف پہنچائی، جانتے تھے کہ درد ہے، جواب ملا ہاں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح لیٹنے کی ممانعت فرمائی ہے[2]۔

مگر ناحق باتوں پر غصہ بھی آجاتا تھا، ایک مرتبہ حج کو جا رہے تھے، ایک درخت کے نیچے قیام ہوا، ابن صیاد بھی جس کے دجال ہونے میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہہ تھا اسی درخت کے نیچے ٹھہرا تھا، ان کو برا معلوم ہوا، لیکن خاموش رہے، اس نے خود چھیڑ کر اپنی مظلومیت کی داستان سنائی، ان کو رحم آگیا، مگر جب اس نے ایک خلاف واقعہ دعویٰ کیا تو بگڑ کر فرمایا تبالک سائر الیوم[3]۔

سادگی اور بے تکلفی فطرت ثانیہ تھی، ایک جنازہ میں بلائے گئے، سب سے اخیر میں پہنچے لوگ بیٹھ چکے تھے، ان کو دیکھ کر اٹھے اور جگہ خالی کردی، فرمایا یہ مناسب نہیں، انسان کو کشادہ مقام میں بیٹھنا چاہیے، چنانچہ سب سے الگ کھلی جگہ میں جاکر بیٹھے[4]۔

ابوسلمہؓ سے یارانہ تھا، ایک مرتبہ انھوں نے آواز دی، یہ چادر اوڑھے نکل آئے، ابوسلمہؓ

---

[1] مسند ج ۳ ص ۱۰ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۴۳ [4] ایضاً ص ۱۸ [5] ایضاً ص ۱۸

نے کہا ذرا باغ تک چلیے، آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں، چنانچہ یہ ساتھ ہو لیے[1]، اس واقعہ میں یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ ابو سلمہؓ تابعی اور وہ صحابی ہیں، اس کے ماسوا ابو سلمہؓ کو شرف تلمذ بھی حاصل ہے،

یتیموں کی پرورش کرتے تھے، لیث اور سلیمان بن عمرو بن عبد العتواری انہی کے تربیت یافتہ تھے،[2]

ہاتھ میں چھڑی لیتے تھے، پتلی چھڑیاں زیادہ پسند تھیں، کھجور کی شاخیں لاتے اور ان کو سیدھا کر کے چھڑی بناتے، یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع تھا،[3]

---

[1] مسند ج ۳ ص ۶ [2] ایضاً ص ۱۱ و ۳۳ [3] ایضاً ص ۶۵،



حضرت ابومسعود بدری رضؓ

نام ونسب عقبہ نام، ابومسعود کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عقبہ بن عمر بن ثعلبہ بن اسیرہ بن عیرہ ابن عطیہ بن خدارہ بن عوف بن حارث بن خزرج ،

اسلام عقبۂ ثانیہ میں اسلام قبول کیا، اور دین حنیفی کے پرجوش داعی ثابت ہوئے ،

غزوات اور عام حالات تمام غزوات میں شرکت کی، عام خیال یہ ہے کہ بدر میں شریک نہ تھے، صرف بدر کی سکونت سے بدری مشہور ہو گئے ، لیکن یہ صحیح نہیں، امام شعبہ، بخاری، مسلم ان کی شرکت بدر کا اعتراف کرتے ہیں، امام بخاری نے جامع صحیح میں اس کی طرف صاف طور پر اشارہ کیا ہے[1]

اس کے سوا بیعت عقبہ کی شرکت پر تمام ائمہ فن متفق ہیں ، پھر بدر سے غائب ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے ؟

عہد نبوت اور خلفاء ثلاثہ کے زمانہ تک مدینہ میں اقامت پذیر رہے، کچھ دنوں بدر میں سکونت رکھی، حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں کوفہ میں منتقل ہو گئے[2] ، اور یہاں مکان بنوا لیا تھا[3]

جناب امیرؓ کے احباب خاص میں تھے، جب آپ جنگ صفین کے لیے روانہ ہوئے ، تو ان کو کوفہ میں اپنا جانشین بنا کر گئے ، اور آپ کی واپسی تک کوفہ انہی

---

[1] مسند ج ۴ ص ۱۲۰ ، [2] بخاری ج ۲ ص ۵۷۰ ، [3] اصابہ ج ۴ ص ۲۵۲ ،،

کی ذات سے مرکز امارت رہا[1]

جنگ صفین کے بعد وطن (مدینہ) کی محبت نے اپنی طرف کھینچا، اور آپ مدینہ لوٹ آئے،

وفات سنہ ۴۰ھ میں انتقال کیا، بعض کا خیال ہے کہ امیر معاویہ کے اخیر زمانہ خلافت تک موجود تھے، لیکن یہ غلطی سے خالی نہیں، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کی ولایت کوفہ کے وقت زندہ تھے، جس کا زمانہ قطعاً سنہ ۴۱ھ کے بعد تھا،

اولاد لڑکے کا نام بشیر تھا، ایک صاحبزادی تھیں، جو امام حسین علیہ السلام کو منسوب تھیں، زید انہی کے بطن سے تولد ہوئے تھے،

بشیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا کچھ بعد پیدا ہوئے تھے۔

فضل وکمال حضرت ابو مسعودؓ نے حدیث نبوی کی نشر واشاعت کا فرض بھی انجام دیا، راویان حدیث کے تیسرے طبقہ میں ان کا شمار ہے، اور کتب حدیث میں ۱۰۲ روایتیں ان کی موجود ہیں، رواۃ میں تابعین کے کئی طبقے داخل ہیں، جن میں مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں،

بشیر، عبد اللہ بن یزید خطمی، ابو وائل، علقمہ، قیس بن ابی حازم، عبد الرحمن بن یزید نخعی، یزید بن شریک تیمی، محمد بن عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ انصاری،

اخلاق پابندی احکام رسول اور امر بالمعروف آپ کے خاص اوصاف تھے، حکم نبوی کی متابعت کا یہ واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنے غلام کو مار رہے تھے پیچھے سے آواز آئی ابو مسعود ذرا سوچ کر ایسا کرو! جس خدا نے اس پر تم کو قادر کیا، اس کو تم پر بھی قدرت

---

[1] اصابہ ج ۴ ص ۲۵۲ [2] مسند ج ۴ ص ۱۱۹،

دے سکتا ہے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تھی دل پر خاص اثر پڑا، قسم کھا کر عرض کی کہ آئندہ کسی غلام کو نہ ماروں گا، اور اس کو آزاد کرتا ہوں[1]،

امر بالمعروف کے فرض سے بھی غافل نہ رہتے تھے، ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہؓ نے امارت کوفہ کے زمانہ میں نماز عصر دیر میں پڑھائی، اسی وقت ان کو ٹوکا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرت نماز پنجگانہ حضرت جبریلؑ کے بتانے کے مطابق پڑھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے[2]، سنت کی پوری اتباع کرتے تھے، ایک روز لوگوں سے کہا کہ جانتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے، پھر خود نماز پڑھا کر بتائی[3]،

نماز میں مل کر کھڑے ہونا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، لوگوں نے اس کو چھوڑا تو فرمایا، اس کا فائدہ یہ تھا کہ باہم اتفاق تھا، اب تم لوگ دور دور کھڑے ہوتے ہو، اسی وجہ سے تو اختلاف پیدا ہو گیا ہے،

---

[1] مسند ج ۵ ص ۲۷۴، [2] صحیح بخاری ص ۵۱ ج ۲ [3] مسند ج ۵ ص ۱۲۲،

———·○·:·:·○·———

حضرت ابو قتادہؓ

نام ونسب حارث نام، ابو قتادہ کنیت، فارس رسول اللہ لقب، قبیلہ خزرج کے خاندان سلمہ سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، حارث بن ربعی بن بلدمہ بن خناس بن سنان بن عبید ابن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ بن زید بن جشم بن خزرج، والدہ کا نام کبشہ بنت مطہر بن حرام تھا، اور بنو سلمہ میں سواد بن غنم کے خاندان سے تھیں،

ہجرت سے تقریباً ۱۰ سال پیشتر مدینہ میں پیدا ہوئے،

اسلام عقبہ ثانیہ کے بعد اسلام قبول کیا،

غزوات غزوۂ بدر میں شریک نہ تھے احد اور خندق اور تمام غزوات میں شرکت کی،

ربیع الاول سنہ ۶ھ میں غزوہ ذی قرد (یا غابہ) پیش آیا، اس میں ان کی شرکت نمایاں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں ذی قرد نامی ایک گاؤں میں چرا کرتی تھیں، یک غلام جن کا نام رباح تھا، ان کے نگراں تھے، چند غطفانی چرواہوں کو قتل کرکے اونٹنیوں کو ہانک لے گئے، سلمہ بن اکوع ایک مشہور صحابی تھے، انھوں نے سنا تو عرب کے عام قاعدہ کے موافق مدینہ کی سمت رخ کرکے "یا صباحاہ" کے تین نعرے لگائے، اور رباح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوڑایا، اور خود غطفانیوں کے تعاقب میں رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد کے لیے ۲۰۰ سوار بھیجے، اور سب پیچھے خود بھی روانہ ہوئے، سلمہ منتظر تھے، نظر اٹھی تو اخرم اسدی ان کے پیچھے ابو قتادہؓ انصاری اور ان کے پیچھے مقداد کندی گھوڑا اڑاتے چلے آرہے تھے، غطفانی

سواروں کو دیکھ کر فرار ہوگئے، لیکن احرم کو شوق شہادت دامنگیر تھا، غطفانیوں کے پیچھے ہولیے، آگے بڑھ کر ان میں اور عبدالرحمٰن غطفانی میں مقابلہ ہوگیا، اور احرم شہید ہوگئے، عبدالرحمٰن ان کا گھوڑا لے کر جانا چاہتا تھا کہ ابو قتادہؓ پہنچ گئے، اور بڑھ کر نیزہ کا وار کیا، اور عبدالرحمٰن کا قصہ بھی پاک ہوگیا، یہاں سے لوٹے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، آپ نے قصہ سن کر فرمایا کان خیر فرساننا الیوم ابو قتادہ، یعنی آج ابو قتادہ بہترین سوار تھے،[1]

شعبان ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے ایک مقام خضرہ کی جانب ۱۵ آدمیوں کو روانہ فرمایا، حضرت ابو قتادہؓ ان کے امیر تھے، چھاپہ مارنا مقصود تھا، اس لیے رات بھر چلتے اور دن کو کہیں چھپ رہتے تھے، مقام خضرہ میں قبیلہ غطفان آباد تھا، جو غارت گر امن و امان اور مسلمانوں کا قدیم دشمن تھا، حضرت ابو قتادہؓ موقع پاکر اچانک پہنچ گئے، قبیلہ طاقتور تھا، بہت سے آدمی جمع ہوگئے اور میدان کارزار گرم ہوگیا، لیکن ابو قتادہؓ نے لوگوں سے کہدیا کہ جو تم سے لڑے اس کو مارنا، ہر شخص سے تعرض کی ضرورت نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کا جلد خاتمہ ہوگیا، اور ۱۵ دن کے بعد مال غنیمت لے کر صحیح و سالم مدینہ واپس آئے، مال غنیمت میں اونٹ ۲۰۰، بکریاں ۲۰۰۰، اور بہت سے قیدی تھے،

اس کا خمس نکال کر باقی وہیں تقسیم کر لیا گیا، حضرت ابو قتادہؓ کے حصہ میں ایک حسین لڑکی بھی آئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے لیے مانگ کر محمیہ بن ضبرہ کو دیدی،[2]

اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد رمضان کے مہینہ میں ۸ آدمیوں کا ایک سریہ بطن اضم

[1] صحیح مسلم ص۱۰۱ ج ۲، [2] طبقات حصہ مغازی ص۹۶،

کی طرف بھیجا، حضرت ابو قتادہؓ اس کے بھی سرگروہ تھے، بطن اِضم ذی خشب اور ذی مروہ کے درمیان مدینہ سے ۳ منزل کے فاصلہ پر مکہ کی جانب واقع ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پر فوج کشی کا ارادہ کر چکے تھے، ان لوگوں کے بھیجنے کا یہ مدعا تھا کہ لوگوں کو مکہ کا خیال نہ آئے، اور لڑائی سے پہلے یہ راز کسی طرح فاش نہ ہو، ذی خشب پہنچ کر معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ روانہ ہو گئے، اس لیے یہ لوگ وہاں سے چل کر سقیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے ساتھ شریک ہو گئے۔[۵]

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین واقع ہوا، لڑائی اتنی سخت تھی کہ بڑے بڑے جانبازوں کے قدم اکھڑ گئے تھے، لیکن حضرت ابو قتادہؓ نے اس میں نہایت شجاعت دکھائی، ایک مسلمان اور مشرک میں لڑائی ہو رہی تھی، دوسرا مشرک پیچھے سے حملہ کی فکر میں تھا، حضرت ابو قتادہؓ نے مسلمان کو تنہا دیکھ کر اس مشرک پر پیچھے سے حملہ کیا، تلوار کندھے پر پڑی جو زرہ کاٹتی ہوئی جسم تک پہنچی اور ہاتھ صاف ہو گیا، وہ دوسرے ہاتھ سے دست و گریباں ہو گیا، آدمی تنومند تھا، اس زور سے دبایا کہ حضرت ابو قتادہؓ گھبرا گئے، لیکن خون زیادہ نکل چکا تھا، اس لیے ابو قتادہ نے موقع پا کر قتل کر دیا، خود کہتے ہیں کہ مجھے جان کے لالے پڑ گئے تھے لیکن قضا اسکی آئی تھی،

مکہ کا ایک آدمی ادھر سے گذر رہا تھا، اس نے مقتول کا سارا سامان اتار لیا، اس وقت لشکر اسلام میں عجیب سراسیمگی طاری تھی، لوگ میدان سے ہٹ رہے تھے، یہ بھی اسی طرف چلے، ایک مقام پر حضرت عمرؓ کچھ آدمیوں کے ساتھ کھڑے تھے، ان سے پوچھا کیا بات ہے، حضرت عمرؓ نے کہا جو خدا کی مرضی، اتنے میں لوگ پلٹ پڑے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

لڑائی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ جس نے جس کافر کو مارا ہو اس کا

---

[۵] طبقات حصہ مغازی ص۹۶،

مال و متاع ثبوت کے بعد اس کو دلایا جائے گا، حضرت ابوقتادہؓ نے اٹھ کر کہا میری نسبت کون شہادت دیتا ہے، کسی طرف سے آواز نہ آئی، ۳ مرتبہ ایسا ہی ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوقتادہ! کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے سارا قصہ گوش گذار کیا، ایک شخص بولا سچ کہتے ہیں، ان کا سامان میرے پاس ہے، لیکن ان کو راضی کرکے مجھے دلوا دیجئے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا یہ بے انصافی ہے کہ خدا کا شیر لڑے اور مال سے محروم رہے، اور قریش کی ایک چڑیا مفت میں مزے اڑائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حقیقت یہی ہے، بہتر ہے کہ ان کا مال انہی کو دیدو

حضرت ابوقتادہؓ نے اس کو فروخت کرکے بنو سلمہ میں ایک باغ خریدا، قبول اسلام کے بعد جائداد خریدنے کی یہ پہلی بسم اللہ تھی[1]

عام حالات | عہد نبوت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک میں امارت مکہ پر نامزد ہوئے تھے، لیکن پھر کسی وجہ سے قثم بن عباسؓ امیر بنائے گئے، یہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے، اسی سنہ میں جنگ جمل اور دوسرے سال صفین کا معرکہ ہوا، حضرت ابوقتادہؓ دونوں میں شریک ہوئے ۳۸ھ میں خوارج نے علم بغاوت بلند کیا، جناب امیرؓ نے جس فوج کے ساتھ فوج کشی کی تھی، حضرت ابوقتادہؓ اس کے پیادوں کے افسر تھے،

وفات | سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ۳۸ھ ہے، ان لوگوں کے نزدیک کوفہ میں انتقال کیا تھا، اور جناب امیر علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں ۶ یا ۷ تکبیریں کہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ۵۰ھ اور ۶۰ھ کے درمیان انتقال کیا، امام بخاری نے اوسط میں یہی کہا ہے، اور اس پر دلائل قائم کئے ہیں،

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۸ و مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۵،

حلیہ حلیہ مفصل مذکور نہیں، اتنا معلوم ہے کہ گردن تک بال رکھتے تھے، جس کو جمہ کہتے ہیں، کبھی کبھی کنگھی کرتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پراگندہ مو دیکھا تو فرمایا ذرا ان کو تو درست کرو، آدمی بال رکھے تو ان کی خبرگیری بھی کرے، ورنہ رکھنے سے کیا فائدہ؟ اس سے تو گھٹا ہوا سر اچھا ہے،

اولاد چار بیٹے تھے، عبد اللہ، معبد، عبد الرحمٰن، ثابت، موخر الذکر ام ولد سے تولد ہوئے تھے، بیوی کا نام سلافہ بنت براء بن معرور بن صخر تھا، خاندان سلمہ کے نہایت ممتاز گھرانے سے تھیں، جو خود صحابیہ اور جلیل القدر صحابی کی لڑکی تھیں،

فضل وکمال گو حضرت ابو قتادہؓ قرآن مجید اور احادیث نبوی کی اشاعت کے فرض سے غافل نہ رہے، لیکن روایت حدیث میں نہایت محتاط تھے، ایک مرتبہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کذب علی الرسول کی حدیث سنی تھی، اس وقت سے وہ حدیث کے باب میں نہایت محتاط ہو گئے تھے،

تابعین کی ایک مجلس میں حدیث کا چرچا تھا، ہر شخص قال اللہ کذا، قال اللہ کذا کہہ رہا تھا، حضرت ابو قتادہؓ نے سن کر فرمایا، بدبختو! منہ سے کیا نکال رہے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی حدیث بیان کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی ہے۔

لیکن اس احتیاط کے باوجود ان کی مرویات کی تعداد ۱۷۰ ہے، راویوں میں صحابہ کبار اور تابعین عظام داخل ہیں، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت جابر بن عبد اللہ، ابو محمد نافع بن الاقرع (ان کے آزاد کردہ تھے) سعید بن کعب بن مالک (بہو کے بھائی تھے)، کبشہ بنت کعب بن مالک (بہو تھیں)، عبد اللہ بن رباح، عطاء بن یسار، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن

طبقات ابن سعد ج ۵ قسم ۲ ص ... مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۲۹۷، ... ایضاً ص ...

عوف، عمر بن سلیم زرقی، عبد اللہ بن معبد زمانی، محمد بن سیرین، بنہان مولی ام توامہ، سعید بن مسیب، ابن منکدر کہ سپہر حدیث کے آفتاب و ماہتاب ہیں، ان کے لمعات فضل سے مستغنی نہیں

اخلاق وعادات | اخوت اسلامی کا یہ حال تھا کہ ایک انصاری کا جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نماز کے لیے لایا گیا، آپ نے پوچھا اس پر قرض تو نہیں ہے، لوگوں نے کہا دو دینار (۱۰ روپے) ہیں، فرمایا کچھ چھوڑا بھی ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں، ارشاد ہوا کہ تم لوگ نماز پڑھ لو، حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں قرض ادا کر دوں تو آپ نماز پڑھائیں گے، فرمایا ہاں، چنانچہ انھوں نے قرض ادا کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی، اس وقت آپ نے جنازہ منگا کر نماز پڑھی[1]،

ایک مسلمان پر ان کا کچھ قرض تھا، جب یہ تقاضا کرنے جاتے تو وہ چھپ رہتا، ایک روز گئے تو اس شخص کے لڑکے سے معلوم ہوا کہ گھر میں بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں، پکار کر کہا نکلو مجھے معلوم ہو گیا ہے، اب چھپنا بیکار ہے، جب وہ آیا تو چھپ رہنے کی وجہ پوچھی، اس نے کہا بات یہ ہے کہ میں نہایت تنگدست ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے اس کے ساتھ عیالدار بھی ہوں، پوچھا واقعی تمھارا حال خدا کی قسم ایسا ہی ہے، بولا ہاں، حضرت ابو قتادہؓ آبدیدہ ہو گئے، اور اس کا قرض معاف کر دیا[2]،

حضرت ابو بکرؓ نے جب مرتدین کے مقابلہ کے لیے لشکر بھیجا تھا تو حضرت خالدؓ کو لکھا کہ وہ مالک بن نویرہ یربوعی کی طرف جائیں انھوں نے کسی وجہ سے مالک کو جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، قتل کر ڈالا، حضرت ابو قتادہؓ کو اتنی ناگواری ہوئی کہ انھوں نے بارگاہ خلافت میں عرض کی کہ میں ان کی ماتحتی میں نہ رہوں گا، انھوں نے ایک مسلمان کا خون کیا ہے[3]،

---

[1] مسند ج ۵ ص ۲۹۷، ۳۰۲، [2] ایضاً ص ۳۰۸، [3] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۸،

وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں امر بالمعروف کا خیال رکھتے تھے،

ایک مرتبہ چھت پر کھڑے تھے کہ ستارہ ٹوٹا، لوگ دیکھنے لگے، فرمایا اس کا زیادہ دیکھنا منع ہے[1]،

اکثر خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت بھی حاصل ہوتی تھی، ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ پانی کی خبر لو ورنہ سویرے پیاسے اٹھو گے، لوگ پانی ڈھونڈھنے نکل گئے، لیکن حضرت ابو قتادہؓ موکب نبوی کے ساتھ رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سو رہے تھے، جب آپ اونگھ میں کسی طرف جھکتے تو یہ بڑھ کر ٹیک لگا دیتے، ایک دفعہ گرنے کے قریب تھے، انھوں نے ٹیک لگائی، آپ کی آنکھ کھل گئی، فرمایا کون؟ عرض کیا ابو قتادہ، فرمایا کب سے میرے ساتھ ہو، کہا شام سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی حفظک اللہ بما حفظت به رسوله، جس طرح تم نے میری نگہبانی کی، خدا تمہارا نگہبان رہے[2]،

فطرۃً نہایت رحیم تھے، جانوروں تک پر رحم کرتے تھے، ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے گھر گئے بہو نے وضو کے لیے پانی رکھا، بلی آئی اور منہ ڈال کر پانی پینے لگی، حضرت ابو قتادہؓ نے بھگانے کے بجائے برتن اس کی طرف جھکا دیا کہ خوب اچھی طرح پی لے، بہو کھڑی ہوئی یہ تماشا دیکھ رہی تھیں، کہا بیٹی اس میں تعجب کی کیا بات ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ نجس نہیں، وہ تو گھروں کی آنے جانے والی ہے[3]،

شکار کا بیحد شوق تھا، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ جا رہے تھے، راستہ سے کچھ ساتھیوں کو لے کر نکل گئے، علاقہ پہاڑی تھا، ان کو پہاڑ پر تیزی سے چڑھنے کی مشق تھی، دوستوں کو لے کر پہاڑ پر تفریحاً چڑھتے کہ ایک جانور نظر آیا، انھوں نے بڑھ کر دیکھا اور پوچھا بتاؤ کون جانور ہے؟ لوگوں نے کہا ہم ٹھیک نہیں بتا سکتے، بولے گورخر ہے، پہاڑ چڑھتے وقت کوڑا بھول آئے تھے، ساتھیوں

---

[1] مسند ج ۵ ص ۲۹۹ [2] اصابہ ج ۷ ص ۱۵۴ [3] ایضاً ص ۳۰۰

سے کہا میرا کوڑا اٹھا لاؤ، یہ لوگ احرام باندھ چکے تھے، اس بنا پر شکار میں شریک نہیں ہو سکتے تھے اس لیے خود نیزہ لے کر گورخر کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اس کو شکار کر کے ساتھیوں کو آواز دی کہ اس کے اٹھانے میں ہاتھ بٹاؤ، لیکن اس میں بھی کسی نے مدد نہ کی، آخر خود اٹھا کر لائے، اور گوشت پکایا، لوگوں کو کھانے میں بھی تامل ہوا،

بعضوں نے کھایا اور بعض محترز رہے، حضرت ابو قتادہؓ نے کہا اچھا: تھوڑی دیر میں بتاؤنگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چل کر پوچھتا ہوں، چنانچہ جب آپ سے ملاقات ہوئی تو اس واقعہ کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا اس کے کھانے میں کیا مضائقہ ہے، خدا نے تمہارے ہی لیے بھیجا تھا، اگر کچھ باقی ہو تو میرے لیے لاؤ، لوگوں نے پیش کیا، آپ نے صحابہ سے فرمایا، اس کو کھاؤ[1]

نہایت ملنسار تھے، اس لیے احباب کا ایک حلقہ تھا، حدیبیہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ جا رہے تھے تو راستہ میں دوست احباب ہنستے اور مذاق کرتے جاتے تھے[2]، ابو محمد بھی ان کی مجلس کے ایک رکن تھے[3]

---

[1] صحیح بخاری ج ۹ ص۵۳ وص۲۶ بر فتح الباری [2] مسند ج ۵ ص۳۰۱ [3] ایضاً ص۲۹۵،

حضرت اُسَیدؓ بن حضیر

نام ونسب | اسید نام، ابویحییٰ وابوعتیک کنیت، قبیلۂ اوس کے خاندان اشہل سے ہیں،
نسب نامہ یہ ہے، اسید بن حضیر بن سماک بن عتیک بن رافع بن امرء القیس بن زید بن عبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس، ماں کا نام ام اسید بنت اسکن تھا،

حضرت اسیدؓ کے والد (حضیر) قبیلہ اوس کے سردار تھے، ایام جاہلیت میں اوس وخزرج میں جو لڑائیاں ہوئیں وہ حضیر ہی کے زیر قیادت ہوئیں، جنگ بعاث میں جو تمام لڑائیوں کا نچوڑ تھی، سپہ سالاری کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا،

اس میں انھوں نے نہایت ہوشیاری سے اپنا کام انجام دیا، خزرج کی ریاست عمرو بن نعمان بجیلہ کے سپرد تھی، وہ نہایت تدبر سے فوجوں کو لڑا رہا تھا، اور اوسی شکست کھا رہے تھے، یہ دیکھکر حضیر خود مقابلہ کو آگے بڑھے، اور عمرو مارا گیا، اور اوس کو کامیابی نصیب ہوئی یہ ہجرت سے ۵ سال قبل کا واقعہ ہے،

اسلام | اس کے تین سال بعد بیعت عقبہ ہوئی، اور حضرت مصعبؓ بن عمیر اشاعت اسلام کیلئے مدینہ تشریف لائے، حضرت اسیدؓ ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے،

حضرت مصعبؓ نے اسعدؓ بن زرارہ کے مکان میں قیام کیا تھا، اور بنو ظفر کے قبیلہ میں بیٹھکر قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے، بنو ظفر کے مکانات عبدالاشہل سے متصل واقع تھے، ایک روز

باغ میں مسلمانوں کو تعلیم دے رہے تھے کہ سعد بن معاذؓ اور اسید بن حضیرؓ کو خبر ہوگئی، سعدؓ نے اسید سے کہا کہ ان کو جا کر منع کرو، ہمارے محلہ میں آئندہ نہ آئیں، اگر سعد بن زرارہ بیچ میں نہ ہوتے تو میں خود چلتا، ان کے کہنے پر اسید نیزہ اٹھا کر باغ کی طرف اسلام کا قلع قمع کرنے روانہ ہوئے کارکنان قضا نے کہا، ع

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

حضرت اسعد بن زرارہؓ نے ان کو آتا دیکھ کر داعی اسلام سے کہا کہ یہ اپنی قوم کے سردار ہیں اور آپ کے پاس آرہے ہیں، ان کو مسلمان بنا کر چھوڑیے گا، اسیدؓ قریب پہنچ کر پوچھا تم ہمارے کمزور لوگوں کو بیوقوف کیوں بناتے ہو، اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو ابھی یہاں سے چلے جاؤ، مصعبؓ پر اس کا کیا اثر ہوسکتا تھا، فرمایا آپ بیٹھ کر پہلے میری بات سن لیں، اگر پسند ہو تو خیر ورنہ جو مزاج میں آئے کیجیے گا، اسید بیٹھ گئے اور مصعبؓ نے اسلام کی حقیقت بیان کرکے کلام پاک کی چند آیتیں پڑھیں، جن کو سن کر ان پر خاص اثر طاری ہوا، اور بے اختیار منہ سے نکلا کہ اس دین میں کیونکر داخل ہوسکتا ہوں؟ جواب دیا پہلے نہانا ضروری ہے، پھر کپڑے پاک کرنا، کلمہ پڑھنا، اور نماز پڑھنا، اسیدؓ اٹھے اور نہا کر مسلمان ہوگئے، چلتے وقت کہا میں جاتا ہوں اور دوسرے سردار کو بھیجتا ہوں، ان کو بھی مسلمان کرنا، اور وہاں سے لوٹ کر حضرت سعد بن معاذؓ کو روانہ کیا،

یہ عقبہ ثانیہ سے پہلے کا واقعہ ہے، بیعت عقبہ میں خود شریک ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عبد الاشہل کا نقیب تجویز فرمایا،

غزوات و دیگر حالات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کو جو مہاجر اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے، ان کا اسلامی بھائی بنایا،

غزوات میں سے بدر کی شرکت میں اختلاف ہے آخر میں شریک تھے، اور ۷ زخم کھائے تھے۔ لڑائی کی شدت کے وقت جب تمام مجمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہٹ گیا، اس وقت بھی یہ ثابت قدم رہے تھے۔

غزوۂ خندق میں لڑائی ختم ہونے کے بعد بھی مسلمان ۱۰ روز تک محصور رہے، اور مشرکین شبخوں کے ارادہ سے راتوں کو گشت لگاتے تھے، اس وقت حضرت اسید نے ۲۰۰ سو آدمی لے کر خندق کی حفاظت کی۔[1]

جب غطفانیوں نے لوٹ مار میں زیادہ سرگرمی دکھائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سرداروں (عامر بن طفیل اور زید) کو بلا بھیجا، ان دونوں نے باتفاق کہا کہ مدینہ کے پھلوں میں حصہ دلوا دیئے تو اس کی تدبیر کیجا سکتی ہے، اسید بن حضیر کھڑے تھے، نیزہ سے دونوں کے سر کو ٹھو نکا دے کر کہا لومڑی جا بھاگ، عامر کو یہ الفاظ ناگوار گذرے، پوچھا تم کون ہو؟ کہا اسید بن حضیر، سوال کیا حضیر کتائب کے بیٹے، کہا ہاں، بولا کہ تمھارے باپ تم سے اچھے تھے، جواب دیا کبھی نہیں؛ میں تم سے اور اپنے باپ دونوں سے اچھا ہوں، کیونکہ وہ کافر تھے۔

اس کے ایک سال بعد اور غزوۂ حدیبیہ سے ایک سال قبل، ابو سفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کو ایک آدمی بھیجا تھا، اس نے چھوٹا سا خنجر کمر میں رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پوچھتا ہوا عبد الاشہل کی مسجد میں پہنچا، آپ نے صورت دیکھتے ہی فرمایا، یہ دھوکہ دینے آیا ہے، وہ قتل کے ارادہ سے آپ کی طرف بڑھا حضرت اسیدؓ نے اسکی لنگی پکڑ کر کھینچ لی اور اس کا خنجر نیچے گر پڑا وہ سمجھا کہ اب جان کی خیر نہیں، انھوں نے اس کا گریبان مضبوط پکڑ لیا تھا کہ بھاگنے کا قصد نہ کرے۔[2]

---

[1] طبقات ج۳ حصہ مغازی [2] ایضاً ص ۶۸

خیبر میں سلمہ بن اکوع کے چچا عامر نے ایک یہودی پر حملہ کیا تھا، مگر ان کی تلوار اچٹ کر خود ان کو لگ گئی جس سے وہ جاں بحق تسلیم ہو گئے، حضرت اُسَید اور بعض بزرگوں کو خیال ہوا کہ چونکہ اپنے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں جو ایک طرح کی خودکشی ہے، اس لیے ان کے اعمال رائیگاں گئے، سلمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، ارشاد ہوا کہ کہنے والوں نے غلط کہا، ان کو دوہرا ثواب ہے[1]۔

فتح مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کے ساتھ تھے، جن کا دستہ تمام لشکر کے پیچھے تھا۔ اس میں حضرت اسید کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان تھے[2]۔

غزوہ حنین میں قبیلہ اوس کا جھنڈا ان کے پاس تھا[3]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بیعت سقیفہ میں نمایاں حصہ لیا، قبیلہ اوس سے کہا کہ خزرج سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا کر سیادت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو تم پر ہمیشہ کے لیے تفوق حاصل کر لیں گے، اور تم کو خلافت میں کبھی حصہ نہ دیں گے۔ میرے خیال میں ابوبکر سے بیعت کر لینا بہتر ہے، اور مشورہ دے کر سب کو حکم دیا کہ حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کر لیں، اوس کی آمادگی کے بعد حضرت سعد بن عبادہؓ کی قوت ٹوٹ گئی[4]۔

فتح بیت المقدس میں کہ ۱۶ھ کا واقعہ ہے، حضرت عمرؓ کے ساتھ مدینہ سے شام گئے۔

---

[1] مسلم ص ۹۶ ج ۲ [2] طبقات ص ۹۰ حصہ مغازی [3] طبقات ص ۱۰۰
[4] تاریخ طبری ص ۱۸۴۳ ج ۴

وفات | سنہ ۲۰ھ میں انتقال کیا، حضرت عمرؓ نے خود ان کے مکان سے جنازہ اٹھایا اور بقیع میں لاکر نماز پڑھائی اور وہیں دفن کیا۔

قرض | حضرت عمرؓ سے وصیت کی تھی کہ وہ جائداد اپنے ہاتھ میں لے کر قرض ادا کریں، آسان صورت یہی تھی، کہ جائداد فروخت کر کے قرض ادا کر دیا جاتا، لیکن حضرت عمرؓ نے ایسا نہیں کیا، چار ہزار درہم قرض تھا، قرض خواہوں کو بلا کر ۱۰۰۰ درہم سالانہ پر راضی کیا، اس طرح ۴ برس میں پھل فروخت کر کے ان کا کل قرض ادا کر دیا، اور جائداد سالم بچ گئی، فرماتے تھے کہ میں اپنے بھائی کے بچوں کو محتاج نہیں دیکھنا چاہتا۔

اہل وعیال | بیوی نے عہد نبوی میں انتقال کیا تھا، چنانچہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ حج یا عمرہ سے لوگ واپس ہو رہے تھے کہ ذوالحلیفہ میں چند انصار کے لڑکوں نے اسیدؓ ابن حضیر کو ان کی بیوی کے مرنے کی خبر سنائی، انھوں نے منہ پر کپڑا ڈال کر رونا شروع کیا، حضرت عائشہؓ نے کہا خدا آپ کی مغفرت کرے، آپ ایک جلیل القدر صحابی ہو کر ایک عورت کے لیے روتے ہیں، انھوں نے کپڑا ہٹا لیا، اور کہا آپ سچ کہتی ہیں، ہم کو صرف سعد بن معاذؓ پر رونا چاہیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو سنتے رہے۔[۱]

لڑکا غالباً ایک ہی تھا، اور اس کا نام یحییٰ تھا، صحیح بخاری باب نزول السکینہ والملئکۃ عند قرأۃ القرآن میں ان کا تذکرہ آیا ہے۔[۲]

فضل وکمال | دوسرے اکابر صحابہ کی طرح قرآن وحدیث کی نشر و اشاعت میں ان کا بھی حصہ ہے، انھوں نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ

---

[۱] مسند ج ۲ ص ۳۵۲، [۲] بخاری ج ۲ ص ۷۵۰۔

حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ابولیلیٰؓ انصاری، حضرت کعبؓ بن مالک جیسے جلیل المنزلت صحابہ، ان کے راویانِ حدیث کے سلسلہ میں داخل ہیں،

اخلاق وعادات | تزکیۂ باطن نے تمام حجابات اٹھا دیئے تھے، ایک روز رات کو کلام پاک کی تلاوت کر رہے تھے، گھوڑا قریب بندھا تھا، وہ بدکا، انھوں نے پڑھنا بند کر دیا تو وہ تھم گیا، دوبارہ پڑھنا شروع کیا، تو پھر بدکا، ان کو ڈر لگا کہ بچہ پاس لیٹا ہوا ہے کہیں کچل نہ جائے، تیسری مرتبہ باہر نکل کر دیکھا تو آسمان پر ایک سایہ بان نظر آیا، جس میں چراغ کی طرح روشنی تھی، قرأت ختم ہو چکی تھی، اس لیے وہ اوپر چڑھتا ہوا نظر سے غائب ہو گیا، صبح اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، ارشاد ہوا کہ فرشتے قرأت سننے آئے تھے، اگر تم صبح تک پڑھتے رہتے تو لوگ ان کو روز روشن میں دیکھ سکتے تھے،[۱]

ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو سخت اندھیرا تھا، چھڑی ہاتھ میں تھی، ایک صحابی اور ہمراہ تھے، آگے ایک روشنی ساتھ ساتھ چلتی تھی، راستہ میں الگ الگ ہوئے تو روشنی بھی دونوں کے ساتھ جدا جدا ہو گئی،[۲]

اس واقعہ کو لوگوں نے کرامات صحابہ میں داخل کیا ہے،

نہایت صاف گو تھے، اور اس لیے سینہ کینہ سے پاک تھا، جو بات ہو پر کہہ دیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ اس صفت کی وجہ سے ان کو تمام انصار پر فضیلت دیتے تھے،

نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے، حضرت سعدؓ بن معاذؓ کے بعد قبیلۂ اوس

---

۱ بخاری ج ۲ ص ۷۵۰، ۲ ایضاً ج ۱ ص ۵۳۴،

تمام تر ان کا تابع فرمان تھا، ان کے اثر و اقتدار کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جہاں پیشتر سے تمام انصار حضرت سعد بن عبادہ کے خلیفہ بنانے پر اتفاق کرچکے تھے، ان کی ایک جنبش لب نے انصار کی تمام سوچی سمجھی ہوئی اسکیم درہم برہم کردی،

انہی عظیم الشان خدمات کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا نعم الرجل اسید بن حضیر، حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ وہ صحابہ کے بہترین اور برگزیدہ ترین افراد میں داخل تھے،

حضرت ابودجانہؓ

نام ونسب | سماک نام، ابودجانہ کنیت، قبیلہ ساعدہ سے ہیں اور سعد بن عبادہ سردار خزرج کے ابن عم ہیں سلسلۂ نسب یہ ہے، اسماک بن خرشہ بن لوذان بن عبدود بن زید بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر،

اسلام | ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے،

غزوات اور دیگر حالات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو عتبہ بن غزوان سے ان کی برادری قائم کی، تمام غزوات میں شریک ہوئے،

غزوۂ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار ہاتھ میں لیکر کہا اس کا حق کون ادا کرتا ہے، ابودجانہ بولے میں ادا کروں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو تلوار عنایت فرمائی بعض روایتوں میں ہو کہ انھوں نے دریافت کیا اسکا حق کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ مسلمان کو نہ مارنا اور کافر سے نہ بھاگنا[1]

حضرت ابودجانہ نے حسب معمول سر پر سرخ پٹی باندھی اور تنتے اکڑتے صفوں کے درمیان آکر کھڑے ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چال اگرچہ خدا کو ناپسند ہے، لیکن ایسے موقع پر کچھ ہرج نہیں[2]

معرکۂ کارزار میں نہایت پامردی سے مقابلہ کیا، اور بہت سے کافر قتل کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں بہت سے زخم کھائے، لیکن میدان سے نہ ہٹے

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۶ [2] اصابہ ج ۷ ص ۵۸ [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۸۴،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس جانبازی سے نہایت خوش ہوئے، مکان تشریف لائے تو حضرت فاطمہؓ سے فرمایا میری تلوار دھو ڈالو، حضرت علیؓ نے بھی آکر یہی خواہش کی اور کہا کہ آج میں خوب لڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم خوب لڑے تو سہل بن حنیف اور ابودجانہ بھی خوب لڑے، (اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۵۲)

غزوۂ بنو نضیر کا کل مال اور اسباب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تھا، تاہم آپ نے چند مہاجرین اور انصار کو اس میں سے حصہ عنایت فرمایا تھا، ابودجانہ کو بھی زمین دی تھی جو انہی کے نام سے مال ابن خرشہ مشہور تھی[1]

غرض تمام معرکوں میں ان کی شرکت نمایاں تھی مصنف استیعاب لکھتے ہیں[2]

لہ مقامات محمودة فی مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	غزوات نبوی میں ان کو ممتاز درجہ حاصل ہے،

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جنگ یمامہ میں نہایت جانبازی دکھائی مسیلمہ کذاب سے جو مدعی نبوت تھا، مقابلہ تھا، وہ اپنے باغ کے اندر سے لڑ رہا تھا مسلمان گھسنا چاہتے تھے، لیکن دیوار حائل تھی، ابودجانہؓ تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے، اس کے بعد کہا مسلمانو! مجھ کو ادھر پھینک دو! اس ترکیب سے اگرچہ دیوار پھاند گئے، لیکن پاؤں ٹوٹ گیا، تاہم مشرکین سے دروازہ روکے کھڑے رہے، اور جب تک مسلمان باغ میں داخل نہ ہو گئے اپنی جگہ سے نہ ہلے[3]

شہادت۔ مسلمان اندر پہنچ کر جوش وخروش سے لڑنے لگے، گو ابودجانہ کا پاؤں ٹوٹ چکا تھا، تاہم وہ مسیلمہ کو مارنے کے لیے بڑھے اور آخر خود بھی شہید ہو گئے[4]

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۴۲ [2] ایضاً ص ۶۵۲ [3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۵۲ [4] ایضاً ج ۵ ص ۱۸۴

فضل وکمال | اگرچہ حضرت ابودجانہؓ سے حدیثیں منقول نہیں، تاہم ان کی نسبت صاحب اسدالغابہ لکھتے ہیں، وھو من فضلاء الصحابۃ واکابرھم۔ یعنی وہ فضلاے صحابہ میں تھے اور بڑے رتبہ کے شخص تھے۔[1]

اخلاق وعادات | جوشِ ایمان کا نظارہ جنگ یمامہ کی جانبازی میں ہوچکا ہے۔

حبِ رسولؐ جنگ احد میں ظاہر ہوتی ہے، جس وقت تمام مجمع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے منتشر ہوگیا، اور صرف چند آدمی آپ کے ساتھ رہ گئے تھے، ان میں دو آدمی آپؐ کے سپر بنے ہوئے تھے، مصعبؓ بن عمیر اور ابودجانہؓ، اول الذکر جان دیکر ہٹے، اور ابودجانہؓ نے کاری زخم کھاکر فدائیت کا ثبوت دیا،

شجاعت کا اندازہ بھی انہی واقعات سے کرنا چاہیے، صاحب استیعاب لکھتے ہیں،

کان بعمۃ من البھم الابطال، یعنی ان کا شمار مشہور اور دلیر بہادروں میں تھا،[2] اسدالغابہ میں ہے کہ وہ لڑائی کے وقت سر پر سرخ پٹی باندھتے اور ناز و تبختر سے چلتے تھے،[3]

---

[1] اسدالغابہ ج ۲ ص ۳۵۲ [2] استیعاب جلد ۲ ص ۶۵۱ [3] اسدالغابہ ج ۵ ص ۱۸۴

—— ۔۔۔ ——

حضرت ابو الیسر کعبؓ بن عمرو

نام ونسب | کعب نام، ابو الیسر کنیت، بنو سلمہ سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، کعب بن عمرو ابن عباد بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سارہ بن یزید بن جشم بن خزرج، ماں کا نام نسیبہ بنت ازہر بن مری تھا، اور بنو سلمہ سے تھیں،

اسلام | عقبۂ ثانیہ میں بیعت کی،

غزوات | تمام غزوات میں شریک رہے، غزوۂ بدر میں نہایت جوش سے لڑے، مشرکین کا علم ابو عزیز بن عمیر کے ہاتھ میں تھا، انھوں نے بڑھ کر چھین لیا، ایک مشرک سبنہ بن حجاج سہمی کو قتل کیا، اور حضرت عباسؓ کو اسیر کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائے، آپؐ نے ان کے چھوٹے سے قد اور حضرت عباسؓ کے ڈیل ڈول کو دیکھ کر نہایت تعجب ہوئے اور فرمایا کہ عباس کو گرفتار کرنے میں ان کی کسی فرشتہ نے اعانت کی، اس وقت ان کا سن کل ۲۰ سال کا تھا،

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بھی ان کی شرکت بدر تسلیم کی ہے،

معرکۂ خیبر میں جبکہ صحابہ قلعوں کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، ایک رات کسی یہودی کی بکری قلعہ میں جا رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھ کو اس کا گوشت کون کھلائے گا، ابو الیسر نے کہا میں، اور اٹھ کر نہایت تیز دوڑتے ہوئے پہنچے، بہت بکریاں بھی اندر جا رہی تھیں، انھوں نے دو بکریاں پکڑ لیں، اور بغل میں دبا کر لے آئے، لوگوں نے

ان کو ذبح کرکے گوشت پکایا۔[۱]

صفین اور دوسری لڑائیوں میں جناب امیر رضی اللہ عنہ کے ہم رکاب تھے،

وفات | ۵۵ھ میں مدینہ میں انتقال کیا، اصحاب بدر میں یہ سب کے بعد میں فوت ہوئے،

خیبر والی حدیث بیان کرکے رویا کرتے اور کہتے تھے کہ مجھ سے فائدہ اٹھالو، صحابہ میں صرف میں باقی رہ گیا ہوں،[۲] وفات کے وقت سن ستر سے اوپر تھا، بعض لوگوں نے ۱۲۰ سال لکھا ہے، لیکن یہ بداہتہً غلط ہے،

اولاد | ایک لڑکا یادگار چھوڑا، جس کا نام عمار تھا،

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد کوتاہ، پیٹ بڑا،

فضل وکمال | حدیث کم اور نہایت احتیاط سے روایت کرتے تھے، ایک مرتبہ عبادہ بن ولید سے دو حدیثیں بیان کیں، اور حالت یہ تھی کہ آنکھ اور کان پر انگلی رکھ کر کہتے تھے، کہ ان آنکھوں نے یہ واقعہ دیکھا، اور ان کانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرماتے سنا،[۳]

تلامذہ میں عبادہ بن ولید، موسیٰ بن طلحہ، عمر بن حکم بن رافع، حنظلہ بن قیس زرقی، صیفی مولا ابوایوب انصاریؓ، اور ربعی بن حراش کا نام داخل ہے،

اخلاق وعادات | نہایت رحیم اور نرم دل تھے، بنو حرام کے ایک شخص پر قرض آتا تھا، اس کے مکان پر جاکر آواز دی، معلوم ہوا موجود نہیں، اتنے میں اس کا چھوٹا لڑکا باہر آیا، انھوں نے پوچھا تمہارے باپ کہاں ہیں، بولا اماں کی چارپائی کے نیچے چھپے ہیں، انھوں نے پکارا کہ اب نکل آؤ، تم جہاں پر ہو مجھے معلوم ہے، وہ باہر آیا، اور اپنی فقر کی داستان سنائی، ابوالیسر کا دل بھر آیا، اور کاغذ منگا کر تمام حروف مٹا دیے اور کہا کہ اگر مقدرت ہو تو ادا کرنا ورنہ میں

---

[۱] مسند ج ۳ ص ۴۲۷، [۲] ایضاً ص ۴۲۷، [۳] صحیح مسلم ص ۴۱۲ ج ۲

معاف کرتا ہوں[1]،

غلاموں کے ساتھ برابری کا برتاؤ رکھتے تھے، ایک مرتبہ عبادہ بن ولید ان سے حدیث سننے کے لیے آئے، دیکھا تو ان کے غلام کے پاس کتابوں کا ایک پشتارہ ہے، خود ایک چادر اور ایک معافری بنی ہوئی لنگی پہنے ہیں، غلام کا بھی یہی لباس ہے، عبادہ نے کہا، عم محترم بہتر ہو کہ ایک جوڑا پورا کر لیجئے، یا تو آپ ان کی معافری لیجئے اور اپنی چادر ان کو دیدیجئے اور یا اپنی معافری دیدیجئے اور ان سے چادر لیجئے، حضرت ابوالیسرؓ نے یہ سن کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور دعا دی، اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ جو تم پہنو غلاموں کو پہناؤ، اور جو تم کھاؤ ان کو کھلاؤ[2]،

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۶ [2] ایضاً،



حضرت ابو لبابہؓ

نام و نسب | رفاعہ نام، ابو لبابہ کنیت، قبیلۂ اوس سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، رفاعہ ابن عبد المنذر بن زبیر بن زید بن امیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس،

اسلام | عقبۂ ثانیہ میں اسلام لائے، اور نقیب بنائے گئے،

غزوات | اکثر غزوات میں شرکت کی، غزوۂ بدر میں خاص امتیاز حاصل ہوا، ہر اونٹ پر ۳، ۳ آدمی سوار تھے، ابو لبابہؓ جس اونٹ پر تھے وہ شہنشاہ زماں کا موکب ہمایوں تھا، جناب امیر علیہ السلام بھی اسی پر تھے، وہ لوگ باری باری چڑھتے اترتے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اترنے کی باری آتی، دونوں جاں نثار عرض کرتے کہ آپ سوار رہیں ہم پیدل چلیں گے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم مجھ سے زیادہ پیدل چلنے پر قادر نہیں، اور نہ میں تم میں سے زیادہ ثواب سے مستغنی ہوں[1]

مدینہ سے دو دن کی مسافت پر روحا ایک مقام ہے، وہاں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو لبابہؓ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر کرکے واپس کر دیا اور غنیمت میں جس طرح مجاہدین کا حصہ لگایا تھا، ان کا بھی لگایا،[2]

غزوۂ قینقاع اور غزوۂ سویق میں بھی وہی مدینہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے،

---

[1] طبقات ابن سعد ص۱۲ [2] ایضاً ص۱۸ و ۱۹

سنہ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قریظہ کا جو یہودی تھے اور اسلام کے سخت دشمن تھے، محاصرہ کیا، یہ لوگ قبیلۂ اوس کے حلیف تھے، اس بنا پر انھوں نے ابولبابہ کو مشورہ کے لیے بلایا، یہ وہاں پہنچے تو یہود نے بڑی تعظیم کی اور ان کے سامنے اصل مسئلہ پیش کیا، یہودیوں کی عورتیں اور بچے روتے ہوئے سامنے نکل آئے، یہ عجیب دردناک سماں تھا، اس کو دیکھ کر دل بھر آیا، اور کہا کہ میرے خیال میں تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان لینا چاہیے، اور گلے کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ نہ ماننے کی صورت میں قتل کیے جاؤ گے کہنے کو تو اشارہ کر گئے، لیکن جب یہ خیال آیا کہ خدا اور رسولؐ کی خیانت ہوئی، تو پیروں کے نیچے کی زمین نکل گئی، وہاں سے اٹھ کر مسجد نبوی آئے اور ایک موٹی اور وزن دار زنجیر سے اپنے کو ایک ستون میں باندھا، کہ جب تک خدا توبہ نہ قبول کرے، اسی طرح بندھا رہوں گا،

زیادہ عرصہ گذرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے دریافت کیا، قصہ معلوم ہونے پر فرمایا، خیر جو کچھ ہوا اچھا ہوا، اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں خود استغفار کرتا، غرض ۷، ۸ دن اسی طرح گذرے، نماز اور حوائج ضروریہ کے لیے زنجیر کھول لیتے تھے، اس سے فراغت کے بعد ان کی لڑکی پھر باندھ دیتی، کھانا پینا بالکل ترک تھا، کانوں سے بہرے ہو گئے، آنکھیں بھی معرض خطر میں پڑ گئیں، اور ناطاقتی سے بیہوش ہو کر زمین پر گر گئے، اس وقت رحمت الٰہی کے نزول کا وقت آیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تھے کہ طلوع فجر سے پیشتر آیت توبہ اتری، آپ فرط مسرت سے مسکرا رہے تھے، حضرت ام سلمہؓ نے کہا یا رسول اللہ! خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے، بات کیا ہے؟ فرمایا ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہو گئی، اتنا کہنا تھا

کہ یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہوگئی، لوگ ابولبابہؓ کو کھولنے آئے، انھوں نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود آکر کھولیں گے اس وقت یہاں سے ہٹوں گا، چنانچہ نماز صبح کے لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لائے تو خود اپنے دست مقدس سے حضرت ابولبابہ کو کھولا،

ابولبابہؓ پر مسرت کا یہ عالم طاری تھا کہ درخواست کی کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر آپ کے پاس رہوں گا، اور اپنا کل مال صدقہ کرتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ثلث صدقہ کرو[1]

توبہ میں یہ آیتیں نازل ہوئی تھیں،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا	مسلمانو! تم اللہ رسول اور اپنی امانتوں
اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ	میں خیانت نہ کرو، حالانکہ تم اس کو جانتے
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ، وَاعْلَمُوا أَنَّمَا	ہو، اور خوب سمجھ لو کہ تمہارا مال اور
أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ	اولاد آزمائش ہیں، اور خدا کے پاس
اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ. يَا أَيُّهَا	بڑا اجر ہے، مسلمانو! تم اگر خدا سے
الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ	ڈروگے تو تم کو ممتاز کرے گا، اور تمہاری
لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ	برائیاں دور کرے گا، اور خدا بڑا فضل
وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ	کرنے والا ہے،

سنہ ۸ھ میں غزوہ فتح ہوا، اس غزوہ میں عمرو بن عوف کا جھنڈا ان کے پاس تھا، غزوہ تبوک میں شریک تھے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس غزوہ میں شامل نہیں ہوئے

[1] کتب رجال و مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۵۰۲،

اور اسی وجہ سے اپنے کو مسجد کے ستون میں باندھا تھا، لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں، غزوۂ تبوک میں جو مسلمان بلا عذر رہ گئے تھے، وہ صرف ۳ تھے، مرارہ بن ربیع، ہلال بن امیہ، کعب بن مالکؓ، چنانچہ قرآن مجید میں بھی تین ہی کا لفظ موجود ہے، وعلی الثلثة الذین خلفوا،

وفات سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے، لیکن اس قدر مسلم ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے عہد مبارک میں وفات پائی،

اولاد دو لڑکے چھوڑے سائب اور عبد الرحمن،

فضل وکمال حضرت ابو لبابہؓ جلیل القدر صحابی تھے، برسوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف رہے تھے، اس اثناء میں بہت حدیثیں سننے کا اتفاق ہوا ہوگا، لیکن ان کی مرویات کی تعداد نہایت قلیل ہے،

راویان حدیث کے زمرہ میں بعض اکابر صحابہ داخل ہیں، مثلاً عبد اللہ بن عمرؓ تابعین کا تمام اعلیٰ طبقہ ان کی مسند فیض کا حاشیہ نشین ہے، جن میں مخصوص لوگوں کے نام یہ ہیں:

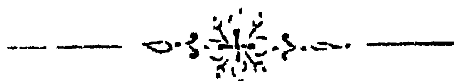
عبد الرحمن بن یزید بن جاریہ، ابوبکر بن عمرو بن حزم، سعید بن مسیب، سلمان اغر، عبد الرحمن بن کعب بن مالک، سالم بن عبد اللہ بن عمر، عبید اللہ بن ابی یزید، نافع مولی ابن عمر، سائب، عبد الرحمن،

اخلاق معمولی معمولی باتوں میں بھی حدیث نبوی پر عمل کا لحاظ رکھتے تھے،

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سانپ مارنے کی حدیث سنی تھی، اس کی بنا پر جہاں سانپ دیکھتے، مار ڈالتے تھے، لیکن گھر میں نکلنے والے سانپ

اس سے مستثنیٰ تھے، ابولبابہؓ کا مکان ان کے مکان سے بالکل متصل واقع تھا، ایک روز کہا کہ اپنے گھر کی کھڑکی کھولو، میں اسی طرف سے مسجد جاؤں گا، ابن عمرؓ اٹھے، ادھر سے وہ بھی کھول رہے تھے، پٹ کھلا تو ایک سانپ نظر آیا، عبد اللہؓ نے دوڑ کر مارنا چاہا، انھوں نے روکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کے سانپوں کے مارنے کی ممانعت فرمائی ہے۔[1]

[1] مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۴۵۲ و ۴۵۳،



حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان

نام ونسب | مالک نام، ابوالہیثم کنیت، قبیلۂ اوس سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، مالک بن التیہان ابن مالک بن عتیک بن عمرو بن عبد الاعلم بن عامر بن زعورا بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو ابن مالک بن اوس،

زعورا، عبد الاشہل کا بھائی تھا، اس بنا پر ابوالہیثم اسید بن حضیر کے ابن عم ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبد الاشہل سے محض حلیفانہ تعلق تھا، درا صل وہ خاندان بلی کے ایک فرد تھے، ابن سعد کی یہی رائے ہے، لیکن کثرت رائے پہلی روایت کی جانب ہے،

اسلام | وہ جاہلیت ہی میں توحید کے قائل تھے، ابن سعد میں ہے،

وکان اسعد بن زرارۃ وابو الہیثم بن التیہان متکلمان بالتوحید بیثرب

یعنی مدینہ میں اسعد بن زرارہؓ اور ابوالہیثم بن تیہان، توحید کا خیال ظاہر کرتے تھے،[۱]

اسعد بن زرارہؓ ۶ آدمیوں کے ساتھ جب مکہ سے مسلمان ہو کر آئے تو ابوالہیثم سے اپنا مسلمان ہونا بیان کیا، اور اسلام کی تعلیم پیش کی، ابوالہیثم پہلے ہی دین الفطرت کے متلاشی تھے، فوراً اس صدا کو لبیک کہا،

اس کے ایک سال بعد ۱۲ آدمیوں کا جو وفد مکہ گیا، ابوالہیثم اس میں شامل تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مقدس پر بیعت کی، دوسرے سال ۷۰ آدمیوں کے ساتھ[۲]

---

[۱] طبقات ج ۳ قسم ۱ ص ۱۴۱ ، [۲] ایضاً

گئے، اور بیعت حرب میں شریک ہوئے، کہتے ہیں کہ اس میں سب سے پہلے بیعت کے لیے جس شخص نے ہاتھ بڑھایا وہ ابوالہیثم تھے، بنو عبدالاشہل کا یہی بیان ہے، اور موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری سے یہی نقل ہے،

اس بارہ میں بیانات مختلف ہیں، بنو نجار اسعدؓ بن زرارہ کے تاج عظمت پر سبقت کا طرہ لگاتے ہیں، بنو سلمہ کعبؓ بن مالک کو پیش کرتے ہیں اور بعض لوگ ان سب کے علاوہ براء ابن معرور کا نام لیتے ہیں[1]

بیعت کے بعد نقیبوں کا انتخاب ہوا، بنو عبدالاشہل میں اسید بن حضیر اور ابوالہیثم اس منصب کے لیے پیش کیے گئے

غزوات | عثمان بن مظعون سے کہ بڑے پایہ کے مہاجر تھے، رشتۂ اخوت قائم ہوا، غزوات عہد نبوت میں کسی غزوہ کی شرکت سے محروم نہیں رہے،

وفات | حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت ۲۰ھ میں وفات پائی، بعض لوگوں کا قول ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے عہد خلافت تک زندہ تھے، اور صفین میں ان کی طرف سے لڑکر شہید ہوئے، لیکن یہ صحیح نہیں، واقدی نے صاف تصریح کی ہے کہ صفین میں ان کی شرکت کی خبر بے بنیاد ہے، اس کے ماسوا ۲۰ھ میں فوت ہونے پر زہری، صالح بن کسان اور حاکم جیسے جلیل القدر محدثین کی روایتیں موجود ہیں، ان کے مقابلہ میں ایک مشکوک اور بے سند روایت کہانتک قابل اعتبار ٹھہر سکتی ہے؟

فضل وکمال | حدیث کی بعض کتابوں میں چند روایتیں مذکور ہیں، لیکن ان کی صحت پر مشکل سے یقین کیا جا سکتا ہے، امام ابن عسقلانی لکھتے ہیں:

---

[1] اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۷۴،

والروایات عن ابی الھیتم کلھا	یعنی ابوالہیثم سے جتنی روایتیں ہیں سب مشکوک
فیھا نظر، ولیست تاتی من وجہ	ہیں، ایک بھی پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتی اور
یثبت وذٰلک لتقدم موتہ[1]	اسکا سبب یہ ہے کہ وہ بہت پہلے انتقال کر چکے تھے،

اخلاق | حب رسول پر ذیل کا واقعہ شاہد عدل ہے،

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلاف معمول باہر تشریف لائے، حضرت ابوبکرؓ بھی پہنچے، پوچھا ابوبکرؓ اس وقت کیسے آئے، عرض کی حضور کی زیارت کو، تھوڑی دیر میں حضرت عمرؓ بھی آگئے، ان سے بھی یہی سوال ہوا، انھوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھوک یہاں لائی، ارشاد ہوا میں بھی بھوکا ہوں، تینوں بزرگ ابوالہیثمؓ کے یہاں چلے، ابوالہیثمؓ کے پاس کھجور کے باغات اور بکریوں کے ریوڑ تھے، لیکن کوئی نوکر نہ تھا، اور تمام کام خود انجام دیتے تھے، اس وقت وہ گھر میں موجود نہ تھے، مکان پہنچ کر آواز دی ان کی بیوی نے کہا پانی بھرنے گئے ہیں، تھوڑی دیر میں مشک لئے ہوئے آتے دکھائی دیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مشک رکھ دی، اور آپ سے لپٹ کر نہایت ذوق وشوق سے کہنے لگے میرے ماں باپ آپ پر فدا، اس کے بعد اپنے باغ میں لے گئے، بیٹھنے کے لیے کوئی چیز بچھا دی اور خود چھوہاروں کی ایک شاخ کاٹ لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پکے چھوہارے لائے ہوتے، عرض کی، اس میں پکے، گدر ہر قسم کے ہیں، جو مرغوب خاطر ہوں، آپ اس کو نوش فرمائیں، چھوہارے کھلانے کے بعد پانی پلایا، پانی نہایت صاف اور شیریں تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد فرمایا، دیکھو، کتنی نعمتیں ہیں، سایہ، عمدہ چھوہارے، ٹھنڈا پانی، خدا کی قسم ان کا قیامت کے دن سوال ہوگا، ابوالہیثم اپنے معزز مہمانوں کو باغ میں چھوڑ کر مکان آئے اور کھانے کا سامان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دودھ

[1] اصابہ ج ۷ ص ۲۶۰

دینے والی بکری نہ ذبح کرنا، انھوں نے ایک بچہ ذبح کیا، اور اس کو تیار کر کے حضور کی خدمت میں لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد پوچھا تمہارے پاس کوئی نوکر ہے، عرض کیا نہیں، فرمایا جب میرے پاس قیدی آئیں تو آنا، اسی اثنا میں دو قیدی آئے تھے، ابو الہیثم سے ارشاد ہوا کہ ایک کو پسند کر لو، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑا، آپ نے ایک کو اس بنا پر منتخب کیا کہ وہ نماز پڑھتا تھا، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس سے اچھا برتاؤ کرنا، غلام کو لے کر گھر آئے، اور بیوی سے یہ قول نقل کیا،

بیوی بھی نہایت سمجھدار تھیں، بولیں فرمان نبوی کی تعمیل منظور ہے، تو ان کو آزاد کر دو، انھوں نے ایسا ہی کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو نہایت مسرور ہوئے، اور میاں بیوی دونوں کی مدح فرمائی[1]

---

[1] جامع ترمذی ص ۳۹۱۔

حضرت اسعدؓ بن زرارہ

نام ونسب اسعد نام، ابو امامہ کنیت، خیر لقب، قبیلہ خزرج سے تھے، اور نجار کے خاندان سے وابستہ تھے، نسب نامہ یہ ہے، اسعدؓ بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک ابن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج،

بعثت نبوی سے قبل اگرچہ جزیرہ عرب پورا خطہ کفر وظلمت کا نشین تھا تاہم چند نفوس اپنی فطرت سلیمہ کے اقتضاء سے توحید کے قائل ہوگئے تھے، حضرت اسعدؓ بن زرارہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے[1]،

اسلام اسی زمانہ میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، اسعد بن زرارہؓ اور ذکوان بن عبد قیس نے جو عتبہ بن ربیعہ کے پاس مکہ آئے تھے، ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کیے، انھیں سن کر ذکوان نے اسعد سے کہا دونک ھذا دینک یعنی تم کو جس چیز کی تلاش تھی وہ موجود ہے، اب اس کو اختیار کرلو، چنانچہ حضرت اسعدؓ اٹھ کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور توحید کے ساتھ رسالت کا بھی اقرار کیا[2]

مکہ سے ایمان واسلام کا جو جذبہ ساتھ لائے تھے، وہ مدینہ آکر ظاہر ہوا، چنانچہ اسلام کی تبلیغ شروع کی، سب سے پہلے ابوالہیثم سے ملے اور اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا، ابوالہیثم بولے کہ تمھارے ساتھ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں،[3]

---

[1] طبقات ص۱۳۹ ج ۳ قسم ۱، [2] اسد الغابہ ص۷۱ ج ۱، [3] طبقات ابن سعد ص۱۳۹ ج ۳ قسم ۱

اس بنا پر انصار میں جو شخص سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوا وہ حضرت اسعدؓ بن زرارہ ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عقبہ اولیٰ میں ۶ آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے، پھر سال عقبۂ اولیٰ کے دوسرے سال ۱۲ آدمیوں کے ساتھ مکہ آئے اور تیسرے سال عقبہ کبیرہ کی بیعت میں شرکت کی، کہتے ہیں کہ اسعدؓ بن زرارہ نے سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا، اس بیعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنو نجار کا نقیب تجویز فرمایا، حضرت اسعدؓ نقیبوں میں سن وسال کے لحاظ سے سب سے چھوٹے تھے،

لیکن اس صغرسنی کے باوجود جوش ایمان شباب پر تھا، حرہ بنی بیاضہ میں جس کو نقیع الخضمات بھی کہتے ہیں، باجماعت نماز کا انتظام کیا، اور چالیس آدمیوں کے ساتھ جمعہ ادا فرمایا،[1]

حضرت کعب بن مالکؓ جو اصحاب عقبہ میں تھے، جمعہ کی اذان سنتے تو حضرت اسعدؓ کے لیے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے، کہ اس کار خیر کی بنیاد اسی خیر مجسم کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی، سچ ہے من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرہا واجر من عمل بہا الی یوم القیامۃ۔

اسی زمانہ میں انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خط بھیجا کہ ہماری تعلیم اور اشاعت اسلام کے لیے ایک شخص بھیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو داعی اسلام بنا کر مدینہ روانہ فرمایا، تو اسعد بن زرارہؓ نے ان کو اپنے گھر میں مہمان اتارا،[2]

ہجرت نبوی کے بعد اگرچہ وحی اسلام کا مامن حضرت ابو ایوبؓ کا کاشانہ تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی اسعد بن زرارہؓ کی مہمان تھی،[3]

مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے جو جگہ تجویز ہوئی تھی، وہ زمین سہل اور سہیل نامی دو یتیموں کی

---

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۷۱ ، [2] اصابہ ج ۱ ص ۳۴ ، [3] طبقات ج ۳ ق ۲ ص ۱۳۹ ، [4] طبقات ج ۱ قسم ۱ ص ۱۶

ملک تھی، جو اسعدؓ بن زرارہ کی نگرانی میں تربیت پاتے تھے[1]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مربی سے زمین کی قیمت دریافت کی، تو یتیموں نے عرض کیا کہ ہم حضرت مقدس سے اس کی قیمت چاہتے ہیں، لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا قیمت لینا منظور نہ تھا، اس لیے حضرت ابوبکرؓ سے اس کے دام دلوائے،

بعض روایتوں میں ہے کہ اسعدؓ بن زرارہ نے ان یتیموں کو اپنا ایک باغ جو بنی بیاضہ میں تھا، اس زمین کے معاوضہ میں دیا تھا،[2]

وفات ابھی مسجد نبوی کی عمارت تیار ہو رہی تھی، کہ شوال سنہ ۱ھ میں پیام اجل آیا، حلق میں ایک درد اٹھا جس کو ذبحہ کہتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کو تشریف لے گئے، اور دست مبارک سے سر کو داغا، لیکن یہ درد پیغام اجل تھا اس لیے روح جسم سے پرواز کر گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج ہوا، فرمایا کیا کہوں؟ یہ کیسی بری موت ہوئی، اب یہودیوں کو کہنے کا موقع ہے کہ پیغمبر تھے تو اپنے دوست کو اچھا کیوں نہ کر دیا، حالانکہ ظاہر ہے کہ میں قضا کا کیا علاج کر سکتا ہوں، یہ واقعہ غزوۂ بدر سے قبل کا ہے[3]

جنازہ کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی، اور بقیع میں لے جا کر دفن کیا کہتے ہیں کہ ہجرت کے بعد یہ پہلی موت تھی یہ بھی خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی نماز جنازہ انہی کی پڑھی تھی، اور انصار کے خیال کے مطابق بقیع میں سب سے پہلے دفن ہونے والے مسلمان یہی تھے،[4]

چونکہ اسعدؓ بنو نجار کے نقیب تھے، اس لیے ان کی وفات پر اس خاندان کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ ان کی

---

[1] صحیح بخاری ص۵۵۵ ج ۱، [2] زرقانی ص۳۵۴ ج ۱، [3] مسند ابن حنبل ص۱۳۳ ج ۴، [4] اسد الغابہ ص۷۱ ج ۱

جگہ پر کسی کو نقیب تجویز فرمایا جائے، ارشاد ہوا کہ تم لوگ میرے ماموں ہو، اس لیے میں خود تمھارا نقیب ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نقیب بننا بنو نجار کے لیے ایسا لازوال شرف تھا جس پر وہ ہمیشہ فخر و ناز کیا کرتے تھے[1]

اولاد | حضرت اسعدؓ نے دو لڑکیاں چھوڑیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق وصیت کی، چنانچہ آپ نے ان کا ہمیشہ خیال رکھا اور دونوں کو سونے کی بالیاں جن میں موتی پڑے ہوئے تھے پہنائیں[2]

---

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۷۱ [2] اصابہ ج ۱ ص ۴۳



حضرت ابو قیس صرمہؓ

نام ونسب: صرمہ نام، ابو قیس کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، صرمہ بن ابی انس قیس بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار،

اسلام سے پہلے حضرت صرمہؓ میں چند ایسی باتیں تھیں جنھوں نے ان کو پوری قوم میں معزز بنا دیا تھا، دنیا ترک کی، راہب بنے، ٹاٹ پہنا، بت پرستی چھوڑی اور جنابت سے غسل کیا، ان شریف خصلتوں کے بعد نصرانیت کا خیال ہوا تھا، لیکن فطرت نے خلیل بت شکن کے آستانہ پر پہنچایا، اور دین حنیفی میں داخل ہو گئے، اسلام سے قبل ایک عبادتگاہ بھی بنائی اور فرماتے تھے، اعبد رب ابراھیم! میں ابراہیم کے خدا کی پرستش کرتا ہوں[1]

اس معبد میں ناپاک مرد اور عورت کو جانے کی اجازت نہ تھی[2] حضرت صرمہؓ خود بھی ایسے گھروں میں جہاں جنب اور حائضہ عورت ہو نہیں جاتے تھے[3]

اسلام: عالم پیری تھا، کہ سرزمین یثرب میں اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، انھوں نے نہایت جوش سے خیر مقدم کیا، اور اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے، اس بہجت وانبساط کے موقع پر انھوں نے جو کچھ اشعار کہے تھے، وہ درج ذیل ہیں،

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ۱۷۷، [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۰، [3] ایضاً، [4] اصابہ ج ۳ ص ۱۷۷،

ثوی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ — یذکر لو یلقی صدیقا مواتیا

ویعرض فی اھل المواسم نفسہ — فلم یلق من یومن ولم یرداعیا

فلما اتانا واطمانت بہ النوی — واصبح مسرورا بطیبۃ راضیا

واصبح لا یخشی عداوۃ واحد — قریبا ولا یخشی من الناس باغیا

بذلنا لہ الاموال من جل مالنا — وانفسنا عند الوغی والتاسیا

اقول اذا صلیت فی کل بیعۃ — خلیلک لا تظھر علی الاعادیا[1]

غزوات کی شرکت سے ضعف پیری مانع رہا،

وفات — ۱۲۰ سال کے سن میں وفات پائی، ان کے اشعار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے،

بدالی انی عشت تسعین حجۃ — وعشرا ولاثما بعدھا ثمانیا[2]

فلم الفھا لما صفت وعدتھا — بحسبھا فی الدھر الا لیالیا

فضل وکمال — حضرت صرمہؓ جاہلیت کے سعدی تھے، ان کا موضوع اخلاق تھا، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں،

لہ اشعار کثیرۃ حسان فیھا حکم ووصایا[3] — ان کے اکثر اشعار حکمت و نصیحت سے لبریز ہیں،

چند شعر یہ ہیں:

سبحوا اللہ شرق کل صباح — طلعت شمسہ وکل ھلال

عالم السر والبیان لدینا — لیس ما قال ربنا بضلال

یا بنی الارحام لا تقطعوھا — وصلوھا قصیرۃ من طوال

واتقوا اللہ فی ضعاف الیتامی — ربما یستحل غیر الحلال

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۸، [2] الغابہ ج ۳ ص ۲۲ و ۲۲، [3] اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۲۸

واعلموا ان للیتیم ولیا | عالما یھتدی بغیر السوال
ثم مال الیتیم لا تاکلوہ | ان مال الیتیم یرعاہ وال
یا بنی النجوم لا تخذ لوھا | ان خذل النجوم ذو عقال
یا بنی الایام لا تامنوھا | واحذروا مکرھا مکر اللیال
واجمعوا امرکم علی البر والتقوی وترک الخنا واخذ الحلال[1]

حضرت ابن عباسؓ ان کے ہاں جاتے اور ان کے شعر لاتے تھے[2]

اخلاق | گذشتہ واقعات میں ترک بت پرستی، اخلاق حسنہ کی طرف سبقت اور رذائل سے اجتناب و تنفر کا تذکرہ ہو چکا ہے، اس سے حضرت صرمہؓ کی فطری صلاحیت معلوم ہوئی ہوگی،

ایام جاہلیت میں حق کا قائل ہونا، اور خدا کی تعظیم و تقدیس بالکل غیر معمولی بات تھی، وہ اپنے اشعار میں اکثر خدا کا تذکرہ کرتے تھے، اور عظمت کے ساتھ کرتے تھے، محمد بن اسحٰق صاحب سیرت کو چند اشعار ملے تھے[3] جن کو ہم بھی اس مقام پر نقل کرتے ہیں،

یقول ابو قیس واصبح ناصحا | الا ما استطعتم من وصاتی فافعلوا
اوصیکم باللہ والبر والتقی | واعراضکم والبر باللہ اول
وان قومکم سادوا فلا تحسدنھم | وان کنتم اھل الریاسۃ فاعدلوا
وان نزلت احدی الدواھی بقومکم | فانفسکم دون العشیرۃ فاجعلوا
وان یات غرم فادح فارفقوھم | وما حملوکم فی الملمات فاحملوا
وان انتم املقتم فتعففوا | وان کان فضل الخیر فیکم فافضلوا

---

[1] استیعاب جلد ۲ ص۔ [2] اسد الغابہ ج ۵ ص۱ [3] ایضاً ص۔

قبول اسلام کے بعد ضعف پیری کے باوجود روزہ رکھتے اور دن بھر کھیت میں کام کرتے تھے، ایک روز شام کو مکان آئے، اور افطار کے لیے کھانا مانگا، اس کے آنے میں کچھ دیر ہوئی، یہ محنت سے چور تھے، آنکھ لگ گئی، ابتدائے اسلام میں قاعدہ تھا کہ افطار کے وقت کوئی سو جائے تو تمام رات اور دوسرے دن تک روزہ رکھے، بیوی نے سوتا دیکھا تو کہا خیبۃ لک، تم پہ افسوس ہے، صبح اٹھے تو سخت نڈھال تھے، دن چڑھے غش آگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پوچھا اس کیسے ہو؟ انھوں نے واقعہ بیان کیا،

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ[1]، یعنی تم لوگ طلوع فجر تک کھانا کھا سکتے تھے، اس سہولت کو سن کر تمام لوگ باغ باغ ہو گئے،

[1] صحیح بخاری ص ۲۵۶ و ۲۵۷ ج ۱



حضرت ابو حمیدؓ ساعدی

نام و نسب عبدالرحمٰن نام، ابو حمید کنیت، قبیلۂ خزرج کے خاندانِ ساعدہ سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، عبدالرحمٰن بن سعد بن منذر بن سعد بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعدہ، والدہ بھی اسی قبیلہ سے تھیں، ان کا پورا نام یہ ہے، امامہ بنت ثعلبہ بن جبل بن امیہ بن عمرو بن حارثہ بن عمرو بن خزرج،

اسلام (غالباً) ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا،

غزوات احد اور ما بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے، وادی القریٰ اور تبوک کی شرکت خود ان کی روایت سے ثابت ہوتی ہے[۱]

وفات امیر معاویہؓ کے آخر عہد خلافت یا یزید کے ابتدائی دور حکومت میں وفات پائی،

اولاد ایک لڑکا چھوڑا، منذر نام تھا،

فضل و کمال ان کے سلسلہ سے ۲۶ حدیثیں مروی ہیں، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، عروہ ابن زبیر، عباس بن سہل، محمد بن عمرو بن عطاء، خارجہ بن زید بن ثابت، عبدالملک بن سعید بن سوید، عمرو بن سلیم زرقی، اسحاق بن عبداللہ بن عمرو، سعید بن منذر (پوتے تھے) عبدالرحمٰن بن سعید جیسے اکابر ان سے حدیث روایت کرتے ہیں،

روایت حدیث میں سخت محتاط تھے، ایک مرتبہ ایک حدیث بیان کی تو فرمایا،

---

[۱] مسند ص ۴۲۴ ج ۵۔

سمع اذنی ابصر عینی وسلوا زید بن ثابت[1] اس واقعہ کو میرے کانوں نے سنا اور آنکھوں نے دیکھا، اس کو زید بن ثابت سے پوچھ سکتے ہو،

اس کا سبب جیسا کہ ابو حمیدؓ کی حدیث سے ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے،[2]

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
قال اذا سمعتم الحدیث عنی	فرمایا جب تم کسی سے میری کوئی
تعرفہ قلوبکم وتلین لہ اشعارکم	حدیث سنو تو یہ دیکھو کہ تمہارا دل
وابشارکم وترون انہ	کیا گواہی دیتا ہے، اگر دل بول
منکم قریب فانا اولاکم	اٹھے، نفس نرم ہو جائے، اور
بہ واذا سمعتم الحدیث	عقل صحیح سمجھے تو میرا کلام ہونے میں
عنی تنکرہ قلوبکم وتنفر منہ	کچھ شک نہیں، اور اگر دل کراہیت
اشعارکم وابشارکم وترون	کرے، طبیعت متنفر ہو اور بعید از
انہ منکم بعید فانا	قیاس معلوم ہو تو وہ میرا قول
ابعدکم منہ	ہرگز نہیں ہوسکتا،

یہ حدیث درحقیقت احادیث کے پرکھنے اور جانچنے کی کسوٹی ہے، شارع علیہ السلام کا ہر ہر لفظ احکام، اسرار شریعت، مصالح عامّہ، تزکیۂ باطن، اور اثر و تاثیر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے، اس بنا پر جو حدیث ان اوصاف سے خالی ہو اس کے جعلی اور موضوع ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے، صحابہ میں فن درایت اسی کی بدولت پیدا ہوا تھا،

---

[1] مسند ص ۲۲۲ ج ۵ [2] ایضاً

اخلاق | ان کے تمام اوصاف میں خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ نمایاں ہے،
ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خالص دودھ جس کو خوب سرد کیا تھا
پیالہ میں لے کر آئے، لیکن کھلا لائے تھے، ارشاد ہوا اس کو ڈھانپ کے لاتے، خواہ
لکڑی ہی رکھ کر[1]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اچھی طرح محفوظ رکھی تھی، ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع
میں (جن کی تعداد مسند میں ۱۰ ہے، اور ابو قتادہؓ کے بھی وہاں موجود ہونے کا تذکرہ ہے) انھوں
نے کہا انا احفظکم بصلاۃ رسول اللہ، یعنی مجھے رسول اللہ کی نماز تم سب سے
زیادہ یاد ہے[2]

---

[1] مسند ج ۵، ص ۴۲۵ [2] ایضاً و بخاری باب سنۃ الجلوس فی التشھد ج ۱،



حضرت اصیرمؓ

نام ونسب | عمرو نام، اصیرم لقب، قبیلۂ اوس سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، عمرو بن ثابت بن وقش بن زغبہ بن زعوراء بن عبد الاشہل، والدہ کا نام لیلی بنت یمان تھا، اور حضرت حذیفہؓ مشہور صحابی کی ہمشیر تھیں،

اسلام | ابتداءً اسلام سے برگشتہ تھے، ان کے قبیلے کے تمام زن ومرد حضرت سعدؓ بن معاذ کے اشارہ سے مسلمان ہو گئے تھے، لیکن یہ اپنے اسی قدیم مذہب پر قائم تھے،

لیکن غزوۂ احد میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان کی تیاریاں کیں، تو ان کے دل میں یکایک حق وصداقت کا جوش پیدا ہوا، سنن ابوداؤد میں ہے کہ ایام جاہلیت میں ان کا سودی لین دین تھا، اور قرضداروں کے ذمہ روپیہ بہت باقی تھا، یہ اپنا روپیہ وصول کرکے مسلمان ہونا چاہتے تھے، کیونکہ اسلام میں سود کی ممانعت تھی، احد کے موقع پر غالباً روپیہ وصول ہو چکا تھا، اس بنا پر مسلمان ہونے کا عزم بالجزم کرلیا۔

احد کی روانگی کے وقت تمام صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، جن میں اصیرم کے خاندان عبد الاشہل کے لوگ بھی تھے، اصیرم اپنے محلہ میں سناٹا دیکھ کر گھبرائے، پوچھا میرے خاندان کے لوگ کہاں گئے؟ جواب ملا، احد،

گو اس وقت تک انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، تاہم زرہ اور خود پہنی، اور

گھوڑے پر سوار ہو کر احد کی طرف روانہ ہو گئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچکر پوچھا، لڑوں یا مسلمان ہوں؟ ارشاد ہوا، دونوں کام کرو، پہلے مسلمان ہو پھر لڑائی میں شرکت کرو، عرض کی یا رسول اللہ! میں نے ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی، ایسی صورت میں اگر مارا گیا تو کیا میرے لیے یہ بہتر ہوگا؟ فرمایا ہاں، چنانچہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے،

احد کی شرکت اور شہادت

اور تلوار لیکر میدان کی طرف روانہ ہوئے، مسلمانوں کو اس کا بالکل علم نہ تھا، ان کو دیکھ کر کہا "تم یہاں سے واپس جاؤ" جواب دیا کہ میں بھی مسلمان ہوں،

لڑائی شروع ہوئی تو نہایت بہادری سے مقابلہ کیا، اور کفار کی صف میں گھسکر بہت سے زخم کھائے، زخم اتنے کاری تھے کہ اٹھنے کی بھی تاب نہ تھی، قبیلہ عبدالاشہل کے لوگ شہداء کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ اصیرمؓ بھی مردوں میں پڑے ہوئے ہیں، ابھی تک کچھ کچھ سانس آرہی تھی، پوچھا تم کہاں؟ شاید قومی حمیت یہاں کھینچ لائی؟ بولے نہیں، میں مسلمان ہو کر خدا اور رسول کی طرف سے شریک ہوا،

میدان سے اٹھا کر گھر لائے گئے، تمام خاندان میں یہ خبر مشہور ہو گئی، قبیلہ اشہل کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ نے سنا تو ان کے گھر تشریف لائے، اور ان کی بہن سے واقعہ دریافت کیا، ابھی یہ مجمع منتشر نہ ہوا تھا کہ روح مطہر جسم سے پرواز کر گئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا،

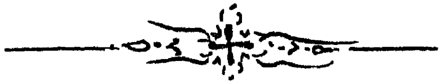
عَمِلَ قَلِيْلًا وَاَجْرًا كَثِيْرًا — اس نے عمل تھوڑا کیا لیکن اجر بہت پایا،

بعض روایتوں میں ہے کہ

انه لمن اهل الجنة — وہ یقیناً جنتی ہیں،

چونکہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب تھا اس لیے لوگوں نے اس کے یاد رکھنے میں خاص اہتمام کیا، حضرت ابوہریرہؓ اپنے شاگردوں سے دریافت فرماتے کہ کوئی ایسا شخص بتاؤ جس نے ایک وقت بھی نماز نہ پڑھی ہو، اور سیدھا جنت میں داخل ہو گیا ہو، جب لوگ جواب نہ دیتے تو فرماتے اصیرمؓ عبد الاشہل [1]

[1] دیکھو صحیح بخاری وکتب رجال، یہ واقعہ ابوداؤد، مسلم، النسائی، حاکم سب میں منقول ہے،



حضرت ابوزید عمرو بن خطب رض

نام ونسب | عمرو نام، ابو زید کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، عمرو بن اخطب بن رفاعہ بن محمود بن بشیر بن عبد اللہ بن ضیف بن یعمر بن عدی بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر ماء السماء، اگرچہ عدی بن ثعلبہ کی اولاد تھے، لیکن اس کے برادر خزرج کی نسل سے مشہور ہوئے، اور عرب میں یہ کوئی نئی بات نہیں، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں[1]

کثیرا ما تفعل العرب ھذا | عرب میں بسا اوقات چچا کے مشہور ہونے کی وجہ
ینسب ولد الاخ الی عمہم لشہرتہ | سے بھتیجا بھی اسی کا بیٹا مشہور ہو جاتا ہے،

بعض لوگوں نے ان کو حارث بن خزرج کی اولاد بتایا ہے،

اسلام | ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے،

غزوات | ۱۳ غزوات میں شرکت کی،[2]

وفات | عہد نبوت کے بعد بصرہ میں مقیم رہے اور یہیں ۱۲۰ سال کی عمر پاکر انتقال کیا،

اولاد | حسب ذیل اولاد چھوڑی، بشیر اور عزرہ بن ثابت محدث کی والدہ،

حلیہ | حلیہ یہ تھا، خوبصورت اور میانہ رو تھے،[3] لنگڑا کر چلتے تھے،

فضل وکمال | چند حدیثیں روایت کیں، جو صحیح مسلم اور سنن میں موجود ہیں، راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں، علباء بن احمر لشکری، حسن بن ابی الحسن البصری، ابو نہیک ازدی

---

[1] اسد الغابہ ص ۲۰۴ ج ۵ [2] مسند ص ۳۴۰ ج ۵،

انس بن سیرینؒ، ابو الخلیل، تمیم بن حویص، سعید بن قطن، ابو قلابہ، عمرو بن بجدان، حسن بن محمد، عبد بن تمیم، مرثد بن

اخلاق | حب رسول علانیہ نمایاں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن سے محبت کرتے تھے، ایک مرتبہ جسد اطہر سے کرتا اٹھا کر فرمایا یہاں آؤ اور میری پیٹھ چھوؤ، ہاتھ پیٹھ سے خاتم نبوت پر پہونچا اور اس کو اچھی طرح دیکھا[1]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی مانگا، پیالہ میں بال پڑا تھا، انھوں نے جلدی سے نکالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے، سر اور چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا خدایا اس کو صاحبِ جمال کر[2] جن لوگوں نے ان کو ۹۳-۹۴ سال کے سن میں دیکھا بیان کرتے ہیں کہ سر اور ڈاڑھی میں ایک بال بھی سفید نہ ہوا تھا[3] وفات کے وقت جب ۱۲۰ سال کی عمر تھی، سر کے بال سفید ہو گئے تھے[4]

[1] مسند ج ۵ ص ۳۴۰ [2] ایضاً ص ۳۴۱ و ۳۴۳ [3] ایضاً ص ۳۴۱ [4] ایضاً،



حضرت ابو عمرہ رضؓ

نام ونسب | بشیر نام، ابو عمرہ کنیت، قبیلۂ خزرج کے خاندانِ نجار سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، بشیر بن عمرو بن محصن بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن مبذول (عامر) بن مالک بن نجار؛ والدہ کا نام کبشہ بنت ثابت تھا، قبیلۂ نجار سے تھیں اور حضرت حسان بن ثابتؓ کی ہمشیرہ تھیں،

اسلام | بیعت عقبہ میں مشرف باسلام ہوئے،

غزوات | بدر، احد اور تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی، بدر یا احد میں اپنے بھائیوں کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، تو آپ نے فی کس ایک حصہ اور گھوڑے کو دو حصے مرحمت فرمائے،

معرکۂ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، ایک روایت ہے کہ اس جنگ میں ایک لاکھ درہم سے اعانت بھی کی تھی[۱]،

وفات | میدان میں پہونچے تو باایںہمہ پیرانہ سالی ۳۰ تیر چلائے، اور پھر خود دروزہ کی حالت میں جام شہادت نوش فرمایا،

اولاد | دو لڑکے چھوڑے، بیوی کا نام معلوم نہیں، مقوم بن عبدالمطلب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، اُن کی بیٹی تھیں[۱]،

---

[۱] تہذیب ص۱۸۶ ج ۱۲ اصابہ ص۱۳۱ ،

حضرت اوس بن خولیؓ

نام ونسب اوس نام، ابولیلیٰ کینت، قبیلۂ خزرج سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، اوس بن خولی ابن عبداللہ بن حارث بن عبید بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن خزرج بن الحارث ابن الخزرج،

اسلام ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے،

غزوات شجاع بن وہب اسدی سے مواخاۃ ہوئی، بدر، احد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے، ابن ابی الحقیق یہودی کے قتل کو جو سریہ گیا تھا، اس میں بعض کے خیال کے مطابق یہ بھی شامل تھے[1]،

عمرۃ القضا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، چونکہ آپ کو قریش سے نقض عہد کا خوف تھا، اس لئے مرالظہران میں ٹھہرکر، اوس کو دوسو آدمیوں کے ساتھ بطن یاجج کی طرف روانہ کیا، اوس ذی طویٰ پہونچ کر مقیم ہوئے[2]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انتقال فرمایا تو گھر کے اندر حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، فضل، قثم اور شقران کے سوا کوئی نہ تھا، صحابہ میں ہر شخص اندر جانے کا متمنی تھا لیکن ان بزرگوں نے ہجوم کے خوف سے دروازے بند کر لئے تھے، انصار نے متفقاً آواز دی کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی اعزہ ہیں، اور ہمارا اسلام میں جو رتبہ ہے، وہ

---

[1] اصابہ ص۸۵ ج ۱ [2] ایضاً و طبقات ابن سعد ص۸۳ ج ۲ قسم ۱،

سب کو معلوم ہے، ادھر اوس بن خولیؓ نے حضرت علیؑ کو اپنے بلانے کے لئے قسم دی، آپ نے فرمایا، ایک شخص جس کو منتخب کرلو اندر آسکتا ہے، سب نے اوس پر اتفاق کیا، اس وقت دروازہ کھلا اور وہ اندر جاکر بیٹھ گئے،

لیکن اس کے بعد اٹھے اور پانی پہونچانے کی خدمت انجام دی، قوی آدمی تھے، ایک ہاتھ سے گھڑا اٹھاکر لاتے تھے[1]

دفن کے وقت اہل بیت کے ساتھ اوس بن خولیؓ بھی لحد میں اترے[2]،

وفات حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا، یہ ان کے محاصرہ کے قبل کا واقعہ ہے،

فضل وکمال شہسواری، کتابت، اور تیرنا خوب جانتے تھے، جو شخص عرب میں ان چیزوں کا ماہر ہوتا تھا، اس کو کامل کہتے تھے، صاحب اسد الغابہ ان کے متعلق لکھتے ہیں،

کان من الکملة[3] کاملین میں تھے،

---

[1] طبقات ج ۲، ق ۲، ص ۶۱ و ۶۲ و ۶۳، [2] ایضاً ص ۶۷، [3] اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۴۵



حضرت ابو عبسؓ بن جبر

نام و نسب | عبدالرحمٰن نام، ابوعبس کنیت، قبیلۂ اوس کے خاندانِ حارثہ سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، عبدالرحمٰن بن جبیر بن عمرو بن زید بن جشم بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس، جاہلیت میں عبدالعزیٰ نام تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبدالرحمٰن رکھا،

اسلام | ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے، اور ابو بردہؓ کو ہمراہ لیکر بنو حارثہ کے بت توڑے، جیش بن حذافہ سے برادری قائم ہوئی،

غزوات | تمام غزوات میں شریک ہوئے، غزوۂ بدر میں ۴۸ سال کا سن تھا،

بنو نضیر میں کعب بن اشرف ایک یہودی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان سب اس سے پریشان تھے، اس لئے انصار کی ایک جماعت اس کے قتل کے لئے آمادہ ہوئی حضرت ابو عبسؓ بھی اُن میں شامل تھے،

وفات | ۳۴ھ میں انتقال کیا، بیماری میں، حضرت عثمانؓ عیادت کو تشریف لائے[1] لیکن مرض اور پیری نے جانبر نہ ہونے دیا، حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھی، اور بقیع میں لے جاکر دفن کیا، ابو بردہ بن نیار، محمد بن مسلمہ، قتادہ بن نعمان، سلمہ بن سلامہ بن وقش جیسے اکابر قبر میں اُترے، وفات کے وقت عام روایت کے مطابق ہفتاد سالہ تھے، لیکن

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۲ ایضاً،

یہ صحیح نہیں، اوپر گذر چکا ہے کہ بدر میں ۴۸ برس کا سن تھا، اس لئے سے اُن کی عمر ۸۰ سال قرار پاتی ہے، استیعاب کے ایک نسخہ میں ۸۰ کے بجائے ۹۰ سال مذکور ہے[۱]

اولاد	محمد اور زید دو لڑکے چھوڑے،

حلیہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں آنکھ جاتی رہی تھی، آپ نے ان کو ایک عصا دیا تھا

کہ اس کو لیکر چلنے میں روشنی معلوم ہوگی، ضعیفی میں جب بال سفید ہو گئے، مہندی کا خضاب لگاتے تھے،

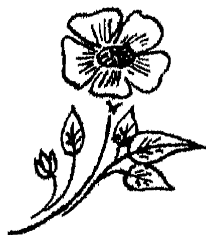
فضل وکمال	ایام جاہلیت ہی میں علم کا شوق تھا، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں،

كان يكتب بالعربي قبل الاسلام[۱] — اسلام سے قبل وہ عربی لکھ لیتے تھے،

مسلمان ہوکر قرآن وحدیث سیکھی، ۵ حدیثیں ان کے سلسلہ سے ہم تک پہونچی ہیں، جن کے روایت کرنے والے رافع بن خدیج کے پوتے عبایہ ہیں،

---

[۱] استیعاب صفحہ ۷۹ ج ۲ [۲] اسد الغابہ صفحہ ۲۵۳ ج ۳،



حضرت ابوزیدؓ

نام ونسب | قیس نام، ابوزید کنیت، قاری لقب، قبیلۂ خزرج سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے
قیس بن السکن بن قیس بن زعورا بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، حضرت
انسؓ بن مالک صحابی مشہور کے چچا ہوتے تھے،

غزوات | غزوۂ بدر میں شریک ہوئے،

وفات | خلافت فاروقی میں جسر ابو عبید کے معرکہ میں شہادت پائی، یہ ۱۵ھ کی اخیر تاریخ[1]
کا واقعہ ہے،

اولاد | کوئی صلبی یادگار نہ تھی، اس لئے حضرت انسؓ کو ترکہ پہونچا،

فضل وکمال | معنوی یادگاریں بہت ہیں اور لاکھوں سے متجاوز ہیں، حضرت ابوزیدؓ انصار
کے اُن چار حفاظ میں ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورا قرآن یاد
کر لیا تھا[2]، اس بنا پر آج جس قدر حافظ موجود ہیں ان کا سلسلۂ روایت ان بزرگوار تک
منتہی ہوتا ہے،

---

[1] اصابہ ص۲۵۰ ج ۵ [2] صحیح بخاری ص۴۳۶ ج ۲، کتاب مذکور ص۵۴۸، ج ۲،



حضرت ابو اسید ساعدی

نام و نسب | مالک نام، ابو اسید کنیت تھی، قبیلہ خزرج سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، مالک بن ربیعہ بن بدن بن عامر بن عوف بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر،

اسلام | ہجرت سے قبل اسلام لائے،

غزوات | تمام غزوات میں شرکت کی، غزوۂ بدر کی شرکت صحیح بخاری میں مذکور ہے[1]، فتح مکہ میں بنو ساعدہ کا جھنڈا ان کے پاس تھا،

وفات | سنہ ۶۰ھ میں بمقام مدینہ انتقال فرمایا، بدریین میں وہ سب سے اخیر میں فوت ہوئے، اس وقت عمر شریف ۷۸ سال تھی،

اولاد | حسب ذیل اولاد چھوڑی، حمید، زبیر، منذر، حمزہ، ان کی اولاد مدینہ اور بغداد میں سکونت رکھتی تھی،

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد کوتاہ، بال گھنے، سر اور داڑھی سفید، کبھی خضاب بھی لگاتے تھے، حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں آنکھ جاتی رہی تھی،

فضل و کمال | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کیں، راویوں میں اصحاب ذیل داخل ہیں،

حضرت انس بن مالک، حضرت سہل بن سعد، عباس بن سہل، علی بن عبید، ابو سعید، ابو سلمہ، عبد الملک بن سعید، ابن سوید، ابراہیم بن سلمہ بن طلحہ، قرہ بن ابی قرہ، یشید بن زیادہ،

"ب"

حضرت براءؓ بن مالک

نام ونسب براء نام، حضرت انسؓ بن مالک مشہور صحابی کے سلاتی بھائی ہیں، ماں کا نام سحار تھا، بعض لوگوں نے ان کو حضرت انسؓ کا حقیقی بھائی قرار دیا ہے جو صحیح نہیں، حضرت ام سلیمؓ کی جس قدر اولادیں پیدا ہوئیں، رجال کی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہیں، اس میں براء کا کہیں نام نہیں،

اسلام انصار مدینہ کے سربرآوردہ اشخاص تو مکہ جا جا کر مسلمان ہو چکے تھے، عام طبقہ ہجرت نبوی سے پیشتر اور بعد تک حلقۂ اسلام میں داخل ہوتا رہا، حضرت براءؓ بھی اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں گے،

غزوات بدر میں شریک نہ تھے، احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شرکت کی، جنگ یمامہ میں جو مسیلمہ کذاب (مدعی نبوت) سے ہوئی تھی، نہایت نمایاں حصہ لیا حضرت خالدؓ سردار لشکر تھے، براء نے کہا کہ تم اٹھو، وہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد مسلمانوں سے کہا "مدینہ والو! آج مدینہ کا خیال دل سے نکال دو، آج تم کو صرف خدا اور جنت کا خیال رکھنا چاہیے" اس تقریر سے تمام لشکر میں جوش کی ایک لہر پیدا ہوگئی اور لوگ گھوڑوں پر چڑھ چڑھ کر ان کے ساتھ ہوگئے،

ایک سردار سے براء کا مقابلہ ہوا، وہ بڑے ڈیل ڈول کا آدمی تھا انھوں نے اس کے

پاؤں پر تلوار ماری، وار اگرچہ خالی گیا تھا، لیکن وہ ڈگمگا کر چت گرا، انھوں نے اپنی تلوار میان میں رکھی اور لپک کر اس کی تلوار چھین لی، اور ایسا صاف ہاتھ مارا کہ وہ دو ٹکڑے ہوگیا،

اس کے بعد برق و باد کی طرح مرتدین پر ٹوٹ پڑے، اور ان کو ڈھکیل کر باغ کی دیوار تک ہٹا دیا، باغ میں مسیلمہ موجود تھا، اہل یمامہ اپنے پیغمبر کے لیے ایک آخری لڑائی لڑے، لیکن حقیقی جوش مصنوعی جوش پر غالب آیا، حضرت براءؓ نے مسلمانوں سے کہا "لوگو! مجھکو دشمن کے لشکر میں پھینکدو" وہاں پہونچکر ایک فیصلہ کن جنگ کی، اور باغ کی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گئے، حامیان مسیلمہ آمادۂ کارزار ہوئے، انھوں نے موقع پاکر جلد ہی سے دروازہ کھولدیا، اور اسلامی لشکر فاتحانہ باغ میں داخل ہوگیا، اور مسیلمہ کذاب کی جماعت کو شکست فاش دی،

اس جانبازی سے بدن چھلنی ہوگیا تھا، ۸۰ سے زاید تیر اور نیزہ کے زخم لگے تھے، سواری پر خیمہ میں لائے گئے، ایک مہینہ تک علاج ہوتا رہا، اس کے بعد شفا پائی، حضرت خالدؓ علالت کے پورے زمانہ تک ان کے ہمراہ رہے،

حریق کے معرکہ میں جو عراق میں ہوا تھا، نہایت جانبازی دکھائی، شہر کے ایک قلعہ پر حملہ کرنا تھا، دشمنوں نے آگ میں تپی ہوئی کانٹے دار زنجیریں دیوار پر ڈال رکھی تھیں، جب کوئی مسلمان دیوار کے قریب پہنچتا تو اس کو زنجیر کے ذریعہ اوپر اٹھا لیتے تھے، حضرت انسؓ دیوار پر چڑھنے کے لیے پہنچے، تو قلعہ والوں نے ان کو بھی زنجیر سے اٹھانا چاہا، وہ اوپر کھنچ رہے تھے کہ براءؓ کی نظر پڑگئی، فوراً دیوار کے پاس آئے اور زنجیر کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ اوپر کی رسی ٹوٹ گئی، اور حضرت انسؓ نیچے گرے، زنجیر پکڑنے سے حضرت براءؓ کے ہاتھ

کا تمام گوشت پچ گیا تھا، اور ہڈیاں نکل آئی تھیں،

تستر (فارس) کے معرکہ میں، وہ میمنہ کے افسر تھے، انھوں نے تنہا ۱۰۰ آدمی قتل کیے، اور جو شرکت میں مارے گئے ان کا حدوشمار نہیں،

وفات | ہنوز یہ معرکہ جاری تھا، اور قلعہ فتح نہ ہوا تھا، کہ ایک دن حضرت انسؓ ان کے پاس گئے، وہ گانے میں مشغول تھے، کہا کہ خدا نے آپ کو اس سے اچھی چیز عطا فرمائی ہے (یعنی قرآن) اس کو لحن سے پڑھیے، فرمایا شاید آپ کو یہ خوف ہے کہ "کہیں بستر پر میرا دم نہ نکل جائے" لیکن خدا کی قسم ایسا نہ ہوگا، میں جب مروں گا میدان میں مروں گا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ایک حدیث میں فرمایا تھا کہ "بہت سے پراگندہ مو غبار آلود جن کی لوگوں میں کوئی وقعت نہیں ہوتی، جب خدا سے قسم کھا بیٹھتے ہیں تو وہ انکی قسم کو پورا کر دیتا ہے، اور براءؓ بھی انہی لوگوں میں ہیں،" اس بنا پر مسلمانوں کو تستر میں جب ہزیمت ہوئی تو ان کے پاس آئے، کہ آج خدا سے قسم کھایئے، فرمایا اے خدا میں تجھکو قسم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کو فتح دے، اور مجھکو رسول اللہ صلعم کی زیارت سے مشرف فرما،

اس کے بعد فوج لے کر خود حملہ کیا، زرارہ کا مرزبان کہ سلطنت فارس کے چیدہ امرا میں تھا، مقابلہ پر آیا، انھوں نے اس کو قتل کر کے سامان پر قبضہ کر لیا، اور نہایت جوش سے مارتے دھاڑتے پھاٹک تک پہنچے، عین پھاٹک پر ہرمزان کا سامنا ہوا، دونوں میں پر زور مقابلہ ہوا، اور حضرت براءؓ شہید ہوئے لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا، یہ سنہ ۲۰ھ کا واقعہ ہے،

فضل وکمال | حضرت براءؓ آنحضرتؐ کے مخصوص صحابہ میں تھے، وہ برسوں بساط نبوت کے حاشیہ نشین رہے، سینکڑوں ہزاروں حدیثیں سنی ہوں گی لیکن تعجب ہے کہ ان کی

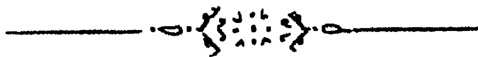
روایت کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا، مصنف استیعاب لکھتے ہیں:

کان البراء بن مالک احد الفضلاء (استیعاب ص ج ۱) براء فضلاء صحابہ میں تھے۔

شاید جہاد کی مصروفیت بیان کرنے سے مانع رہی ہو،

اخلاق وعادات انتہا درجہ کے جری اور بہادر تھے، حضرت عمرؓ اسی وجہ سے ان کو کسی فوج کا افسر نہیں بناتے تھے، اور افسران کو لکھتے کہ خبردار! براءؓ کو امیر نہ بنانا، وہ آدمی نہیں، بلا ہیں، سامنے ہی جائیں گے،

گانے کا بہت شوق تھا، اور آواز اچھی پائی تھی، ایک سفر میں رجز پڑھ رہے تھے، آنحضرتؐ نے فرمایا، ذرا عورتوں کا خیال کرو، اس پر انھوں نے سکوت اختیار کرلیا۔



حضرت براءؓ بن عازب

نام ونسب براء نام، ابو عمارہ کنیت، خاندان حارثہ سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، براء بن عازب بن حارث بن عدی بن جشم بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس
ننہال کی طرف سے حضرت ابو بردہؓ بن نیار جو غزوۂ بدر میں آنحضرت صلعم کے ہمرکاب تھے، اور قبیلۂ بلی سے تھے،[1] ان کے ماموں تھے،[2] پیشتر وہ اپنی سسرال کے حلیف بھی بن چکے تھے،

حضرت براءؓ کے والد (عازب) صحابی تھے، صحیحین میں ان کا یہ واقعہ مروی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے اونٹ کا پالان خریدا، اور کہا اس کو اپنے بیٹے سے اٹھوا کر میرے ساتھ بھیجئے، جواب دیا، پہلے ہجرت کا قصہ سنائیے، پھر آپ جا سکتے ہیں،[3]

اسلام مدینہ میں دعوت اسلام عام ہو چکی تھی، ماموں عقبہ میں بیعت کر چکے تھے باپ نے بھی توحید و رسالت کا اقرار کر لیا تھا، بیٹے نے ان ہی دونوں خاندانوں میں تربیت پائی تھی،

غزوات اور دیگر حالات قبول اسلام کے بعد احکام و مسائل کے سیکھنے میں مصروف ہوئے، مصعب بن عمیرؓ او ابن مکتوم کی درسگاہ کتاب وسنت کا مرکز بنی ہوئی تھی، انھوں نے وہیں تعلیم پائی، پہلے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو سبح اسم ربک الاعلیٰ کی سورۃ زیر درس تھی،[4]

---

[1] اصابہ حالات ابو بردہ [2] مسند ص ۲۸۲ ج ۴ [3] صحیح بخاری ص ۵۱۵ ج ۱ [4] ایضاً ص ۵۶۱ ج ۱،

غزوۂ بدر میں اگرچہ کمسن تھے، تاہم جوش ایمان عین شباب پر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے لڑائی کے ناقابل سمجھ کر واپس کر دیا[۱]۔

غزوۂ احد میں پندرہ سال کی عمر میں لڑائی میں شریک ہوئے[۲]، خندق[۳]، حدیبیہ[۴]، خیبر[۵] میں بھی شرف شرکت حاصل تھا۔

غزوۂ حنین میں نہایت پامردی سے مقابلہ کیا، ایک شخص نے پوچھا حنین میں تم بھاگے تھے؟ فرمایا بہرحال میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ نے پیٹھ نہیں پھیری، جلد باز لوگ البتہ دور تک پھیل گئے تھے[۶]۔

اس روایت سے لوگوں نے براءؓ کے عدم فرار پر استدلال کیا ہے، کہ بھاگنے کی صورت میں وہ ان واقعات کو دیکھ نہ سکتے تھے، جن کے بچشم خود دیکھنے کے مدعی ہیں۔

غزوۂ طائف کے بعد اور حجۃ الوداع کے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو کچھ لوگوں کے ہمراہ یمن روانہ کیا، حضرت براءؓ بھی ساتھ تھے، ان کے پیچھے حضرت علی علیہ السلام کو بھیجا اور فرمادیا کہ اصحاب خالدؓ میں جو لوگ وہاں رہنا چاہیں تمہارے ساتھ رہ سکتے ہیں، اور جو آنا چاہتے ہوں وہ مدینہ چلے آئیں، حضرت براءؓ یمن میں ٹھہر گئے اور وہاں بہت سا مال غنیمت حاصل کیا[۷]۔

غرض عہد نبوت کے وہ غزوات جن میں آنحضرتؐ کی بنفس نفیس شرکت تھی، ان میں سے ۱۵ میں شرف شمولیت حاصل کیا[۸]۔ غزوات کے ساتھ اگر دیگر واقعات بھی ملادیے جائیں تو آنحضرتؐ کے ہمراہ سفر کرنے کی تعداد ۱۸ ہوجاتی ہے[۹]۔

---

[۱] صحیح بخاری ص ۵۶۴ ج ۱ [۲] ایضاً ص ۵۶۹ [۳] ایضاً ص ۵۸۹ [۴] ایضاً ص ۶۰۰ [۵] ایضاً ص ۶۰۷۔
[۶] ایضاً ص ۶۱۱ [۷] ص ۶۲۳ [۸] مسند ص ۲۹۲ ج ۴ [۹] ایضاً ص ۲۹۸۔

سنہ ۲۴ھ (خلافت فاروقی) میں رے فتح کیا، غزوہ تستر میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ہمراہ تھے، اور جناب امیر علیہ السلام کے عہد خلافت میں جو لڑائیاں ہوئیں سب میں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک ہوئے،

کوفہ میں اپنا مکان بنایا اور وہیں سکونت اختیار کی،

وفات سنہ ۷۲ھ میں کہ مصعب بن زبیر امیر کوفہ تھے، کوفہ میں انتقال فرمایا،

اولاد حسب ذیل اولاد چھوڑی، عبید، ربیع، لوط، یزید، سوید، نیز، ان میں سے موخر الذکر عمان کے امیر تھے[۵]، سوید کے حالات میں صاحب طبقات نے لکھا ہے کہ عمان کے بہترین امیر ثابت ہوئے تھے، ممکن ہے کہ یزید اور سوید دونوں عمان کے امیر مقرر ہوئے ہوں،

سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے، سونا مردوں کے لیے شرعاً حرام ہے، لوگوں نے اعتراض کیا، فرمایا پہلے واقعہ سن لو، ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے مال غنیمت تقسیم کیا، صرف یہ انگوٹھی رہ گئی، اِدھر اُدھر دیکھا، پھر مجھکو بلا کر فرمایا، "لو، اس کو پہنو، یہ خدا اور رسول نے تم کو پہنائی ہے"، اب تم ہی بتاؤ، جو چیز اللہ اور رسول نے مجھے پہنائی ہو اس کو کیونکر اتار پھینکوں[۶]،

فضل وکمال فضلاء صحابہ میں تھے، حدیث کی نشر و اشاعت میں خاص اہتمام تھا، ان کے سلسلہ سے جو حدیثیں روایت کی گئیں ان کی تعداد ۳۰۵ ہے، ان میں سے ۲۲ پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے،

روایت حدیث میں خاص احتیاط رکھتے تھے، اور اس کی تعلیم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پائی تھی، آنحضرتؐ نے ان کو ایک دعا بتائی، اور خود سنا کر ان سے پڑھوایا، انھوں نے برسولک پڑھا، آنحضرتؐ نے بنبیک بتایا تھا، فرمایا نہیں، بنبیک![۷]

---

[۱] مسند ج ۴ ص ۲۸۹ [۲] ابن سعد ج ۶ ص ۲۰ [۳] ایضاً ص ۲۹۲ [۴] ایضاً ج ۴ ص ۲۹۳،

اس کا یہ اثر تھا کہ حدیث بیان کرتے وقت ان نزاکتوں کا پورا خیال رکھتے تھے،
ایک مرتبہ اپنی روایتوں کی نوعیت بیان کی۔ فرمایا

ما کل الحدیث سمعناہ من رسول اللہ کان یحدثنا اصحابنا عنہ کانت تشغلنا عنہ رعیۃ الابل[1]

یعنی جتنی حدیثیں میں بیان کروں، ضروری نہیں کہ رسول اللہ سے سنی بھی ہوں، ہم اونٹ چرایا کرتے تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہر وقت حاضر نہ رہ سکتے تھے، بہت سی نہیں

جن صحابہؓ سے حدیث روایت کی وہ اپنے طبقہ کے سربر آوردہ تھے، مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوایوبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عازبؓ،

جن لوگوں کو تلمذ کا فخر حاصل تھا وہ اکابر تابعین سے تھے، ابن ابی لیلیٰ، عدی بن ثابت، ابواسحاق، معاویہ بن سوید بن مقرن، ابوبردہ، ابوبکر پسران ابوموسیٰ اشعری وغیرہ،

بسا اوقات حدیث کی مجلس میں صحابہؓ بھی شریک ہوتے تھے، ابوجحیفہ اور عبداللہ ابن زید خطمی تو راویوں کے زمرہ میں داخل ہو چکے تھے، ان کے علاوہ اور بھی صحابہ آتے تھے، ایک روز کعب بن عجرہ چند صحابہ کے ساتھ ان کی مجلس میں تشریف لائے تھے[2]

مجلس میں مختلف قسم کے تشکوک پیش ہوتے تھے، بعض آیات قرآنی پر شبہہ وارد کرتے تھے، بعض مسائل فقہ دریافت کرتے تھے،

ایک شخص نے پوچھا کہ "لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو) میں مشرکین پر حملہ کرنا داخل ہے یا نہیں، فرمایا کیسے ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کرنے کا حکم دیا اور فرمایا تھا، فقاتل فی سبیل اللہ

---

[1] ابن سعد حصہ ۴ ج ۲۸۶، [2] مسند ج ۴ ص ۲۰۳،

لا تکلف الا نفسک (خدا کی راہ میں لڑائی کرو تم صرف اپنی ذات کے مکلف ہو) انھوں نے جو آیت پیش کی، خرچ کے بارہ میں ہے[1] یعنی یہ نہ سمجھو کہ راہ خدا میں صرف کرنے سے ہم تباہ ہو جائیں گے، ایسا سمجھنا ہلاکت ہے۔

ایک مرتبہ عبد الرحمن بن مطعم (ابو منہال) کے ساتھی نے بازار میں کچھ درہم ایک مدت معینہ تک کے لیے فروخت کیے، عبد الرحمن نے کہا یہ جائز بھی ہے؟ بولا ہاں، میں نے اس سے پہلے بھی بیچے [illegible] نے براء سے کہا یہ براء بن عازب کے پاس گئے اور واقعہ بیان کیا، فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو ہم لوگ اسی طرح خرید و فروخت کرتے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو ہاتھوں ہاتھ ہو اس میں مضائقہ نہیں لیکن ادھار ناجائز ہے، فرمایا اطمینان کے لیے زید بن ارقم سے جا کر پوچھو، وہ ہم سب میں بڑے تاجر تھے، عبد الرحمن زید بن ارقم کے پاس گئے، انھوں نے براء کی تائید کی۔[2]

اخلاق و عادات اخلاق و عادات میں اتباع سنت حسب رسول، انکسار و تواضع نمایاں ہیں، اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ نماز کی ایک ایک چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھی، ایک روز گھر والوں کو جمع کرکے کہا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے اور نماز پڑھتے تھے، آج تم کو دکھا دوں، خدا معلوم میری زندگی کب تک رہے؟ اور وضو کرکے ظہر کی نماز با جماعت پڑھی، پھر عصر، مغرب، عشاء، سب اسی طرح پڑھائیں،[3]

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی نقل کرکے بتائی[4]

ایک مرتبہ ابو داؤد ملاقات کو آئے تو انھوں نے خود سلام کیا، اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر خوب ہنسے، پھر فرمایا جانتے ہو میں نے ایسا کیوں کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے

---

[1] مسند ص ۲۸۹ ج ۴، [2] صحیح بخاری ص ۲۸ ج ۱ [3] مسند ج ۴ ص ۲۰۳ [4] ایضاً ص ۳۰۳

ساتھ ایک مرتبہ ایسا ہی کیا تھا، اور فرمایا تھا کہ جب دو مسلمان اس طرح ملیں اور کوئی ذاتی غرض درمیان میں نہ ہو تو دونوں کی مغفرت کی جاتی ہے[۱]

صف نماز میں داہنی طرف کھڑے ہونے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، اس لیے حضرت براءؓ داہنی طرف کھڑا ہونا پسند کرتے تھے[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جان و مال سے زیادہ تھی، اور اس کا اثر ہر ہر بات نمایاں تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے تو ہر لفظ محبت کے آب حیات میں ڈوبا ہوا نکلتا، فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب آدمیوں سے خوبصورت تھے۔ میں نے سرخ چادر اوڑھے دیکھا تھا، جتنی آپ پر کھلتی تھی کسی پر نہ کھلتی تھی[۳]

ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک میں تلوار کے مانند تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کے مانند تھا[۴]

انکسار و تواضع کا یہ حال تھا کہ گو آپ جلیل القدر صحابی تھے، لیکن اپنے کو نہایت ناچیز سمجھتے تھے،

ایک شخص نے آکر کہا کہ خوش بختی مبارک! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، اور بیعت الرضوان میں بھی شریک ہو چکے ہیں۔ فرمایا؟ برادر زادے! تم کو معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے کیا کیا؟[۵]

---

[۱] مسند ص ۲۸۹ ج ۴، [۲] ایضاً ص ۳۰۴، [۳] بخاری ص ۵۰۲ ج ۱، [۴] ایضاً، [۵] صحیح بخاری ص ۵۹۹

حضرت براءؓ بن معرورؓ

نام ونسب | براء نام، ابو بشر کنیت، قبیلۂ خزرج کے خاندان سلمہ سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، براءؓ بن معرور بن صخر بن سابق بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد ابن علی بن اسد بن ساردہ بن تزید بن خزرج،

والدہ کا نام رباب تھا اور حضرت سعد بن معاذ سردار اوس کی حقیقی پھوپھی تھیں،

حضرت براءؓ اپنے قبیلہ کے رئیس اور سردار تھے، جبل، دو نخل، مسجد خربہ اور چند قلعے ان کی ملکیت تھے،

اسلام | عقبۂ کبیرہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے، بعض کا خیال ہے کہ عقبۂ اولیٰ میں بیعت[۱] کی تھی، لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں اس روایت کے نقل کرنے والے صرف محمد بن اسحاق ہیں، باقی تمام اصحاب سیرت اس کے ذکر سے خاموش ہیں،

جس زمانہ میں انھوں نے اسلام قبول کیا تھا، اس وقت تک بیت المقدس قبلہ تھا، اور مسلمان اسی کی سمت رخ کرکے نماز پڑھتے، لیکن براءؓ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے، کہ میں اس کی طرف پشت نہیں کرنا چاہتا، اس بنا پر جب عقبۂ ثانیہ کی شرکت کے لیے مکہ روانہ ہوئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا، کہ یا نبی اللہ! مجھکو خدا نے اسلام کی ہدایت دی، اور میں سفر کرکے یہاں آیا ہوں، میری خواہش ہے کہ نماز میں کعبہ

---

[۱] اسد الغابہ ص ۱۷۳ ج ۱،

کی طرف پشت نہ کروں، میرے ساتھی اس کے خلاف تھے، آپ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد ہوا اگر کچھ دنوں صبر کرتے تو بہتر ہوتا، گویا تنبیہ فرمایا تھا، اس وقت حضرت براءؓ نے فرمان نبوی کے مطابق بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز ادا کی،

ایام تشریق میں بیعت عقبہ ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کے ہمراہ عقبہ تشریف لائے اور فرمایا تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ میری اس طرح حفاظت کرو گے جس طرح اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو، براءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق وصداقت کے ساتھ مبعوث کیا! ہم اپنی جانوں کی طرح آپ کی حفاظت کریں گے، یا رسول اللہ! آپ ہم سے بیعت لیجئے، خدا کی قسم ہم ایک مسلح جماعت ہیں، اور ہم نے ہتھیار اباً عن جدٍ وراثت میں پائے ہیں، یہ کہکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، پھر تمام مجمع بیعت کے لیے بڑھا،

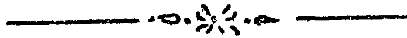
بیعت کے بعد نقباء کا انتخاب ہوا، حضرت براءؓ بنو سلمہ کے نقیب بنائے گئے،

وفات ذی الحجہ میں بیعت کی تھی، اس کے دو مہینے بعد صفر میں انتقال کیا، وفات کے وقت وصیت کی کہ مجھکو قبر میں قبلہ رخ رکھنا، اور میرا ثلث مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر ہے جس مصرف میں چاہیں صرف کریں، یہ ہجرت سے ایک مہینہ قبل کا واقعہ ہے،

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو صحابہ کو لے کر حضرت براءؓ کی قبر پر آئے، اور چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھی، اور جس مال کے متعلق براء نے وصیت کی تھی، اس کو قبول فرماکر پھر ان کے لڑکے کو واپس دیدیا،

اولاد اولاد کی تفصیل معلوم نہیں، حضرت بشرؓ ایک صاحبزادے تھے، جو بیعت عقبہ

میں اپنے والد کے ساتھ شریک تھے، براءؓ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو
بنو سلمہ کا سردار بنایا تھا، غزوۂ خیبر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے
گوشت میں زہر دیا گیا تھا تو حضرت بشرؓ نے بھی یہ گوشت کھایا تھا اسی کے اثر
سے انتقال فرمایا،



"ث"

حضرت ثابت بن قیسؓ

نام ونسب | ثابت نام، ابو محمد کنیت خطیب رسول اللہ لقب، قبیلۂ خزرج سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے ثابت بن قیس بن شماس بن زہیر بن مالک بن امرءالقیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج۔ والدہ کا نام معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ خاندان طے سے تھیں[۱]،

اسلام | ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے،

غزوات اور دیگر حالات | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو خیر مقدم کے لیے تمام شہر امنڈ آیا تھا، اس موقع پر حضرت ثابتؓ نے جو خطبہ دیا اس کا ایک فقرہ یہ تھا:

نمنعک مما نمنع منہ انفسنا واولادنا فما لنا؟ قال الجنۃ!! قالوا رضینا!![۲]

یعنی ہم آپ کی ہر اس چیز کی حفاظت کریں گے جس سے اپنی جان اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں، لیکن ہم کو اس کا معاوضہ کیا ملے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "جنت"، تو تمام مجمع پکار اٹھا کہ "ہم سب راضی ہیں"،

غزوۂ بدر میں شریک تھے، اصحاب مغازی نے اگرچہ ان کو اصحاب بدر کے زمرہ میں شامل نہیں کیا ہے، لیکن علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں یہی رائے ظاہر کی ہے[۳] باقی غزوات کی شرکت پر تمام ائمۂ فن کا اتفاق ہے،

---

[۱] اسد الغابہ ص ۲۲۹ ج ۱، [۲] اصابہ ص ۲۰۳ ج ۱ [۳] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۲،

غزوۂ مریسیع ۵ھ میں حضرت جویریہؓ ام المومنین، اسیر ہو کر حضرت ثابتؓ اور ان کے ابن عم کے حصہ میں آئی تھیں، انھوں نے ۹ اوقیہ سونے پر مکاتب بنایا، حضرت جویریہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی، آپ نے رقم مذکورہ ادا کر کے ان کو ہمیشہ کے لئے غلامی سے نجات دی اور اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا۔[1]

۹ھ میں بنو تمیم کا وفد آیا، اور بدویانہ طریقہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر آکر آواز دی کہ "باہر نکلو"، آپ باہر تشریف لائے تو بات چیت کے بعد عطارد بن حاجب کو کھڑا کیا کہ تمیم کے رتبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کرے، عطارد اس قبیلہ کا مشہور خطیب تھا، اس کی تقریر ختم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابتؓ کو حکم دیا کہ تم اس کا جواب دو، حضرت ثابتؓ نے اس فصاحت و بلاغت سے جواب دیا کہ اقرع بن حابس بول اٹھا کہ، اپنے باپ کی قسم ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر ہے۔[2]

اسی سال مسیلمہ کذاب، بنو حنیفہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مدینہ آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت بن قیسؓ کو لے کر اس کے پاس گئے، ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، مسیلمہ نے کہا کہ اگر اپنے بعد مجھ کو خلیفہ بنانے کا وعدہ کرو تو ابھی تمہاری اتباع کرتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافت تو بڑی چیز ہے، میں تجھ کو یہ چھڑی دینا بھی گوارا نہیں کر سکتا، خدا نے تیری نسبت جو فیصلہ کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا، میں تیرے انجام کو خواب میں دیکھ چکا ہوں، اور زیادہ گفتگو کی ضرورت ہو تو ثابتؓ موجود ہیں ان سے پوچھ! اب میں جاتا ہوں۔[3]

۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو انصار سعد بن عبادہ کو

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۴۴، [2] ایضاً ص ۱۱۶ و طبری ص ۱۷۱۱ ج ۴، [3] صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۲۸ ج ۲۔

خلیفہ بنانے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے، حضرت ابو بکرؓ کو خبر ہوئی تو حضرت عمرؓ وغیرہ کو لے کر پہنچے، اس موقع پر حضرت ثابتؓ نے جو خطبہ دیا وہ حسب ذیل تھا،

اما بعد! فنحن انصار اللہ وکتیبۃ	یعنی ہم خدا کے مددگار اور اسلام
الاسلام وانتم معاشر المہاجرین	کی فوج ہیں اور مہاجرین معدودے
رھط وقد دفت دافۃ من قومکم	چند ہیں، تعجب ہے کہ اس پر بھی کچھ
فاذا ھم یریدون ان یختزلونا من	لوگ ہم کو خلافت سے محروم کرنا
اصلنا وان یحضنونا من الامر[۱]	چاہتے ہیں،

حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا کہ تم نے جو کچھ کہا بالکل صحیح ہے لیکن قریش کے سوا دوسرا خلیفہ نہیں ہوسکتا،

اسی سنہ میں طلیحہ پر فوج کشی ہوئی، حضرت خالدؓ اس مہم کے افسر تھے، انصار حضرت ثابتؓ کی ماتحتی میں تھے،[۲]

وفات ۱۲ھ میں مسیلمہ کذاب سے مقابلہ ہوا، حضرت ثابتؓ اس میں شریک تھے مسلمانوں کو شکست ہوئی، تو حضرت انسؓ نے کہا چچا! آپ نے دیکھا، وہ خوشبو مل رہے تھے، بولے کہ یہ لڑنے کا طریقہ نہیں ہے، لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس طرح نہیں لڑتے تھے، اس کے بعد اٹھے اور خندق کھود کر نہایت پامردی سے لڑے اور آخر شہادت حاصل کی۔

بدن پر زرہ نہایت عمدہ تھی، ایک مسلمان نے اتار لی، ایک دوسرے مسلمان نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ثابتؓ ان سے کہہ رہے ہیں، فلاں مسلمان نے میری زرہ اتار لی ہے،

---

[۱] صحیح بخاری ص ۱۰۱۰ ج ۲ [۲] طبری ص ۱۸۸۷ ج ۴،

تم خالد سے کہو کہ اس سے وصول کرلیں اور مدینہ پہونچ کر حضرت ابو بکرؓ سے کہنا کہ ثابتؓ پر اتنا قرض تھا، وہ اس زرہ سے ادا کریں، اور میرا فلاں غلام آزاد کر دیں، حضرت خالدؓ نے زرہ لے لی، اور حضرت ابو بکرؓ نے اس وصیت پر عمل کیا،

یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی مذکور ہے لیکن مختصر ہے، طبرانی نے نہایت تفصیل سے اسکو حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے،

اہل وعیال | ایک لڑکی تھی مگر اس کا نام معلوم نہیں، لڑکوں کے نام یہ ہیں، محمد، یحییٰ، عبد اللہ، اسمٰعیل،

بیوی کا نام جمیلہ تھا، جو عبد اللہ بن ابی بن سلول سردار خزرج کی بیٹی تھیں[1]،

فضل وکمال | صحیح بخاری میں اُن سے ایک روایت منقول ہے، اور بھی چند حدیثیں ہیں جن کو حضرت انسؓ بن مالک، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، محمد بن قیس، نے روایت کیا ہے،

حضرت ثابتؓ نہایت فصیح البیان اور زبان آور تھے، انصار نے اسی بنا پر ان کو اپنا خطیب بنایا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دربار نبوت کا ان ہی کو خطیب تجویز فرمایا[2]،

اخلاق | احترام نبوت ان کی سیرت کا جلی عنوان ہے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو موجود نہ پاکر فرمایا کوئی ثابتؓ کی خبر لاتا، ایک شخص نے کہا میں جاتا ہوں، گھر میں جا کر دیکھا تو سر نیچا کئے بیٹھے تھے، پوچھا کیا ہے؟ کہا کیا بتاؤں بہت برا حال ہے، میری آواز تیز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چلّا کر بولتا تھا، اب

---

[1] طبقات ص ۲ ج ۵ [2] صحیح بخاری ص ۲۶۵ ج ۲،

میرا سارا عمل باطل ہوگیا، اور جہنمی ہوگیا ہوں، (یہ اُس آیت کی طرف اشارہ تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو آہستہ بولنے کی ہدایت نازل ہوئی تھی) اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی آپ نے فرمایا ان سے جاکر کہو کہ تم جہنمی نہیں ہیں تم کو جنت کی بشارت سناتا ہوں[1]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے جو محبت اور اُنس تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار جب وہ بیمار پڑے تو آپ عیادت کو تشریف لے گئے اور اُنکی شفاء کی ان الفاظ میں دعا کی،

اذھب الباس رب الناس عن ثابت بن قیس بن شماس[2]:

---

[1] صحیح بخاری ص۵۱۱ ج ۲ [2] تہذیب التہذیب ص۱۲ ج ۲



حضرت ثابت بن ضحاکؓ

نام ونسب ثابت نام، ابو زید کنیت، قبیلہ اشہل سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، ثابت بن ضحاک بن خلیفہ بن ثعلبہ بن عدی بن کعب بن عبد الاشہل،

بعثت نبوی کے تیسرے سال تولد ہوئے، بعض لوگوں نے ۳ھ سال ولادت قرار دیا ہے، لیکن یہ قطعاً غلط ہے،

غزوات غزوۂ حمراء الاسد میں شریک تھے، خندق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھے، اور صحیح مسلم کی روایت کے بموجب بیعت رضوان میں شرکت کی تھی،

ابن مندہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے ان کی شرکت بدر تسلیم کی ہے، عجب نہیں کہ یہ خیال صحیح ہو ترمذی نے بھی ان کے بدر میں شریک ہونے کا تذکرہ کیا ہے،

ابن سعد کی روایت کے بموجب غزوہ احد کی شرکت بھی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اُنھوں نے حمراء الاسد کے ذکر میں ضمناً یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس غزوہ میں صرف وہی لوگ شریک تھے جنھوں نے غزوہ احد میں شرکت کی تھی[1]،

لیکن ہمارے نزدیک یہ تمام روایتیں ناقابل اعتبار ہیں، کیونکہ جہاد کی شرکت کے لئے ۱۵ سال کا سن ضروری تھا، اور جیسا کہ اوپر معلوم ہوا حضرت ثابتؓ کا سال ولادت ۳ نبوی ہے، اس بناء پر ہجرت کے وقت اُن کی عمر کم و بیش ۱۰ سال

[1] طبقات ص۳۱ ق۵ بخاری ص۵۹۹ ج۲،

تھی، غزوۂ بدر ۲؁ھ اور غزوۂ احد ۳؁ھ میں ہوا، اس لئے اس وقت ان کا ۱۲، ۱۳ سال کا تھا جو جہاد کی شرکت کے لئے ناکافی ہے، صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت آئی ہے کہ[1]

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرضہ یوم احد وھو ابن اربع عشرۃ سنۃ فلم یجزہ وعرضہ یوم الخندق وھو ابن خمسۃ عشرۃ سنۃ فاجازہ	غزوۂ احد میں چہار دہ سالہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوئے تو جنگ میں شرکت کی اجازت نہیں ملی لیکن دوسرے سال خندق میں پانزدہ سالہ تھے اس بار اجازت ملی

براء بن عازبؓ کے متعلق بھی اسی قسم کی روایت ہے، ان روایتوں کی موجودگی میں جو صحیح سند سے ثابت ہیں، دوسری روایتوں پر کسی طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا،

اس بنا پر ہمارے نزدیک بدر و احد کے بجائے اُن کا پہلا غزوہ خندق تھا، اور حمراء الاسد میں لڑنے کے بجائے دوسرے کاموں کے لئے منتخب ہوئے تھے، چنانچہ مصنف اصابہ لکھتے ہیں،

وکان دلیلہ الی حمراء الاسد[2]	یعنی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حمراء الاسد کا راستہ بتاتے تھے،

عہد نبوی کے بعد شام کی سکونت اختیار کی، پھر وہاں سے بصرہ چلے آئے،

وفات حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں انتقال فرمایا، بعضوں نے ۷۴؁ھ کی تصریح کی ہے،

اولاد ایک بیٹا چھوڑا، زید نام تھا، اسی بنا پر بعض نے ان کو حضرت زید بن ثابتؓ

---

[1] بخاری نشرہ ج ۲، [2] کتاب مذکور ص ۲۰ ج ۱

صحابی مشہور کا والد سمجھا ہے، لیکن یہ غلطی ہے، زید بن ثابتؓ کے والد جاہلیت میں فوت ہوئے، اور کفر کی حالت میں مارے گئے، اس کے ماسوا زید خود ان کے ہمسن تھے، اس بنا پر یہ ان کے باپ کیونکر ہو سکتے ہیں،

یہ خیال اس لحاظ سے بھی ناقابل التفات ہے کہ ابو قلابہ نے ان سے روایتیں کی ہیں اور ابو قلابہ ۲۶ھ سے پیشتر کسی طرح روایت کے قابل نہ ہو سکتے تھے، کیونکہ انھوں نے ۲۶ھ کے بعد تحصیل میں قدم رکھا تھا، اور حضرت زید بن ثابتؓ کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ ۴۵ھ میں فوت ہو چکے تھے،

فضل وکمال حضرت ثابتؓ کے سلسلہ سے جو روایتیں مروی ہیں، ان کی تعداد ۱۴ ہے، راویوں کے زمرہ میں ابو قلابہ اور عبد اللہ بن معقل داخل ہیں،

(ج)

حضرت جابرؓ بن عبداللہ

نام ونسب اور ابتدائی حالات جابر نام، ابوعبداللہ کنیت، قبیلۂ خزرج سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن کعب بن غنم بن سلمہ، والدہ کا نام نسیبہ تھا، جن کا سلسلہ نسب حضرت جابرؓ کے آبائی سلسلہ میں زید بن حرام پر مل جاتا ہے،

سلمہ کی اولاد اگرچہ حرہ اور مسجد قبلتین تک پھیلی ہوئی تھی، لیکن خاص بنو حرام، قبرستان اور ایک چھوٹی مسجد کے درمیان آباد تھے،

حضرت جابرؓ کے دادا (عمرو) اپنے خاندان کے رئیس تھے، عین الازرق (ایک چشمہ ہے) جس کو مروان بن حکم نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں درست کرایا تھا، انہی کی ملکیت تھا، بنو سلمہ کے بعض قلعے اور جابر بن عتیک کے قریب کے کئی قلعے ان کے تحت وتصرف میں تھے،

عمرو کے بعد یہ چیزیں عبداللہ کے قبضہ میں آئیں، حضرت جابرؓ انہی عبداللہ کے فرزند ہیں، جو تقریباً ۶۱۱ء (مطابق ۳۴ عام الفیل) میں ہجرت سے ۲۰ سال قبل تولد ہوئے تھے،

اسلام عقبۂ ثانیہ میں اپنے والد کے ساتھ اسلام لائے، اور ان کے والد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ بنو حرام کے نقیب تجویز کئے گئے، اس بیعت میں ان کا سن ۱۸۔۱۹ سال کا تھا،

 اُن کے والد نے غزوۂ احد میں شہادت حاصل کی، کافروں نے
مثلہ کر دیا تھا، اس بنا پر جنازہ کپڑہ میں اُڑھا کر لایا گیا، حضرت جابرؓ کپڑا اٹھا کر دیکھنا چاہا،
لوگوں نے منع کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر کپڑا اٹھا دیا، بہن پاس کھڑی تھیں بھائی
کی حالت دیکھکر ایک چیخ ماری، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا
ان کی بہن، فرمایا تم روؤ یا نہ روؤ جب تک جنازہ رکھا رہا، فرشتے پروں سے سایہ کئے
تھے[1] حضرت عبداللہؓ نے دس خرما کی کیاں چھوڑیں جو گھر میں پلک رہی تھیں، انھوں نے
اپنے بھائی حضرت جابرؓ کے پاس ایک اونٹ بھیجا کہ ابا جان کی لاش گھر لے آئیں، اور
مقبرۂ بنی سلمہ میں دفن کریں، وہ تیار ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، فرمایا
کہ جہاں ان کے دوسرے بھائی، (شہدار) دفن کئے جائیں گے، وہیں وہ بھی دفن ہونگے
چنانچہ احدؓ کے گنج شہیداں میں دفن کئے گئے،

ان پر قرض بہت تھا، حضرت جابرؓ کو اس کے ادا کرنے کی فکر ہوئی، لیکن ادا کہاں
سے کرتے ہ کل دو باغ تھے، جن کی پوری پیداوار قرض کو کافی نہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس گھبرائے ہوئے آگئے اور کہا یہودیوں کو بلا کر کچھ کم کرا دیجئے، آپ نے
ان لوگوں کو طلب فرما کر جابرؓ کا مدعا بیان کیا، انھوں نے چھوڑنے سے انکار کیا، پھر
آپ نے فرمایا کہ اچھا دو مرتبہ میں اپنا قرض وصول کر لو، نصف اس سال اور نصف دوسرے
سال، وہ لوگ اس پر بھی رضامند نہ ہوئے، آپ نے یہ دیکھ کر حضرت جابرؓ کو تسکین دی
اور فرمایا کہ سنیچر کے دن تمھارے ہاں آؤنگا، چنانچہ سنیچر کو صبح کے وقت تشریف لے گئے
پانی کے پاس بیٹھ کر وضو کیا، مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی، پھر خیمہ میں آکر متمکن

[1] مسلم ص۳۴۶ ج ۲، بخاری ص۱۷۹ ج ۲ و مسند ص۲۹۸ ج ۳،

ہوئے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی پہنچ گئے، تقسیم کا وقت آیا تو ارشاد ہوا کہ چھوہارں کو قسم وار الگ کر کے خبر کرنا چنانچہ آپ کو خبر کی گئی آپ تشریف لائے اور ایک ڈھیر پر بیٹھ گئے، حضرت جابرؓ نے باٹنا شروع کیا، اور آپ دعا کرتے رہے، خدا کی قدرت کہ قرض ادا ہونے کے بعد بھی بہت کچھ بچ گیا حضرت جابرؓ خوشی خوشی آپ کے پاس آئے اور بیان کیا کہ قرض ادا ہوگیا، اور اتنا فاضل ہے، آپ نے خدا کا شکر ادا کیا، حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو بھی بہت مسرت ہوئی،[۱]

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان لے گئے، اور گوشت، خرما اور پانی پیش کیا، آپ نے فرمایا شاید تم کو معلوم ہے کہ میں گوشت رغبت سے کھاتا ہوں، چلنے کا وقت آیا تو اندر سے آواز آئی کہ مجھ پر اور میرے شوہر پر درود پڑھئے، فرمایا اللّٰھم صل علیھم

والد کی موجودگی تک انھوں نے کسی غزوہ میں حصہ نہیں لیا،

صحیح مسلم میں ہے کہ انھوں نے بدر میں میدان کا عزم کیا، لیکن باپ مانع ہوئے احد میں بھی ایسا ہی اتفاق پیش آیا، لیکن باپ جب احد میں شہید ہوگئے تو باقی غزوات میں نہایت گرمجوشی سے شرکت کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو ۱۹ غزوات میں شرف شرکت حاصل ہوا،[۲] ابتدائی غزووں میں والد کے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود میدان میں جانا چاہتے تھے، اور گھر میں ۹ لڑکیاں تھیں، دونوں کے چلے جانے کے بعد گھر بالکل خالی ہو جاتا،[۳] تاہم بعض ابتدائی غزوات میں بھی ان کے شریک ہونے کی شہادت ملتی ہے، چنانچہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بدر کے دن وہ لوگوں کو پانی پلاتے تھے[۴]

۱؎ یہ واقعہ مسند صفحات ۲۹۷، ۳۰۳، ۳۱۳، ۳۶۵، ۳۹۱ و ۳۹۵ و ۳۹۸ میں موجود ہے، بخاری ص۵۰۸ ج ۲،

۲؎ مسند ۳۲۹ ج ۳ ۳؎ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، لڑکیاں چھوٹی تھیں ۴؎ اصابہ ج ۱ ص۲۲۳،

غزوہ ذات الرقاع میں جو سنہ ھ میں ہوا وہ شامل تھے[1]، واپسی کے وقت ان کا اونٹ بھاگ گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے؟ انھوں نے واقعہ بیان کیا، آپ نے ایک لکڑی سے مار کر دعا کی، اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ تیز رو ہو گیا[2]،

اسی سنہ میں خندق کا معرکہ پیش آیا، حضرت جابرؓ خندق کھود رہے تھے، اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود کدال لے کر ایک سخت پتھر کو کھودنے کے لیے تشریف لائے، دیکھا تو شکم مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا ہے[3]، یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر گھر پہونچے اور بیوی سے کہا کہ آج ایسی بات دیکھی جس پر صبر نہیں ہو سکتا، کچھ ہو تو پکاؤ، اور خود ایک بکری کا بچہ ذبح کرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میرے ہاں چل کر ماحضر تناول فرمایئے، سرورِ دو عالم کے کاشانہ میں تین روز سے فاقہ تھا، دعوت قبول فرمائی، اور عام منادی کرا دی کہ جابرؓ نے سب لوگوں کی دعوت کی ہے، حضرت جابرؓ نے انتظام آپ کے اور دو تین آدمیوں کے لیے کیا تھا، اس لیے نہایت تنگدل ہوئے، مگر ادب سے خاموش رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مجمع کو لے کر ان کے مکان تشریف لے گئے، خود بھی کھانا نوش فرمایا اور لوگوں نے بھی کھایا[4]، پھر بھی بچ رہا، آپ نے ان کی بیوی سے فرمایا کہ یہ تم کھاؤ اور لوگوں کے یہاں بھیجو، کیونکہ لوگ بھوک میں مبتلا ہیں،

سنہ ۶ھ میں بنو مصطلق کا غزوہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب روانگی کے قصد سے اونٹ پر سوار ہوئے اور نماز پڑھنے لگے، تو ان کو کسی کام سے بھیجا تھا، جب یہ واپس آئے اس وقت کوچ کا حکم دیا،

---

[1] مسند ص ۳۷۵ ج ۳ [2] ایضاً ص ۳۰۰ [3] بخاری ص ۵۸۸ ج ۲ [4] و ۵۸۹،

اس غزوہ کے بعد غزوۂ انمار واقع ہوا، اس میں بھی حضرت جابرؓ موجود تھے،[1]

اسی سنہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے، ۱۵۰۰ جان نثار ہمرکاب تھے، بیعت الرضوان کا مشہور واقعہ اسی میں پیش آیا،[2] اور حضرت جابرؓ مشرف بہ بیعت ہوئے،[3] اس میں حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضرت جابرؓ حضرت عمرؓ کا بیعت کے وقت ہاتھ پکڑے تھے،[4] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ ساری دنیا سے بہتر ہو،[5]

رجب ۸ھ میں ساحل کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا، حضرت ابوعبیدہؓ اس کے امیر تھے، اسلام کی تاریخ میں یہ عجیب ابتلاء کا وقت تھا، لیکن مسلمان اس میں پورے اترے، زاد راہ ختم ہو گیا، پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانا شروع کیا، آخر سمندر سے ایک بڑی مچھلی کنارے آئی اور لوگوں نے عطیۂ غیبی سمجھ کر نوش جان کیا،[6] مچھلی اتنی بڑی تھی، کہ سردار لشکر نے اس کی ایک پسلی کھڑی کرائی، اور سب سے اونچا اونٹ انتخاب کر کے لایا گیا، اور وہ اس کے نیچے سے نکل گیا،[7] حضرت جابرؓ پانچ آدمیوں کے ساتھ اس کی آنکھ کی ہڈی کے حلقہ میں بیٹھ گئے تو کسی کو پتہ بھی نہ لگا، اس مچھلی کا نام عنبر تھا، ۱۵ روز تک کھائی گئی، کھانے والے ۳۰۰ تھے،[8]

اس کے بعد اور بھی غزوات پیش آئے جن میں ان کی شرکت رہی، حنین اور تبوک میں ان کا نام صراحت سے آیا ہے، حجۃ الوداع میں بھی جو ۱۰ھ میں ہوا وہ بھی شامل تھے،[9]

۳۷ھ میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی جنگ میں حضرت جابرؓ حضرت علیؓ

---

[1] بخاری غزوۂ انمار [2] بخاری غزوۂ حدیبیہ، [3] مسند ۳۰۵ ج ۳ [4] مسند ص ۳۹۶ ج ۳، [5] بخاری غزوۂ حدیبیہ [6] مسند ج ۳ ص ۳۰۰ [7] ایضاً [8] مسند ج ۳ ص ۳۰۸ [9] ایضاً ص ۳۴۹، ۳۱۱، ۲۹۲

کی طرف سے صفین میں جاکر لڑے[1]

سنہ میں امیر معاویہؓ کا عامل بسر بن ابی ارطاۃ حجاز و یمن پر قبضہ حاصل کرنے کے لیے آیا اور مدینہ منورہ میں ایک خطبہ دیا، اس میں اس نے کہا کہ بنو سلمہ کو اس وقت تک امان نہیں مل سکتی جب تک جابرؓ میرے پاس نہ حاضر ہوں، حضرت جابرؓ کو جان کا خوف تھا، حضرت ام سلمہؓ (ام المومنین) کے پاس جاکر مشورہ کیا، انھوں نے کہا میں نے اپنے لڑکوں کو بھی بیعت کی رائے دی ہے، تم بھی بیعت کرلو، عرض کی یہ تو گمراہی پر بیعت ہے، فرمایا مجبوری ہے، لیکن میری رائے یہی ہے، ان کے مشورہ کے مطابق بسر کے پاس آگئے اور امیر معاویہؓ کی خلافت پر بیعت کی،

سنہ میں حجاج مدینہ کا امیر تھا، اس کے جور و ظلم سے صحابہ بھی محفوظ نہ رہے، چنانچہ اس نے متعدد صحابہ پر یہ عنایت کی کہ ان کی گردنوں پر اور حضرت جابرؓ کے ہاتھ پر مہر لگوائی،[2]

وفات | یہ سنہ ان کی زندگی کا اخیر سال تھا، بالکل ضعیف اور ناتواں ہوگئے تھے، آنکھوں نے الگ جواب دیدیا تھا، عمر ۹۴ سال تک پہنچ چکی تھی، اس پر حکومت کا جبر و تشدد اور بھی وبال جان ہو رہا تھا،

عقبۂ کبیر کا نورانی منظر جن آنکھوں نے دیکھا تھا، ان میں صرف یہی ایک بزرگ باقی رہ گئے تھے، اس وقت صحابۂ کرام کے طبقہ میں بھی بہت کم لوگ بقید حیات تھے، اس بنا پر ان کا وجود عالم اسلامی میں بسا غنیمت تھا،

حجاج کے ظلم و ستم نے جس سال ان کا زور توڑا، طائر روح نے اسی سال قفس عنصری

---

[1] اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۵۷، [2] اسد الغابہ ج ۲، حالات سہل بن سعد، ص ۳۶۶،

کی تیلیاں توڑیں، انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ حجاج جنازہ نہ پڑھائے، اس لیے حضرت عثمانؓ کے بیٹے ابان نے نماز پڑھائی، اور بقیع میں دفن کیا،

تاریخ بخاری میں ہے کہ حجاج جنازہ میں آیا تھا، اور تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ نماز بھی پڑھائی تھی،

اہل و عیال حضرت جابرؓ نے اپنے والد کی شہادت کے بعد ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا، کسی کنواری سے کیا ہوتا کہ وہ تم سے کھیلتی تم اس سے کھیلتے، عرض کیا کہ بہنیں خرد سال تھیں، اس لیے ہوشیار عورت کی ضرورت تھی، جو ان کے کنگھی کرتی، جوئیں دیکھتی، کپڑے سی کر پہناتی، فرمایا، اصبت [۵] (تم نے ٹھیک کیا)

دوسری شادی بنو سلمہ میں کی، اسلام میں عورت کو دیکھ کر شادی کرنے کی اجازت ہے اس لیے پیام کے بعد لڑکی کو چھپ کر دیکھ لیا، پھر شادی کی، [۶]

پہلی بیوی کا نام سہیلہؓ بنت مسعود تھا، [۷] صحابیہ تھیں، اور انصار کے قبیلہ ظفر کی لڑکی تھیں، دوسری کا نام حارث تھا، وہ محمد بن مسلمہ بن سلمہ کی جو قبیلہ اوس سے تھے، اور معزز صحابی تھے، بیٹی تھیں، [۸]

اولاد کے نام یہ ہیں، عبدالرحمٰن، عقیل، [۹] محمد، حمید، میمونہ، ام حبیب [۱۰]

حلیہ حلیہ یہ تھا، مونچھ خوب کٹی ہوئی، سر اور داڑھی میں زرد خضاب لگاتے تھے، آنکھیں اخیر عمر میں جاتی رہی تھیں،

مکان مسجد نبوی سے ایک میل دور تھا، اس سے متصل ایک مسجد بھی بنوائی تھی، [۱۱]

---

[۵] مسند ج ۳ ص ۳۰۸ [۶] بخاری ص ۸۰۵ ج ۲ [۷] مسند ص ۳۳۴ ج ۳، ص ۳۰۵، فتح الباری ج ۹، [۸] طبقات ص ۲۰۳ [۹] مسند ص ۳۵۸ ج ۳، ص ۳۹، [۱۰] ایضاً ص ۳۵۷ ج ۳ [۱۱] خزینۃ الابرار قلمی، [۱۲] مسند ص ۳۹۲.

علم وفضل | تحصیل کی ابتدا سرچشمۂ وحی سے ہوئی، لیکن تربیت یافتگان نبوت میں جو لوگ علوم و فنون کے مرکز تھے، ان کے حلقوں سے بھی استفادہ کیا، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، عمارؓ، خالد بن ولید، حضرت ابو بردہؓ بن نیار، ابو قتادہؓ، ابوہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو حمید ساعدیؓ، عبداللہ بن انیسؓ، ام شریکؓ، ام مالکؓ، ام بشرؓ، ام کلثومؓ بنت ابوبکر صدیقؓ (تابعیہ تھیں) سب کے سب ان کے اساتذہ میں داخل ہیں[1]

حدیث کا یہ شوق تھا کہ ایک ایک حدیث سننے کے لیے مہینوں کی مسافت کا سفر کرتے تھے، عبداللہ بن انیس کے پاس ایک حدیث تھی، وہ شام میں رہتے تھے حضرت جابرؓ کو معلوم ہوا، تو ایک اونٹ خریدا، اور ان کے پاس جا کر کہا، کہ وہ حدیث بیان کیجئے، میں نے اس لیے عجلت کی کہ شاید میرا خاتمہ ہوجاتا، اور حدیث سننے سے رہجاتی[2] اسی طریقہ سے مسلمہ بن مخلد سے مصر سے حدیث سننے کے لیے مصر کا سفر کیا، اور حدیث کی اجازت لی اس سفر کا تذکرہ طبرانی میں موجود ہے،

تحصیل علم سے فراغت کے بعد مسند درس پر جلوہ فرما ہوئے، حلقہ درس مسجد نبوی میں قائم تھا، شائقین مقامات بعیدہ سے آتے تھے، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، کوفہ، بصرہ، مصر میں ان کا دریاے فیض رواں تھا،

کمالات کے مظہر تفسیر وحدیث وفقہ کے فن تھے، تفسیر میں اگرچہ روایتیں زیادہ نہیں تاہم معتدبہ ہیں، لوگوں میں درود کے معنی میں اختلاف تھا، بعض کہتے تھے کہ مسلمان جہنم میں نہ داخل ہوگا، بعض کا خیال تھا کہ سب جائیں گے، مگر مسلمان کو نجات

---

[1] ادب المفرد بخاری، [2] ایضاً ص ۱۵۹ ج ۱ [3] اصابہ ص ۲۳۰ ج ۱

جائے گی، حضرت جابرؓ سے پوچھا، فرمایا، بر و فاجر، نیک و بد سب جہنم میں داخل ہوں گے لیکن اچھوں پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوگا، پھر متقیوں کو نجات ملے گی اور ظالم اس میں رہ جائیں گے۔[۵۱]

طلق بن حبیب کو شفاعت کا انکار تھا، انھوں نے حضرت جابرؓ سے مناظرہ کیا، اور خلود فی النار کے متعلق جتنی آیتیں قرآن میں ہیں، سب پڑھیں، حضرت جابرؓ نے فرمایا شاید تم اپنے کو مجھ سے زیادہ قرآن و حدیث کا عالم جانتے ہو! انھوں نے کہا، استغفر اللہ میرا خیال بھی نہیں ہو سکتا، ارشاد ہوا تو سنو! یہ آیتیں مشرکین متعلق ہیں، جو لوگ عذاب دینے کے بعد نکال لیے گئے، ان کا اس میں ذکر نہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس کو بیان فرمایا ہے۔[۵۲]

حدیث ان کی تمام کوششوں کا جولانگاہ ہے، اشاعت حدیث ان کی زندگی کا اہم مقصد رہا، بایں ہمہ کثیر الروایات تھے، اور ان کی مرویات ۱۵۴۰ تک پہنچتی ہیں، بیان حدیث میں نہایت احتیاط و حزم سے کام لیتے تھے، ایک حدیث بیان کی سمعت کا لفظ بولنا چاہتے تھے، کہ رک گئے، اور اپنے اوپر موقوف کر دی، اس کا سبب یہ تھا کہ ان کو الفاظ پر اطمینان نہ ہو سکا۔[۵۳]

تلامذۂ حدیث کا شمار طوالت سے خالی نہیں، تابعین کا ہر طبقہ ان کے خرمن فیض کا خوشہ چیں ہے، لیکن خاص شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

امام باقر علیہ السلام، محمد بن منکدر، سعد بن مینا، سعید بن ابی بلال، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری، محمد بن عمرو بن حسن علیہ السلام، حسن بن محمد حنفیہ وغیرہم۔

فقہ بھی ان کی علمی موشگافیوں کا مظہر ہے، وہ مسائل و فتاویٰ جو وقتاً فوقتاً پوچھے گئے،

---

[۵۱] مسند ۳۲۹، [۵۲] ایضاً ۳۳۰، [۵۳] ایضاً ۳۳۳

اور انھوں نے جو جوابات دیے اگر وہ جمع کیے جائیں تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے،

اخلاق و عادات | اقامتہ حدود اللہ، جوش ایمان، جرأت اظہار حق، امر بالمعروف، مودت رسولؐ اتباع سنت و رفق بین المسلمین، اخلاق کی بیخ و بنیاد ہیں، اور قدرت نے حضرت جابرؓ کو نہایت فیاضی سے ان تمام چیزوں سے حصہ دیا تھا،

اقامت حدود اللہ، ہر مسلمان کا فرض ہے حضرت جابرؓ کو اس میں یگانہ و بیگانہ کا فرق و امتیاز روک نہ سکتا تھا، حضرت ماعزؓ اسلمی جو مدینہ کے باشندے اور اصحاب پاک میں داخل تھے، ان کی حد رجم کے موقع پر خود جا کر اپنے ہاتھ سے پتھر مارے تھے،[۱]

اظہار حق میں کسی کی وجاہت خلل انداز نہ ہو سکتی،

حضرت سعد بن معاذؓ انصاری، قبیلۂ اوس کے سردار اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے، ان کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آج عرش اعظم جنبش میں آگیا ہے"، حضرت براء بن عازبؓ کو یہ حدیث معلوم تھی، لیکن وہ عرش رحمٰن کے بجائے صرف "سریر" کہتے تھے جس سے جنازہ کا ہلنا مراد ہے، حضرت جابرؓ سے لوگوں نے براءؓ کا قول نقل کیا، فرمایا، کہ حدیث تو یہی ہے جو میں نے بیان کی، باقی براء کا قول تو وہ باہمی بغض و عداوت و کینہ توزی کا نتیجہ اور اثر ہے، اوس اور خزرج میں اسلام سے پہلے سخت مخاصمت تھی،[۲]

اس واقعہ کا یہ پہلو بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت جابرؓ قبیلۂ خزرج سے تھے، اس بنا پر ان کو خزرجیوں کا ہم آہنگ و ہمنوا ہونا چاہیے تھا،

حجاج بن یوسف جب مدینہ کا امیر ہو کر آیا تو اس نے اوقات نماز میں کچھ تقدیم و تاخیر کی، لوگ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے، فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز

---

[۱] مسند ص۳۸۱ ج۳ [۲] صحیح بخاری ص۵۳۶ ج۱،

دوپہر کے بعد، عصر کی آفتاب کے صاف اور روشن ہونے تک، مغرب کی وقت غروب، فجر کی تاریکی میں پڑھتے تھے، اور عشاء کے وقت لوگوں کا انتظار رہتا تھا، اگر جلد مجمع ہوگیا تو جلد پڑھتے تھے، ورنہ دیر سے[1]۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن جابرؓ نے تین برس کے لیے اپنی زمین کا پھل فروخت کردیا، ان کو خبر ہوئی تو کچھ لوگوں کو لے کر مسجد آئے، اور سب کے سامنے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، جب تک پھل کھانے کے قابل نہ ہوجائیں ان کا فروخت کرنا جائز نہیں[2]۔ (پھر نکلنے سے قبل کیونکر جائز ہوسکتا ہے)

ایک مرتبہ ایک سرگروہ فتنہ اور فساد مدینہ آیا، لوگوں نے حضرت جابرؓ کو گھیرا کہ اس کو شر سے باز رکھئے، اس زمانہ میں وہ بینائی سے محروم ہوچکے تھے، اپنے دو بیٹوں کو بلایا، اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نکلے، اور کہا کہ خدا اس کو ہلاک کرے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف میں ڈال رکھا ہے، بیٹوں نے عرض کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہوچکے، اب ان کو خوف کیسا؟ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا، گویا خود مجھے ڈرایا[3]۔

آپ اتباع رسول کے ولولہ میں ان امور میں بھی آپ کی اقتدا کرتے تھے، جن میں آپ کی تقلید ضروری نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ صرف ایک کپڑا اوڑھے نماز پڑھتے دیکھا تھا، اس لیے خود بھی اسی طرح نماز پڑھی، شاگردوں نے کہا کہ آپ کے پاس چادر رکھی تھی، اس کو کیوں نہ اوڑھ لیا، کہ ازار اور چادر دو کپڑے ہوجاتے، فرمایا اس لیے کہ تم جیسے بے وقوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رخصت کو دیکھیں اور

---

[1] مسند ۳۶۹ جلد ۳، [2] ایضاً ۳۹۵، [3] ایضاً ۳۵۴۔

اعتراض کریں[۱]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں تین روز (پیر، منگل، بدھ) دعا مانگی تھی تیسرے دن نماز کے اندر قبول ہوئی تو چہرۂ مبارک پر بشارت کی موجیں نور بنکر دوڑ گئیں حضرت جابرؓ نے یہ واقعہ دیکھا تھا چنانچہ جب کوئی مشکل آپڑتی تو اس خاص وقت میں وہاں جاکر دعا کرتے اور قبولیت و اجابت کا مژدہ ساتھ لاتے تھے[۲]،

حب رسولؐ اور فدویت و جاں نثاری اس سے ظاہر ہے کہ عقبۂ ثانیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں عرب و عجم سے جنگ پر جن لوگوں نے بیعت کی تھی ان میں حضرت جابرؓ بھی تھے،

غزوات نبویؐ میں انھوں نے سرفروشی اور فداکاری کا علانیہ ثبوت دیا اور غزوۂ حدیبیہ یا مشہد بیعت الرضوان میں جس قوت نے کام کیا تھا اس کا اقرار خود مصحف ناطق میں کیا گیا ہے،

حب رسولؐ کے مناظر یہ ہیں،

غزوۂ خندق میں تمام لشکر بے آب و دانہ تھا اور سید کونینؐ ۳ دن فاقہ سے رہے اور پیٹ پر پتھر باندھ کر مہمات جنگ میں مصروف تھے، آقا کو اس حالت میں دیکھا تو کام چھوڑ کر مکان گئے اور دعوت کا انتظام کیا[۳]،

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اعلیٰ قسم کے چھوہارے جن میں گھٹلی نہ تھی پیش کیے، آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ میں گوشت سمجھا تھا، اسی وقت گھر جاکر بیوی سے کہا، انھوں نے بکری ذبح کرکے گوشت پکا دیا[۴]،

---

[۱] مسند ج ۳ ص ۳۲۰ [۲] ایضاً ص ۳۳۲ [۳] ایضاً ص ۳۰۰ [۴] ایضاً ص ۳۳۴،

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان پر تشریف لے گئے، آپ کی عادت معلوم تھی، اٹھے اور ایک فربہ بکری کا بچہ ذبح کیا، وہ چلایا تو آپ نے فرمایا نسل اور دودھ کیوں قطع کرتے ہو؟ عرض کی ابھی بچہ ہے چھوہارے کھا کر اتنی موٹی ہو گئی ہے[۱]،

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے گذرے، یہ ڈھال میں چھوہارے لئے تھے، شرکت کی دعوت دی، آپ نے قبول فرمائی[۲]،

حدیبیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے، سقیا میں قیام ہوا، پانی موجود نہ تھا حضرت معاذ بن جبلؓ کی زبان سے نکلا کہ کوئی پانی پلاتا، حضرت جابرؓ چند انصار کو لیکر پانی کی تلاش میں روانہ ہوئے، ۲۳ میل چل کر اثایہ میں پانی ملا وہاں سے مشکوں میں بھر کر لائے، عشاء کے بعد دیکھا تو ایک شخص اونٹ پر سوار حوض کی طرف جا رہا ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے، بڑھ کر مہار تھام لی، اونٹ کو بٹھایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتر کر نماز پڑھی، خود بھی پہلو میں کھڑے ہو کر نماز میں شریک ہوئے[۳]،

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے تھے، وہ عیادت کو آئے[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی قرض کی ضرورت ہوتی تو ان سے لیتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ قرض لیا تھا، اور ادائگی کے وقت بطور اظہار خوشنودی کچھ زیادہ دیا[۵]،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بہت محبت تھی، ایک خاص واقعہ میں انکے لئے ۲۵ مرتبہ استغفار فرمایا تھا[۶]، ایک مرتبہ بیمار پڑے تو خود عیادت کو تشریف لائے حضرت جابرؓ بیہوش تھے، آپ نے وضو کرکے پانی کے چھینٹے دیے تو ہوش آیا اس وقت تک ان کے کوئی اولاد نہ تھی، باپ بھی فوت ہو چکے تھے، شریعت میں ایسے شخص کے وارث کو کلالہ

[۱] مسند ج ۳ ص ۳۹۶ [۲] ایضاً ص ۳۹۸ [۳] ایضاً ص ۳۹۰ [۴] ایضاً ص ۳۰۰ [۵] ایضاً ص ۳۰۲ [۶] طبقات ابن سعد تذکرہ جابرؓ

کہتے ہیں، چونکہ زندگی سے ناامید ہو چکے تھے، عرض کیا کہ میں مرگیا تو کلالہ وارث ہوگا،
فرمائیے میراث کیونکر تقسیم کروں؟ کیا دو ثلث بہنوں کو دیدوں؟ فرمایا اچھا ہے دیدو،
عرض کیا خواہ نصف؟ فرمایا ہاں، یہ کہہ کر باہر تشریف لائے، پھر واپس ہوئے اور آکر کہا
جابر! تم اس مرض میں نہ مروگے، تمھارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے،

یستفتونک قل اللّٰہ یفتیکم فی کلالۃ،	ترجمہ	تم سے (اے پیغمبر) لوگ کلالہ کے بارہ میں استفسار کرتے ہیں کہو کہ خدا کالہ کے متعلق

تم بہنوں کو دو ثلث دے سکتے ہو[1]

کہیں دعوت ہوتی تو ساتھ لیجاتے، کبھی خود اپنے ساتھ مکان پر لاتے اور کھانا کھلاتے
ایک روز وہ اپنے گھر کی دیوار کے سایہ میں بیٹھے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سامنے سے گذرے، یہ دوڑ کر ساتھ ہولئے، ادب کے خیال سے پیچھے چل رہے تھے، فرمایا
پاس آجاؤ، ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشانہ اقدس لوا لائے اور پردہ گرا کر اندر بلایا، اندر سے
روٹیاں اور سرکہ ایک صاف کپڑے پر رکھ کر آیا، آپ نے ڈیڑھ ڈیڑھ روٹی تقسیم کی
اور فرمایا سرکہ بہت عمدہ سالن ہے، جابرؓ کہتے ہیں کہ اس دن سے سرکہ کو میں نہایت
محبوب رکھتا ہوں[2]،

کچھ اس واقعہ پر موقوف نہیں، نوازشات خاصہ ہر صورت میں ہوتی رہتی تھیں،
غزوہ ذات الرقاع میں حضرت جابرؓ نہایت عمدہ اونٹ پر سوار تھے، جو اپنی
تیز رفتاری میں تمام اونٹوں سے آگے تھا، چلتے چلتے یکایک رک گیا[3]، پیچھے سے آواز
آئی کیا ہوا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے، تشریف لائے اور ایک کوڑا مارا، اونٹ

---

[1] مسند ج ۳ ص ۲۹۸ و ۳۰۷ [2] ایضاً ص ۳۰۵ [3] ایضاً ص ۳۷۹ و ۴۰۰ [4] ایضاً ص ۳۶۲،

پھر تیز ہوگیا اور ان کو سے اڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دو، عرض کی حاضر ہے لیکن قیمت کی ضرورت نہیں، فرمایا نہیں، قیمت دیجائے گی، درخواست کی کہ مدینہ تک میں اسی پر چلونگا جو منظور ہوئی، شہر پہونچ کر اونٹ کو لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ اس کو گھوم گھوم کے دیکھتے تھے، اور فرماتے تھے، کیسا اچھا ہے؟ اس کے بعد حضرت بلال کو حکم دیا کہ اتنے اوقیہ سونا تول دو، اصل کے بعد کچھ اور بھی عطا فرمایا، اور پوچھا دام پا چکے؟ کہا جی ہاں، فرمایا دام اور اونٹ دونوں لیجاؤ سب تمھارا ہے[1]، ایک یہودی نے اس واقعہ کو سنا تو تعجب کیا،[2]

قیمت سے زیادہ دام چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش تھی، اس لئے اسکو ایک تھیلی میں علیحدہ حفاظت سے رکھدیا، حرہ کے دن اہل شام نے ان کے گھر پر چھاپہ مارا، اس میں دوسری چیزوں کے ساتھ اس کو بھی لوٹ لے گئے[3]،

ایک مرتبہ بحرین سے مال آنے والا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو تین لپ بھر کر دونگا، لیکن جب مال آیا تو آپ کا انتقال ہو چکا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے منادی کرائی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے وعدہ کیا ہو یا آپ پر کسی کا قرض باقی ہو تو وہ مجھ سے لے سکتا ہے، حضرت جابرؓ نے کہا کہ مجھ سے وعدہ فرمایا تھا، فرمایا لے لو، ۳ لپ ہوئے جن میں ۱۵۰۰ تھے[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام خاص طور پر ملحوظ رہتا تھا، اعمال و عقائد میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل فرض و واجب کا درجہ رکھتا تھا، اور اس میں کسی کو مجال انکار نہ تھی، لیکن امور مباحی میں بھی ان کو اس کا لحاظ رہتا تھا کہ جس بات کو آنحضرت صلعم

---

[1] مسند ج ۳ ص ۳۱۴ [2] ایضاً ص ۳۰۳ [3] ایضاً ص ۳۱۴ [4] ایضاً ص ۳۰۸،

۳۔ مرتبہ ارشاد فرماتے بے چون وچرا تسلیم کر لیتے ایک دو مرتبہ میں قیل و قال کی گنجائش رہتی تھی[۱] مسلمانوں سے محبت کرتے اور رحماء بینھم کی مجسم تصویر تھے،

ایک مرتبہ ان کا پڑوسی کہیں سفر میں گیا تھا، واپس آیا تو بایں جلالت قدر ملاقات کو تشریف لے گئے، اس نے لوگوں کے اختلاف اور جماعت بندی کی داستان سنائی، بدعات کا رائج ہونا بیان کیا، صحابہ نے گلشت اسلام، اپنے بدن کے خون سے سینچی تھی، ان واقعات کے کان کب متحمل ہو سکتے تھے؟ بے اختیار آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا تھا کہ لوگ جس طرح گروہ در گروہ خدائی دین میں داخل ہوئے ہیں، اسی طرح خارج بھی ہو جائیں گے[۲]

ان اوصاف کے ساتھ مذہبی جوش اور حرارت بھی نہایت نمایاں تھی، ایک میل[۳] سے پنجوقتہ نماز پڑھنے آتے تھے، ظہر کے وقت گرمی کی یہ شدت ہوتی تھی کہ زمین پر سجدہ کرنا دشوار تھا، ہاتھ میں کنکریاں ٹھنڈی کرتے اور سجدہ کرتے وقت انکو بچھا لیتے تھے[۴] لیکن ناغہ نہ ہوتا تھا

ایک مرتبہ مسجد نبوی کے قرب میں مکانات خالی ہوئے، حضرت جابرؓ اور بنو سلمہ کا ارادہ ہوا کہ یہاں اٹھ آئیں کہ نماز کا آرام ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ نے فرمایا کہ تمھیں وہاں سے آنے میں ہر قدم پر ثواب ملتا ہے، سوچو تو کتنا ثواب ہوا، سب نے کہا کہ حضور کا ارشاد بدل و جان منظور ہے[۵]

حج متعدد کئے تھے، دو کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے، پہلا حجۃ الوداع، دوسرا ایک اور جس میں محمد بن عباد بن جعفر نے ایک مسئلہ پوچھا تھا[۶]

سادگی مسلمانوں کی ترقی کا اصلی راز ہے، حضرت جابرؓ نہایت سادہ مزاج تھے، صحابہ

---

۱ مسند جلد ۳ ص ۲۰۵، ۲۵۹ ۲ ایضاً ص ۳۴۴ ۳ ایضاً ص ۳۰۳ ۴ ایضاً ص ۳۲۷ ۵ ایضاً ص ۳۹۰ ۶ ایضاً ص ۳۹۶

کا ایک گروہ مکان پر ملنے آیا، اندر سے روٹی اور سرکہ لائے اور کہا بسم اللہ، اس کو نوش فرمایئے سرکہ کی بڑی فضیلت آئی ہے پھر فرمایا کہ آدمی کے پاس اگر اس کے اعزہ و احباب آئیں تو جو کچھ حاضر ہو پیش کر دے، اس میں کوتاہی نہ کرے، اسی طرح ان لوگوں کا فرض ہے کہ پیش کردہ چیز کو خوشی خوشی کھائیں اور اس کو حقیر نہ سمجھیں، کیونکہ تکلف میں دونوں کی ہلاکت کا سامان ہے۔[۱]

ایک مرتبہ مقنع بیمار ہوئے تو حضرت جابرؓ دیکھنے کو گئے تو فرمایا، میرے خیال میں تم پچھنہ لگاؤ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ اس میں شفا ہے۔[۲]

مزاج میں بے تکلفی تھی ملنے جلنے کا انداز بہت سادہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون محترم و معزز ہو سکتا تھا، لیکن جب آپ چلتے تو لوگ آپ کے برابر یا آگے چلتے تھے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کے پیچھے فرشتے چلتے تھے۔[۳]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک چیز دل و دماغ میں جاگزیں تھی، بیعت الرضوان کی بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی، لوگ اس جگہ کو متبرک سمجھ کر نماز پڑھنے لگے، حضرت عمرؓ نے اسکو کٹوا دیا، مسیب بن حزن کا بیان ہے کہ اس درخت کو ہم لوگ دوسرے ہی سال بھول گئے تھے[۴]، لیکن حضرت جابرؓ کو برسوں کے بعد بھی یاد تھا، اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے حدیبیہ کا قصہ بیان کیا تو فرمایا کہ آج آنکھیں ہوتیں تو وہ موقع دکھلا دیتا۔[۵]

۱؎ مسند ج ۳ ص۳۷۱ ۲؎ ایضاً ص۳۳۳ ۳؎ ایضاً ص۳۳۲ ۴؎ صحیح بخاری جلد ۲ ص۵۹۹ ۵؎ ایضاً ص۵۹۸،

---- ❖ ----

حضرت جبّار بن صخرؓ

نام ونسب جبار نام، ابوعبداللہ کنیت، قبیلۂ خزرج کے خاندان سلمہ سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے جبار بن صخر بن امیہ بن خنیس بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ، والدہ کا نام سعاد بنت سلمہ تھا، اور جشم بن خزرج کے قبیلہ سے تھیں،

اسلام بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں شریک تھے،

غزوات اور دیگر حالات مقداد اسود کندی سے کہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے مواخاۃ ہوئی، تمام غزوات میں شرفِ شرکت حاصل کیا، غزوۂ بدر میں ۳۲ سالہ تھے،

خیبر فتح ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہؓ بن رواحہ کو ایک سال خارص بنا کر بھیجا تھا، غزوۂ موتہ میں ان کی شہادت ہوگئی تو جبارؓ بن صخرؓ اس منصب کے لئے انتخاب کیا، جبار ہر سال خیبر کے پھلوں کا تخمینہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے تھے،

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بھی اسی منصب پر مامور رہے اور حضرت عمرؓ نے جب یہود کو خیبر سے جلاوطن کیا تو مہاجرین وانصار کو لیکر خیبر گئے تھے، اس سفر میں جبارؓ بن صخر بھی اُن کے ہمراہ تھے،

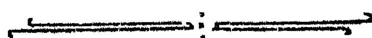
وفات ۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں انتقال کیا، اسوقت انکی عمر ۶۲ سال کی تھی،

فضل وکمال مسند میں چند حدیثیں انکے سلسلہ سے مروی ہیں، حساب میں کمال حاصل تھا، اس لئے دار الخلافت میں حساب اور خارص کا عہدہ ان کو تفویض ہوا تھا،

اخلاق | حب رسولؐ پر ذیل کا واقعہ شاہد ہے،

مکہ معظمہ کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اثابہ میں کون جاکر پانی کا انتظام کرتا،
حضرت جبارؓ نے اٹھ کر کہا میں جاتا ہوں، وہاں پہونچ کر حوض کے ارد گرد ڈھیلے رکھے، اور
اس میں پانی بھر دیا محنت کرنے کی وجہ سے تھک گئے تھے، آنکھ لگ گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
پہونچے اور فرمایا مالک حوض! میں اپنے اونٹ کو پانی پلا سکتا ہوں؟ انھوں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہچان کر اجازت دی، آپ اونٹ بٹھا کر اترے اور وضو کے لئے
پانی مانگا، انھوں نے آپ کو وضو کرا کے خود بھی وضو کیا، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ نماز میں کھڑے ہوئے، چونکہ بائیں جانب کھڑے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا
ہاتھ پکڑ کر داہنے جانب کر دیا، تھوڑی دیر میں تمام لوگ آپہنچے[۱]، اور تنہائی کا لطف صحبت
مفقود ہوگیا،

[۱] مسند ابن حنبل ص۴۲۱ ج ۳،



حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ

جلیبیب نام تھا، انصار کے کسی قبیلہ سے تھے، سلسلۂ نسب معلوم نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی ایک لڑکی سے ان کی نسبت ٹھہرائی، چونکہ نہایت کم رو اور پستہ قد تھے، اس لئے لڑکی کے ماں باپ نے انکار کرنا چاہا لیکن لڑکی نہایت سمجھدار اور عقلمند تھی، اس کو معلوم ہوا تو یہ آیت پڑھی،

ماکان لمومن ولا مومنة — یعنی جب اللہ اور رسول کسی بات کا فیصلہ
اذا قضی اللہ ورسولہ امرا — کر دیں تو کسی مسلمان کو اس میں چون
ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم — چرا کی گنجائش نہیں،

اور میں بالکل رضامند ہوں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ہے وہی میری بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نہایت مسرور ہوئے، اور فرمایا،

اللھم اصبب علیھا الخیر ولا — خداوندا اس پر خیر کا دریا بہادے اور
تجعل عیشھا کدا، — اس کی زندگی کو تلخ نہ کر،

دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ تمام انصار میں اس سے زیادہ کوئی عورت تونگر اور خراج نہ تھی، عورت کی رضامندی پاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیبیبؓ سے کہا کہ فلاں لڑکی سے تمھارا نکاح کرتا ہوں، بولے یا رسول اللہ! آپ مجھے کھوٹا پائیں گے، فرمایا لکنت عند اللہ لست بکاسد، یعنی تم خدا کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو، (اس واقعہ میں اور بھی تفصیل ہے)

ھ استیعاب ج ۱، و دیگر کتب رجال، مسند احمد بن حنبل

شہادت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں تھے کہ مال غنیمت آیا، ارشاد ہوا دیکھو کون کون لوگ لاپتہ ہیں، لوگوں نے چند آدمیوں کے نام گنائے، آپ نے ۳ مرتبہ پوچھا اور وہی جواب ملا تو فرمایا، لکنی افقد جلیبیبا! لیکن میں جلیبیب کو گم پاتا ہوں،

مسلمان حضرت جلیبیبؓ کی تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ سات آدمیوں کے پہلو میں مقتول پڑے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، آپ خود تشریف لائے، اور لاش کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا،

قتل سبعۃ ثم قتلوہ ھذا منی	سات کو قتل کر کے قتل ہوا یہ مجھ سے ہے اور میں
انا منہ، ھذا منی وانا منہ	اس سے ہوں یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں

اور جلیبیب کی لاش کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر لائے، اور قبر کھدوا کر دفن کیا اور غسل نہیں دیا۔[1]

حضرت جلیبیبؓ واقعی خدا کے نزدیک کھوٹے نہ تھے، شہادت عظمیٰ کے ساتھ ساتھ یہ شرف کتنا عظیم الشان تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ہاتھوں سے ان کی لاش اٹھا کر لائے، تمام لوگوں کا تابوت لکڑی کے تختوں سے تیار ہوتا ہے، لیکن حضرت جلیبیبؓ کا تابوت مہبط وحی والہام کا دست مبارک تھا،

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے   کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۴،

(ح)

حضرت حباب بن منذرؓ بن جموح

نام ونسب حباب نام، ابو عمر کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، حباب بن منذر بن جموح بن زید بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ،

اسلام ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے،

غزوات اور دیگر حالات تمام غزوات میں شرکت کی، غزوۂ بدر میں قبیلہ خزرج کا علم ان کے پاس تھا[۱]، بدر کے قریب پہونچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈیرا ڈالا تو حبابؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس مقام پر اترنے کے لئے حکم خداوندی ہے، یا آپ کی ذاتی رائے ہے؟ فرمایا میری رائے ہے، عرض کی تو یہ موقع ٹھیک نہیں، ہم کو پانی کے پاس اترنا چاہئے، اور تمام کنوؤں پر قبضہ کرکے ایک حوض تیار کرنا چاہیے کہ ہمارے لشکر میں پانی کی قلت نہ ہو، اور دشمن شدت تشنگی سے پریشان ہو جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حباب صحیح کہتے ہیں، چنانچہ تمام لشکر کو لیکر چاہ بدر پر نزول اجلال ہوا[۲]،

غزوۂ احد میں قریش دس سروسامان سے نکلے تھے، کہ مدینہ ہل گیا تھا، ذوالحلیفہ پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو جاسوس بھیجے اور ان کے بعد حبابؓ کو روانہ فرمایا انھوں نے تمام لشکر میں گھوم کر مختلف خبریں بہم پہنچائیں اور دشمن کی تعداد کا صحیح اندازہ کرکے

---

[۱] طبقات ابن سعد ۳، ایضاً ص ۹ و اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۶۴ [۲] ایضاً ص ۲۶،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی،

اس غزوہ میں بھی خزرج کا علم ان کے پاس تھا بعض کا خیال ہے کہ سعد بن عبادہ علمبردار تھے، غزوہ خیبر میں ایک حصہ کا اور حنین میں تمام خزرج کا علم انہی کو تفویض ہوا تھا سقیفہ ساعدہ میں وہ سعد بن عبادہ کے سرگرم حامی تھے، اور ان کے خلیفہ بنانے پر مصر تھے،

انہا نے خطبہ میں ایک یہ فقرہ کہا تھا،

انا جذیلها المحکك وعذیقها المرجب،	یعنی میں قوم کا معتمد ہوں اور لوگ میری رائے سے فائدہ اٹھاتے ہیں،

انہا کے بعد یہ رائے پیش کی کہ دو امیر ہوں، ایک انصاری اور ایک مہاجری حضرت عمر نے برجستہ کہا، یہ ناممکن ہے، دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند!

وفات | حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں فوت ہوئے، عمر ۵۰ سال سے متجاوز تھی، غزوہ بدر میں ۳۳ برس کا سن تھا،

فضل وکمال | حدیث میں ابو الطفیل عامر بن واثلہ ان کے شاگرد ہیں،

شاعری عرب کا فطری جوہر ہے، حضرت حبابؓ بھی شعر کہتے تھے، یہ شعر انہی کی طرف منسوب ہیں،

الم تعلما لله در ابیکما	وما الناس الا اکمه وبصیر
کیا تمھیں خبر نہیں تمھارے باپ کی بھلائی خدا کیلئے	کہ دو لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں قدرتی نابینا اور بینا
بانا واعداء النبی محمد	اسود لها فی العالمین زئیر
چنانچہ ہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن دونوں شیر ہیں	جن کی گرج سے تمام عالم گونج اٹھا ہے
نصرنا وآوینا النبی وما له	سوانا من اهل الملتین نصیر
لیکن ہمکو یہ شرف ہے کہ ہم نے پیغمبر کو پناہ دی اور مدد کی	اور ہمارے سوا آپ کا کوئی مددگار نہیں ہے

خطبہ اچھا دیتے تھے، اور اس میں فصاحت و بلاغت کے پورے جوہر دکھاتے تھے،
سقیفہ ساعدہ میں انھوں نے دو خطبے دیئے تھے جن سے قوتِ تقریر اور زور بیان کا صحیح
اندازہ ہو سکتا ہے، اس مفہوم کو کہ انصار چاہیں تو خلافت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں کس
بلیغ پیرایہ میں ادا کیا ہے،

اما واللہ لئن شئتم لنعیدنہا جذعۃ!

خلافت کو اونٹ سے تعبیر کر کے کہتے ہیں، کہ تم چاہو تو میں اسکو پانچ برس کا ایک بچہ
بنا سکتا ہوں،

اسی طرح اپنی حیثیت اور ذاتی وجاہت کو اس طرح بیان کرتے ہیں،

انا جذیلہا المحکک وعذیقہا المرجب! | میں انصار کے خارشتی اونٹ کے بدن رگڑنے کا ستون اور انکے تناور درخت کا سدرہین ہوں

عرب میں جس اونٹ کے خارش نکلتی تھی صحیبا بی کے لیے اسکو ایک لکڑی یا ستون سے باندھ
دیتے تھے جس سے وہ اپنا بدن رگڑ رگڑ کر اچھا ہو جاتا تھا، اسی طرح کھجور کے بہت بڑے درخت
کے نیچے جس کے جھکنے کا خوف ہوتا تھا، ایک دیوار بنا دیتے، یا لکڑی گاڑ دیتے تھے، تو درخت
سیدھا رہتا تھا،

حضرت حبابؓ نے اپنی ذمہ داری کو اسی لکڑی اور دیوار سے تشبیہ دی ہے،

حضرت حرام بن ملحانؓ

نام ونسب حرام نام، قاری لقب سلسلۂ نسب یہ ہے، حرام بن ملک بن ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج، حضرت ام سلیمؓ کے بھائی تھے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ اور حضرت انس بن مالکؓ صحابی مشہور کی والدہ ماجدہ تھیں،

اسلام بنو نجار، صدائے اسلام پر لبیک کہنے میں تمام انصار کے پیش پیش رہے تھے، حضرت ام سلیمؓ کی وجہ سے خاندانِ عدی اسلام کے نام سے گوش آشنا ہو چکا تھا، اس لئے بھائی نے بھی قبول اسلام میں سبقت کی،

غزوات اور وفات بدر اور احد کے معرکوں میں ان کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا، سریہ بیر معونہ میں جو احد کے بعد ہوا تھا ان کے موجود ہونے کی شہادت ملتی ہے،

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ یہ درخواست لیکر آئے کہ ہمارے ملک میں اشاعت اسلام کے لئے کچھ آدمی بھیج دیجئے جو قرآن وسنت کی اچھی طرح تعلیم دے سکیں، آپ نے ۷۰ آدمیوں کو جو قرار کے لقب سے مشہور تھے، ان کے ساتھ کر دیا، حرام بھی اسی جماعت میں تھے، وہاں پہونچ کر ایک مقام پر قیام کیا، حرام دو آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ایک کے پاؤں میں لنگ تھا قبیلہ میں اشاعتِ اسلام

لے صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۵،

کے لئے گئے، اور یہ کہہ کر ان کو قریب چھوڑ دیا کہ تم یہیں ٹھہرو، پہلے میں جاتا ہوں، اگر زندہ بچ گیا تو خیر، ورنہ تم دوڑ کر ہمارے ساتھیوں کو خبر کر دینا، اور قبیلہ میں جا کر کہا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کچھ کہنا چاہتا ہوں، تم مجھے امان دیتے ہو؟ ادھر ان کی تقریر شروع ہوئی تھی کہ اُدھر قبیلہ والوں نے ایک شخص کو اشارہ کر دیا جس نے پیچھے سے نیزہ کا وار کیا جو ایک پہلو کو توڑ کر دوسرے پہلو سے نکل گیا، حضرت حرامؓ نے زخم کا خون لے کر چہرہ اور سر پر چھڑکا، اور فرمایا اللہ اکبر فزت ورب الکعبہ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا، دونوں ساتھیوں میں سے جن کے پاؤں میں لنگ تھا پہاڑ میں چھپ رہے، دوسرے نے مسلمانوں کو خبر کی، واقعہ سن کر سب موقع پر پہنچ گئے اور اسی جگہ لڑ کر جام شہادت نوش کیا،

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی خبر ہوئی تو آپ نے ایک مہینہ تک قاتلین کے حق میں دعائے بد کی،[1]

فضل و کمال | قرآن وحدیث پر اس قدر عبور تھا کہ نجد میں ان کی اشاعت کے لئے مقرر کئے گئے صحیح مسلم میں ہے کہ قرآن پڑھا کرتے اور رات کے وقت اس کا درس دیتے تھے[2]، اسی وجہ سے قاری لقب پڑ گیا تھا[3]،

اخلاق | رات کو نماز پڑھتے[4]، دن کو مختلف نیک کام کرتے، مسجد نبوی میں پانی بھر کر رکھتے لکڑی کاٹ کر فروخت کرتے[5]، اور اس سے اصحاب صفہ اور دوسرے محتاج مسلمانوں کی غذا مہیا کرتے تھے[6]، ان کریمانہ اخلاق میں جوش ملی جس کا نظارہ اوپر ہو چکا ہے ایسا دیدہ زیب مرقع پیش کرتا ہے جس کے بعد دوسرے مرقع کی حاجت نہیں رہتی،

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۶ و ۵۸۱ [2] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۸، ۱۳۰ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً [6] صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵،

حضرت حسّان بن ثابتؓ

نام و نسب | حسان نام، ابو الولید کنیت، شاعر رسول اللہ لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے حسان ابن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار ابن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج، والدہ کا نام فریعہ بنت خالد بن خنیس بن لوذان بن عبدود ابن زید بن ثعلبہ بن خزرج بن کعب بن ساعدہ تھا، قبیلۂ خزرج سے تھیں اور سعد ابن عبادہ سردار خزرج کی بنت عم ہوتی تھیں، حسان نے ایک شعر میں ان کا نام ظاہر کیا ہے۔

امسی الجلابیب قد عزوا وقد کثروا　　وابن الفریعۃ امسی بیضۃ البلد[۱]

وہ اسلام اور بیعت کے شرف سے مشرف ہوئیں،

حضرت حسانؓ کے اجداد اپنے قبیلہ کے رئیس تھے، فارع کا قلعہ جو مسجد نبوی سے جانب غرب باب الرحمۃ کے مقابل واقع تھا، انہی کا سکونت گاہ تھا، حسانؓ کہتے ہیں،

ارقت لما من البروق اللوامع　　ونحن نشاوی بین سلع وفارع[۲]

سلسلۂ اجداد کی چار پشتیں نہایت معمر گذریں، عرب میں کسی خاندان کی چار پشتیں مسلسل طویل العمر نہیں مل سکیں، حرام کی عمر جو حضرت حسانؓ کے پردادا تھے ۱۲۰ سال کی تھی، ان کے بیٹے منذر اور ثابت بن منذر اور حسان بن ثابت سب نے یہی عمر پائی،[۳]

اسلام | حضرت حسانؓ حالت ضعیفی میں ایمان لائے، ہجرت کے وقت ۶۰ برس کا سن تھا،

---

[۱] صحیح بخاری ص۵۹۵ ج ۲ [۲] اصابہ ص۶۲ ج ۲ [۳] خلاصۃ الوفا ص۲۶ [۴] اسد الغابہ ص۵ ج ۲

غزوات | دل کے فطرۃً کمزور تھے، اس لئے کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے[1] حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوات میں شرکت کی تھی، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں،

قیل لابن عباس قدم حسان اللعین	ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ حسان ملعون
فقال ابن عباس ما هو بلعین قد	آیا ہے، فرمایا ملعون کیونکر ہو سکتے ہیں
جاهد مع رسول الله صلی الله	انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
علیه وسلم بنفسه ولسانه[2]	رہکر اپنے نفس اور زبان سے جہاد کیا ہے

لیکن عام تذکرے اس کے خلاف ہیں، غزوہ خندق میں عورتوں اور بچوں کے ساتھ قلعہ میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبد المطلب بھی اسی قلعہ میں تھیں، ایک یہودی نے قلعہ کے گرد چکر لگایا، حضرت صفیہؓ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر یہودیوں کو اطلاع ہو گئی تو بڑی مشکل پیش آئے گی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دشمن سے مشغول تھے انھوں نے حسان سے کہا اس کو مار دو، ورنہ یہود سے جا کر خبر کر دیگا، انھوں نے جواب دیا تمھیں معلوم ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں، حضرت صفیہؓ نے یہ جواب سنکر خود خیمہ کی چوب اٹھائی اور مردانہ وار نکل کر مقابلہ کیا، اور یہودی کو قتل کر کے حسان سے کہا اب جا کر اس کا سامان اتار لاو، بولے کہ مجھے اسکی ضرورت نہیں[3]،

حضرت حسانؓ جان کے بجائے زبان سے جہاد کرتے تھے، چنانچہ غزوہ بنو نضیر میں

---

[1] اسد الغابہ ج ۲ ص ۵ [2] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۴۷ ایک یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت تراشی کے واقعہ میں حضرت حسانؓ بھی منافقین کے فریب میں آکر شریک ہو گئے تھے، اس لئے بعض اصحاب جب رسول میں ان کے متعلق سخت الفاظ استعمال کر جاتے تھے، اس واقعہ میں بھی غالباً ملعون کہنے کا سبب یہی ہے

[3] اسد الغابہ ج ۲ ص ۶،

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کے درخت جلائے تو انھوں نے یہ شعر کہا،

فھان علی سراۃ بنی لوئی　　حریق بالبویرۃ مستطیر

بنو نضیر اور قریش میں باہم نصرت و مدد کا معاہدہ تھا، اس بنا پر قریش کو غیرت دلاتے ہیں کہ تم بنو نضیر کی جس وقت کہ مسلمان ان کے باغ جلا رہے تھے کچھ مدد نہ کرسکے یہ شعر مکہ پہنچا تو ابو سفیان بن حارث نے جواب دیا،

ادام اللہ ذالک من صنیع　　وحرق فی نواحیھا السعیر

ستعلم اینا منھا بنزہ　　وتعلم ای ارضینا نضیر

یعنی خدا تم کو ہمیشہ اسی کی توفیق دے، یہاں تک کہ آس پاس کے شعلوں سے خود مدینہ خاکستر ہو جائے اور ہم دور سے بیٹھے بیٹھے تماشا دیکھیں،

ؓ میں غزوہ مریسیع سے واپسی کے وقت منافقین نے حضرت عائشہ رضؓ پر اتہام لگایا، عبداللہ بن ابی ان سب میں پیش پیش تھا، مسلمانوں میں بھی چند آدمی اس کے فریب میں آگئے، جن میں حسان، مسطح بن اثاثہ، اور حمنہ بنت جحش بھی شامل تھیں، جب حضرت عائشہؓ کی برأت میں آیتیں اتریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتہام لگانے والوں پر عفیفہ عورتوں پر تہمت لگانے کی قرآن کی مقرر کردہ حد جاری کی،[۳]

گو حضرت حسان رضؓ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں میں تھے، لیکن اس کے باوجود جب اُن کے سامنے حسانؓ کو کوئی بُرا کہتا تو منع کرتیں اور فرماتیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار کو جواب دیا کرتے تھے، اور آپ کی مدافعت کرتے تھے،[۴]

ایک مرتبہ حضرت حسان رضؓ، حضرت عائشہ رضؓ کو شعر سنا رہے تھے کہ مسروق بھی آگئے

---

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۵ [۲] ایضاً [۳] اسد الغابہ ج ۲ ص ۵ [۴] بخاری ج ۲ ص ۵۹۰،

اور کہا آپ ان کو کیوں آنے دیتی ہیں، حالانکہ خدا نے فرمایا ہے کہ افک میں جس نے زیادہ حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے، فرمایا یہ اندھے ہو گئے، اس سے زیادہ اور کیا عذاب ہوگا، پھر فرمایا بات یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مشرکین کی ہجو کرتے تھے[۱]

سنہ ۹ھ میں بنو تمیم کا وفد آیا، جس میں زبرقان بن بدر نے اپنی قوم کی فضیلت میں چند اشعار پڑھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان کو حکم دیا کہ تم اٹھ کے اس کا جواب دو، انھوں نے اسی ردیف وقافیہ میں[۲] برجستہ جواب دیا،

ان الذوائب من فهر واخوتهم — قد بينوا سنة للناس تتبع

يرضى بها كل من كانت سريرته — تقوى الاله وبالامر الذى شرعوا

قوم اذا حاربوا ضروا عدوهم — او حاولوا النفع فى اشياعهم نفعوا

سجية تلك منهم غير محدثة — ان الخلائق فاعلم شرها البدع

لو كان فى الناس سباقون بعدهم — فكل سبق لادنى سبقهم تبع

لا يرفع الناس ما اوهت اكفهم — عند الدفاع ولا يوهون ما رقعوا

ولا يضنون عن جار بفضلهم — ولا يمسهم فى مطمع طبع

اعفة ذكرت للناس عفتهم — لا يبخلون ولا يرديهم طمع

خذ منهم ما اتوا عفوا اذا عطفوا — ولا يكن همك الامر الذى منعوا

فان فى حربهم فاترك عداوتهم — شرا يخاض عليه الصاب والسلع

اكرم بقوم رسول الله شيعتهم — اذا تفرقت الاهواء والشيع

سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا، مسلمانوں کے لئے اس سے

---

[۱] صحیح بخاری ص۵۹۵ ج ۲ [۲] استیعاب ص۱۳۱ ج ۱

بڑھ کے کوئی غم نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ حضرت حسان رضؓ نے کئی پر درد مرثیے لکھے جو ابن سعد نے طبقات میں نقل کئے ہیں ہم ان کے صرف مطلعوں پر اکتفا کرتے ہیں، پہلے مرثیہ کا مطلع ہے،

الیت حلفۃ بر غیر ذی دخل | منی الیۃ غیر افناد،
باللہ ما حملت انثیٰ ولا وضعت | مثل النبی نبی الرحمۃ الہادی

آگے چل کر لکھتے ہیں،

امسی نساءک عطلن البیوت فما | یضربن خلف قفا ستر باوتاد
مثل الرواھب یلبسن المسوح وقد | ایقن بالبؤس بعد النعمۃ البادی

دوسرے مرثیے میں جس کا مطلع

ما بال عینک لا تنام کانما | کحلت ماقیھا بکحل الارمد

ہے اپنی مصیبت اور رنج و غم کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں،

جنبی یقیک الترب لھفی لیتنی | کنت المغیب فی الضریح الملحد

پھر کہتے ہیں،

اقیم بعدک بالمدینۃ بینھم | یا لھف نفسی لیتنی لم اولد

تیسرا مرثیہ اس مطلع سے شروع ہوتا ہے،

یا عین جودی بدمع منک اسبال | ولا تملن من سح و اعوال

چوتھے مرثیے کا پہلا شعر ہے،

نب المساکین ان الخیر فارقھم | مع الرسول تولی عنھم سحرا

ﻠﮧ طبقات ابن سعد ص ۹۰ و ۹۱ و ۹۲ ج ۲ قسم ۲،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عرصہ تک زندہ رہے،

وفات | امیر معاویہؓ کے زمانہ میں وفات پائی ۱۲۰ برس کا سن تھا، بعض لوگوں نے لکھا ہے، کہ ۴۰ھ سے پیشتر انتقال کیا، لیکن یہ صحیح نہیں،

اہل وعیال | بیوی کا نام سیرین تھا جو ماریہ قبطیہ حرم رسول اللہ کی ہمشیر تھیں، ان سے عبدالرحمن نام ایک لڑکا پیدا ہوا، اس بنا پر عبدالرحمن اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی خالہ زاد بھائی تھے[1]

مکان | جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ان کا آبائی مسکن، فارع کا قلعہ تھا، لیکن جب ابو طلحہؓ نے بیرحا کو صدقہ کر کے اپنے اعزہ پر تقسیم کر دیا، اور ان کے حصہ میں بھی ایک باغ آیا تو یہاں سکونت اختیار کر لی، یہ مقام بقیع سے قریب تھا، امیر معاویہ نے ان سے خرید کر کے اس جگہ ایک قصر بنوایا تھا جو قصر بنی حدیلہ کے نام سے مشہور تھا،

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو یہ زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صلہ میں دی تھی کہ انھوں نے صفوان بن معطل کا وار برداشت کیا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اول تو وہ کبھی میدان جنگ میں شریک نہیں ہوئے، دوسرے خود اس روایت کی سند مشتبہ ہے ہم نے جو کچھ لکھا ہے، اس کی تائید صحیح بخاری سے ہوتی ہے،

فضل وکمال | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، راویوں میں حضرت براء بن عازبؓ، سعید بن مسیبؓ، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، عروہ بن زبیر، ابوالحسن مولی بنو نوفل خارجہ بن زید بن ثابت، یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب اور دیگر حضرات ہیں،

شاعری | حضرت حسانؓ کی سیرت میں شاعری ایک مستقل عنوان ہے، شعر وسخن، عرب کا

[1] اسد الغابہ ص ۶ ج ۲ ۔ ۲ کتاب مذکور ص ۲۵۳

عراق تھا، اور چند قبائل خصوصیت کے ساتھ شاعروں کے معدن تھے، مثلاً قیس، ربیعہ، تمیم، مضر، یمن، موخر الذکر قبیلہ میں اوس و خزرج کا شمار تھا جن سے حضرت حسانؓ کا آبائی سلسلہ نسب ملتا ہے،

ان قبائل میں بھی چند مخصوص خاندان تھے، جن کے ہاں شاعری ابا عن جد وراثت کے طور پر چلی آتی تھی، حضرت حسانؓ بھی ان ہی میں سے تھے، ان کے باپ، دادا، اور وہ خود اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن اور پوتے سعید بن عبدالرحمٰن، سب شاعر گذرے ہیں،[1]

شعراء کے چار طبقے ہیں، جاہلی قدیم (اسلام سے قبل)، مخضرم (جنھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا)، اسلامی اور محدث، حضرت حسانؓ دوسرے طبقہ میں ہیں یعنی انھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں کو دیکھا ہے،[2]

ان شاعروں میں کچھ لوگ "اصحاب مذہبات" کے نام سے مشہور ہیں، مذہبات ذہب سے مشتق ہے، جس کے معنی سونا ہیں، چونکہ بعض شاعروں کے منتخب اشعار، سونے کے پانی سے لکھے گئے تھے، اس لیے مذہبہ کہلاتے ہیں، بعد میں ہر شاعر کے سب سے بہتر شعر کو مذہبہ کہا جانے لگا، حضرت حسانؓ کے مذہبہ کا مطلع یہ ہے،[3]

لعمر ابیک الخیر حقا لما نبا علی لسانی فی الخطوب ولا یدی

حضرت حسانؓ شاعری کے لحاظ سے جاہلیت کے بہترین شاعر تھے، اصمعی کہتا ہے :-

شعر حسان فی الجاھلیۃ من اجود الشعر،[4]

ایک مرتبہ کعب بن زہیر نے فخریہ کہا :-

فمن للقوافی شانھا من یحوکھا اذا ما مضی کعب وفوز جرول

[1] کتاب العمدہ ابن رشیق قیروانی ص ۲۲۵، ج ۲، [2] ایضاً ص ۱۲ ج ۱، [3] ایضاً ص ۶۱ ج ۱، [4] دیوان حضرت حسانؓ ص ۲۸

تومرزو (برادر شماخ، شاعر مشہور) نے فوراً ٹوکا کہ[1]

فلست لحسان الحسام بن ثابت

آبادی کے لحاظ سے عرب کے باشندے دو حصوں پر منقسم ہیں، اہل وبر (دیہات والے) اور اہل مدر (شہر والے) اہل مدر میں مکہ، مدینہ، طائف کے باشندے شامل تھے، باقی تمام ملک قصبات اور دیہات سے بھرا پڑا تھا، شعراء عموماً انہی دیہاتوں کے باشندے تھے، لیکن چند شاعر شہروں میں بھی پیدا ہوئے ان سب میں حضرت حسانؓ کو بالاجماع فوقیت حاصل ہے[2]

خصوصیات شاعری | شعر کے اگرچہ مختلف اصناف اور قسمیں ہیں، لیکن ان میں اصولی حیثیت صرف چار کو حاصل ہے رغبت، رہبت، طرب، غضب، چنانچہ رغبت میں مدح شکر رہبت میں معذرت، طلب رافت طرب میں شوق، تغزل اور غضب میں ہجو اور عتاب و خشم داخل ہیں[3] حضرت حسانؓ کا کلام ان میں سے ہر رنگ میں موجود ہے، اگرچہ ہجو کا رنگ ان سب سے زیادہ تیز و تند ہے،

خصوصیات شاعری حسب ذیل ہیں،

۱۔ جدت استعارات، اگرچہ عربوں کی شاعری تمدن کی پروردہ نہیں تھی، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تمدن سے متاثر ضرور تھی، تمدن عرب کی حقیقی صبح صادق، قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے طلوع ہوئی، قرآن مجید فصاحت و بلاغت کا سب سے بڑا معجزہ ہے، اس نے بڑے بڑے زبان آوروں کو اپنے سامنے خاموش کر دیا تھا، اس بنا پر جو شاعر مذہب اسلام میں داخل ہوتے ان میں فصاحت و بلاغت کی ایک نئی روح پیدا ہوئی، حضرت حسانؓ ان میں سب سے زیادہ تھے

حاشیہ صفحہ گذشتہ، [5] طبقات الشعراء ابن قتیبہ ص ۱۷۰ [1] ایضاً ص ۱۹ [2] کتاب العمدہ ص ۲ و اسد الغابہ ص ۷ ج ۲ [3] کتاب العمدہ ص ۷۰، ۱۱۵

قرآن مجید میں صحابہ کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود حسان اسکو استعارہ بنا کر حضرت عثمانؓ کے قاتلین کا ذکر کرتے ہیں،

ضحوا باشمط عنوان السجود بہ ۔۔۔ یقطع اللیل تسبیحا و قرآنا[1]

لوگوں نے اس کھچڑی بالوں والے کی قربانی کر دی جسکی پیشانی میں سجدہ کا نشان تھا اور تمام رات تسبیح و قرآن خوانی گذارتا تھا
دیکھو اس شعر میں چہرہ کو "عنوان السجود بہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو بالکل جدید استعارہ ہے۔

۲- اشارہ کی لطافت، اشارہ کی ایک قسم تتبیع یا تجاوز ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ شاعر کسی چیز کا ذکر کرنا چاہتا ہے لیکن پھر اس سے عمداً گریز کرتا ہے، اور ایک ایسی صفت بیان کرتا ہے جس میں وہ چیز بھی صاف طور پر جھلکتی نظر آتی ہے،

عرب میں سینکڑوں قبیلے صحراؤں اور بیابانوں میں اقامت گزیں تھے، جو ہمیشہ خانہ بدوش پھرا کرتے تھے، جہاں کہیں پانی مل جاتا طرح اقامت ڈال دیتے اور جب ختم ہو جاتا تو کسی اور طرف رُخ کر دیتے، شاعروں نے اس مضمون کو مختلف طور سے باندھا ہے لیکن حضرت حسان نے جس طرز سے ادا کیا ہے، وہ بالکل اچھوتا اور نہایت لطیف ہے

اولاد جفنۃ حول قبر ابیھم ۔۔۔ قبر ابن ماریۃ الکریم المفضل

جفنہ کی اولاد اپنے باپ ابن ماریہ کی قبر کے گرد رہتی ہے جو نہایت سخی اور فیاض تھا

ممدوح چونکہ عرب کی نسل تھا، اس بنا پر اس کی تعریف کے ساتھ ایک بلیغ اشارہ کر دیا کہ یہ لوگ خانہ بدوش نہیں بلکہ بادشاہ ہیں اور بے خوف و خطر اپنے باپ کی قبر کے ارد گرد رہتے ہیں، ان کا مقام سکونت نہایت سرسبز و شاداب ہے، اس بنا پر ان کو مارے مارے پھرنے کی ضرورت نہیں ہوتی،

[1] کتاب العمدہ ص۱۹۶ ج۱،

۳- کنایہ کی بداعت، عرب شاعر بعض صفات کو کنایا ور تعریض کی شکل میں پیش کرتا ہے مثلاً اگر یہ کہنا ہو کہ ممدوح نہایت ذی رُتبہ اور فیاض ہے تو وہ کہے گا " المجد بین ثوبیہ والکرم فی بردیہ؛ یعنی یہ اوصاف اس کے کپڑوں کے اندر ہیں، حضرت حسانؓ اس کو بالکل نئے انداز سے ادا کرتے ہیں،

بنی المجد بیتا فاستقرت عمادہ علینا فاعی الناس ان یتحولا

مقصود یہ ہے کہ ہم نہایت بلند رتبہ ہیں، اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مجد و بزرگی نے ہمارے ہاں ایک گھر بنایا ہے اور اس کے ستون اس قدر مضبوط گاڑے ہیں کہ لوگ ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے، اس میں مجد کا ایک گھر بنانا، پھر اس کے ستون اپنے یہاں قائم کرنا، اور لوگوں کا ان کو نہ ہٹا سکنا، یہ بالکل جدید انداز بیان ہے،

۴- **وزن کی خوبی**، اس کا مدعا یہ ہے کہ وزن کے لحاظ سے ہلکا ہو، ذیل کے اشعار کس درجہ سبک اور ڈھلے ہوئے نکلے ہیں[1]،

ماھاج حسان رسوم المقام ومظعن الحی ومبنی الخیام

والنوئی قد ھدم اعضادہ تقادم العھد بواد تھام

قد ادرکت الوشون ما املوا والحبل من شعثاء رث الرمام

کان فاھا ثغب بارد فی رصف تحت ظلال الغمام

۵- **قافیہ کی خوبی** اس میں الفاظ کی نشست، جملوں کی ترکیب اور کلام کی سلاست و روانی کے ساتھ ساتھ یہ صنعت ہوتی ہے کہ بیت اوّل کے پہلے مصرع کا مقطع قصیدہ کا قافیہ بن سکتا ہے،

---

[1] نقد الشعر قدامہ ابن جعفر ص۸،

اس میدان کا مرد صرف امرار القیس ہے، تاہم اور شاعروں نے بھی کوشش کی ہے،
حضرت حسانؓ نے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے،

الم تسال الربع الجدید التکلما   بمدفع اشداخ فبرقة اظلما

اس کے بعد کا یہ شعر ہے،

ابی رسم دار الحی ان یتکلما   انیطق بالمعروف من کان ابکما[1]

۶۔ الفاظ کا حاوی اور جامع ہونا، اس کے معنی ہیں کہ شاعر ایک مفہوم کو ادا کرتا ہے، جس میں وہ تمام چیزیں بیان کر دیتا ہے، جس میں اس مفہوم کے پورے طور پر ادا ہونے کو دخل ہے، مثلاً یہ شعر،

لم تفتها شمس النهار بشئ   غیر ان الشباب لیس یدوم[2]

۷۔ قلت مبالغہ حضرت حسانؓ کی عہد اسلام کی شاعری مبالغہ سے بالکل خالی ہے، ظاہر ہے کہ جو شعر مبالغہ سے خالی ہوا، وہ بالکل پھیکا اور بے مزہ ہوگا، وہ خود کہتے ہیں کہ اسلام جھوٹ سے منع کرتا ہے اس بنا پر میں نے افراط کو کہ جھوٹ کی ایک قسم ہے بالکل چھوڑ دیا ہے،[3]

جاہلیت کی شاعری میں بھی مبالغہ کا کم عنصر شامل تھا، نابغہ نے ان کے حسب ذیل شعر،[4]

لنا الجفنات الغر یلمعن بالضحیٰ   و اسیافنا یقطرن من نجدة دما

میں اسی نقطۂ خیال سے نکتہ چینی کی ہے، اس کے نزدیک "غر" کے بجائے "بیض"، "ضحی" کے جگہ "دجی" اور "یقطرن" کے مقام پر "یجرین" کہنا چاہئے تھا،

لیکن دراصل یہ خیال صحیح نہیں، کیونکہ حضرت حسانؓ کو شعر میں پیالوں کی سفیدی

---

[1] نقد الشعر از قدامہ بن جعفر ص۳۱ [2] ایضاً ص۵ [3] اسد الغابہ ص۶ ج۲ [4] نقد الشعر ص۱۹

بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ صرف شہرت اور نباہت کا اظہار مد نظر ہے اور غرسے مشہور چیز کا نام لینا تمام عرب میں عام تھا، مثلاً یوم اغر، اور یدغرار وغیرہ،

اسی طرح "ضحی" کے بجائے "وحی" صحیح نہیں، کیونکہ دن میں وہی چیزیں زیادہ چمکتی ہیں جن کی روشنی نہایت تیز اور شدید ہو اور رات کو ہر چھوٹی اور دھندلی چیز نمایاں ہوجاتی ہے مثلاً ستارے کہ دن کو بھی موجود رہتے ہیں لیکن ان کی روشنی آفتاب کی وجہ سے ماند رہتی ہے، یا چراغ تاریکی میں درندوں کی آنکھیں تک چمک اٹھتی ہیں، اور ایک قسم کی مکھی جس کو عربی میں یراع اور فارسی میں کرمچہ کہتے ہیں بالکل آگ کا شعلہ معلوم ہوتی ہے،

اسی طرح یقطرن کے بجائے یجرین، محاورۂ عرب کے خلاف ہے، عرب میں جب کسی بہادر اور جانباز کی تعریف کی جاتی ہے تو کہتے ہیں "سیفہ یقطر دما" یہ کوئی نہیں کہتا کہ سیفہ یجری دما

دفاعی نظمیں | حضرت حسانؓ کی اسلامی شاعری کا موضوع مدافعت عن الدین یا ہجو کفار تھے انھوں نے بہت سے کفار کی ہجو لکھی ہے لیکن اس کے باوجود فحاشی سے ان کا کلام بالکل پاک ہے، عربوں کے نزدیک ہجو کی غرض محض اپنے قبیلہ کی مدافعت ہوتی تھی، اس بنا پر وہ اپنے اشعار میں صحیح صحیح واقعات نہایت موزوں اور مناسب پیرایہ میں نظم کرتے تھے، چنانچہ زہیر نے تجاہل کے طور پر یہ اشعار لکھے ہیں[1]

وما ادری وسوف اخال ادری ... اقوم آل حصن ام نساء

مجھے معلوم نہیں، اور عنقریب معلوم ہوجائیگا، کہ آل حصن مرد ہیں یا عورت؟

فان تکن النساء مخبأت ... فحق لکل محصنة هداء

اگر عورتیں ہیں، تو ان کو ہدیہ کرنا چاہئے،

---

[1] کتاب العمدہ ص۱۳۹ ج ۲

لوگوں کو نہایت گراں گذرا کہ عرب میں یہ سب سے سخت ہجو لکھی گئی تھی،

حضرت حسانؓ کی ہجو سب وشتم پر مشتمل نہ تھی، بلکہ مدافعت تھی، اور وہ بھی بطریق احسن و بہ پیرایۂ مناسب، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں[۵]

کان حسان وکعب یعارضانھم	یعنی حسان اور کعب مشرکین کی رجمیہ اور
مثل قولھم فی الوقائع والایام والمآثر	فخریہ نظموں کا جواب دیتے تھے، اور ان کے
ویذکرون مثالبھم	مثالب کا تذکرہ کرتے تھے،

حضرت حسانؓ کی ہجو گوئی کی شان نزول یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں ابوسفیان بن حارث ابن عبدالمطلب، عبداللہ بن زبعری، عمرو بن عاص، ضرار بن خطاب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے تھے، لوگوں نے جناب امیر علیہ السلام سے درخواست کی کہ ان کے جواب میں آپ ہجو لکھیں، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو تو میں آمادہ ہوں، آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا "علی اس کام کے لیے موزوں نہیں" اس کو انصار کریں گے" جنھوں نے میری تلوار سے مدد کی ہے" حسان نے زبان پکڑ کر کہا میں یہ کام بخوشی قبول کرتا ہوں،

ارشاد ہوا کہ قریش کی ہجو کس طرح کروگے حالانکہ میں بھی انھیں میں سے ہوں عرض کی

لاسلنک منھم کما تسل الشعرۃ	میں آپ کو اس طرح نکالوں کا جیسے
من العجین،	آٹے سے بال نکالا جائے،

فرمایا تو تم نسب ناموں میں ابوبکرؓ سے مدد لینا، ان کو قریش کے نسب میں اچھی واقفیت ہے[۲]

حضرت حسانؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جاتے، اور ان سے دریافت کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ بتلاتے کہ فلاں فلاں عورتوں کو چھوڑ دینا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دادیاں ہیں[۳]

[۵] اسد الغابہ ج ۲ ص ۵، [۲] صحیح بخاری ص ۹۰۹ ج ۲ [۳] اسد الغابہ ص ۴ ج ۲،

باقی فلاں فلاں عورتوں کا تذکرہ کرنا، ابوسفیان بن حارث کی ہجو میں یہ اشعار لکھے

وان سنام المجد من آل ہاشم ۔۔۔ بنو بنت مخزوم ووالدک العبد

ومن ولدت ابناء زہرۃ منہم ۔۔۔ کرام ولم یقرب عجائزک المجد

ولست کعباس ولا کابن امہ ۔۔۔ ولکن لئیم لا یقام لہ زند

وان امرأ کانت سمیۃ امہ ۔۔۔ وسمراء مغموز اذا بلغ الجہد

وانت ہجین نیط فی آل ہاشم ۔۔۔ کما نیط خلف الراکب القدح الفرد

تو بولا کہ ان شعروں میں ابوبکرؓ کا حصہ ضرور ہے، اس میں انھوں نے حضرت عبداللہ و عاتکہ، زبیر، حضرت حمزہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت عباسؓ اور ضرار بن عبدالمطلب کو مستثنیٰ کرکے ابوسفیان کی ماں سمیہ اور اس کے باپ حارث کی ماں سمراء پر طنز کیا ہے،[۱]

اسی ابوسفیان کی ہجو میں کہتے ہیں،

ہجوت محمدا فاجبت عنہ ۔۔۔ وعند اللہ فی ذاک الجزاء

ہجوت مطہرا برا حنیفا ۔۔۔ امین اللہ شیمتہ الوفاء

اتہجوہ ولست لہ بند ۔۔۔ فشرکما لخیرکما الفداء

فان ابی ووالدہ وعرضی ۔۔۔ لعرض محمد منکم وقاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مدافعت سے نہایت خوش ہوتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا

حسان اجب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہم ایدہ بروح القدس[۲] ۔۔۔ اے حسان میری طرف سے جواب دے خداوندا روح القدس کے ذریعہ اس کی تائید کر،

ایک مرتبہ ارشاد ہوا،

۱؎ اسد الغابہ ص۵ ج۲ ۲؎ صحیح بخاری ص۹۱۰ ج۲،

اهجهم وجبریل معک[1] یعنی تو مشرکین کی ہجو کر جبریل تیرے ساتھ ہے

مشرکین پران شعروں کا جو اثر پڑتا تھا، اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے،

ان قوله فیهم اشد من وقع النبل[2] حسان کا شعر ان میں تیر ونشتر کا کام کرتا ہے

اب ہم ہجو کے چیدہ اشعار لکھتے ہیں،

اتهجوه ولست له بکفو فشرکما لخیرکما الفداء

تو اس ہجو کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفو نہیں، ان کی ہجو کرتا ہے پس تم میں کا برا اچھے پر قربان

اس شعر کا اخیر مصرعہ اس قدر مقبول ہوا کہ ضرب المثل کے طور پر مستعمل ہوتا ہے،

واشهد ان الک من قریش کال السقب من ولد النعام

میں جانتا ہوں کہ تیری قرابت قریش سے ہے، لیکن اس طرح جیسے اونٹ کے بچہ کی شترمرغ کے بچہ سے ہوتی ہے

ابن مفرغ نے انہی کا پہلا مصرع اڑا کر امیر معاویہ کی ہجو لکھی تھی،

واشهد ان الک من زیاد[3]

وامک سوداء مودونة کان انا ملها الحنظب[4]

تیری ماں کالی حبشن ہے اور بے انتہا پستہ قد ہے اور پور گویا خنظب (ایک چھوٹا جانور ہے) ہیں

مدح | مدح اچھی لکھتے تھے آل غسان کی تعریف میں جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں،

یسقون من ورد البریص علیهم بردی یصفق بالرحیق السلسل

جو ان کے پاس جاتا ہے وہ اسکو بردی (نہر کا نام ہے) کا پانی، صاف شراب میں ملا کر پلاتے ہیں،

---

[1] صحیح بخاری ۱/ ۲[2] استیعاب ج ۱، [3] طبقات الشعراء [4] دیوان حسان

مصعب بن زبیر کی مدح میں ابن قیس نے ایک شعر اسی کے قریب کہا ہے، لیکن جو مضمون اس میں ادا ہوا ہے، اُس میں نہیں ادا ہوا[1]

اسی طرح یہ شعر،

یغشون حتی ما تھر کلا بھم   لا یسئلون عن السواد المقبل

اس بات میں اختلاف ہے کہ مدح کا سب سے بہتر شعر کون ہے [2] ۳ شاعروں کے یہ شعر اُس باب میں سب سے بہتر ہیں لیکن ان میں بھی ترجیح کس کو ہے، یہ امر نا قابل انفصال ہے حطیہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے شعر کو ترجیح دیتا ہے، اور لوگ ابو الطمحان اور نابغہ کے شعروں کو بہتر بتاتے ہیں[2]، عبد الملک بن مروان کہ اہل زبان اور زبان کا حاکم تھا، اسکا فیصلہ یہ ہے کہ

ان امدح بیت قالتہ العرب   عرب نے جتنے مدح میں اشعار لکھے ان میں

بیت حسان ھذا[3]   سب سے بہتر حسان کا شعر ہے،

اگر مضمون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو واقعی عجیب جدت کی ہے، شاہان غسان کے جود و سخا کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے یہاں مہمانوں کی اتنی کثرت رہتی ہے کہ کتے تک مانوس ہو گئے ہیں، اور ان کو دیکھ کر نہیں بھونکتے،

یہ جاہلیت کے اشعار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جو شعر لکھے ہیں اب ان کو بھی سننا چاہئے،

متی یبدُ فی الدجیٰ البھیم جبینہ   یلح مثل مصباح الدجیٰ المتوقد

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی اندھیری رات میں نظر آتی ہو تو اسکی چمک نہایت روشن چراغ کی طرح ہوتی ہے،

---

[1] کتاب العمدہ ص۱۰ ج ۲ [2] ایضاً ص۱۰ ج ۲ [3] استیعاب ص۱۳۱ ج ۱

فمن کان او من قد یکون کاحمد — نظام لحق او نکال لملحد

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل کہ حق کا نظام اور ملحد کو عذاب ہیں، کون پیدا ہوا اور کون آئندہ ہو سکتا ہے

حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا تو فرمایا کہ آپ ایسے ہی تھے، جیساکہ حسانؓ نے کہا ہے[۱]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں منبر رکھوا دیتے تھے، حضرت حسانؓ اس پر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے اور آپ نہایت مسرور ہوتے تھے[۲]،

جب بنو تمیم کا وفد آیا اور حسانؓ نے قریش کی مدح میں شعر پڑھے، تو سب کے سب بول اٹھے کہ محمدؐ کا خطیب ہمارے خطیب سے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بہتر ہے[۳]،

حصان رزان ما تزن بریبۃ — وتصبح غرثی من لحوم الغوافل

حضرت عائشہ کی مدح میں ہے، ان کو سنایا تو بولیں کہ خیر میں تو ایسی ہوں لیکن تم ایسے نہیں[۴]،

افتخار حسب ذیل اشعار فخریہ ہیں،

اھدی لھم مدحا قلب موازرہ — فیما احب لسان حائک صنع[۵]

میں ممدوح کی ایسی مدح کرتا ہوں جس میں قلب کی اعانت شامل ہوتی ہے اور جسکو شعر کی درست کرنے والی اور ماہر زبان پسند کرتی ہے،

اس میں انھوں نے زبان کو صنعت کلام کا ماہر قرار دیا ہے،

الیلت اوضاعا ذب الشعر بعدما — تمقل فی روض المعانی العجائب

ممدوح کے پاس وہ شعر بھیجے ہیں جو نہایت بعید المعنی ہیں اور جو معانی کے گلشن میں قیام کر چکے ہیں،

۱؎ اسد الغابہ ص ۴ ج ۲ ۲؎ ایضاً ۳؎ استیعاب ص ۱۳۱، ج ۱، ۴؎ صحیح بخاری ص ۵۹۶ ج ۲ ۵؎ دلائل الاعجاز ص ۳۹۵،

غرائب لاقت فی فنائک انسها　　　　من المجد فهی الآن غیر غرائب

جو نوادر تھے، تمھارے ہاں عزت سے ایسے مانوس ہوئے کہ اب اجنبی نہیں رہے ہیں،

مقصد یہ ہے کہ میرے اشعار نہایت بلند معنی رکھتے ہیں، اوران کو اکابر شعراء کے علاوہ دوسرا شخص نہیں باندھ سکتا ہے، یہ ممدوح کی قدر دانی ہے، جو اس کی مدح میں شعر نکلتے ہیں، ورنہ وہ تو گلستان معانی میں مقیم ہو گئے ہیں، کیونکہ کسی کو اپنا اہل نہیں پاتے

وقافیة مثل السنان رزئتها　　　　تناولت من جو السماء نزولها

اور ایک قافیہ جو تیر کی طرح ہے، کیا خوب ہی میں آسمان سے اس کو اڑا لایا ہوں[۱]،

مرثیہ | حضرت حسانؓ نے مرثیے لکھے ہیں، جن میں کا ہر ہر شعر یکسر سوز و گداز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرثیے ہم اوپر نقل کر چکے ہیں، یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں

اخلاقی نظمیں | ایک تجربہ کار شاعر، ایک سن رسیدہ بزرگ اور سب سے بڑھ کر ایک مقدس صحابی ہونے کی حیثیت سے، حضرت حسانؓ کا موضوع شاعری، وعظ و پند، اور اعلیٰ اخلاق کی طرف قوم کو رغبت دلانا ہے، چنانچہ ادب کے متعلق فرماتے ہیں[۲]،

اصون عرضی بمالی لا ادنسه　　　　لا بارک اللہ بعد العرض فی المال

میں اپنی آبرو مال کے ذریعہ سے بچاتا ہوں　　　　جس مال سے آبرو نہ حاصل ہو وہ اچھا نہیں

احتال للمال ان اودی فاکسبه　　　　ولست للعرض ان اودی بمحتال

مال اگر نہ رہے تو پھر حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن آبرو بار بار حاصل نہیں ہو سکتی،

نرم و گرم ہونے کے متعلق کہتے ہیں،

وانی لحلو تعترینی مرارة　　　　وانی لتراک لما لم اعود[۳]

---

[۱] طبقات الشعر والشعراء ص ۱۷۱ [۲] حماسہ ابوتمام ص ۵۰۸ و ۵۰۹ ج ۲ [۳] حماسہ بحتری ص ۱۱۲،

میں شیریں ہوں لیکن مجھے تلخی بھی آجاتی ہے، اور میں جس چیز کا عادی نہیں اسکو چھوڑ دیتا ہوں،

ظلم کا انجام برا ہوتا ہے،

ندع السوال عن الامور بحثها ولرب حافر حفرة هو یصرع[۱]

ہم کسی بات کی کھود کرید میں نہیں پڑتے کیونکہ گڑھا کھودنے والا بسا اوقات اُسی میں پچھاڑا جاتا ہے

آدمی کو ہمیشہ ایک ساں رہنا چاہیئے، امیر ہوکر آپے سے باہر اور غریب ہوکر غمگین نہ ہونا چاہیے

فلا المال ینسینی حیائی وحفظتی ولا وقعات الدهر یغللن مبرد[۲]

مال ہوتا ہی تو حیا اور حفاظت کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور مصیبت آتی ہی تو آرام میں خلل نہیں ڈالتا

اپنی موت بلانا،

فلا تك كالشاة التى كان حتفها بحفر ذراعيها تثير وتحفر[۳]

تم اس بکری کی طرح ہو جاؤ، جس نے اپنے کھر سے زمین کھود کر موت بلالی تھی۔

بڑے لوگوں کے کینوں اور بغض کی حالت،

وقوم من البغضاء زور كانما باجوافهم مما تجن لنا الجمر[۴]

بہت سے آدمیوں کے پیٹ میں انگارے بھرے رہتے ہیں۔

یجیش بما فیها لنا الغلی مثل ما تجیش بما فیها من الصیف لقدر

ان کے اندر کینے اس طرح جوش مارتے ہیں جس طرح انگارے پر دیگ کا کھانا،

تصد اذا ماواجهتنی خدودهم لدی محفل حتی کانهم صعر

تم جب محفلوں میں ان کے متکبر نہ چہرے دیکھتے ہو تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہو،

بات کا پورا کرنا،

[۱] حماسہ بحتری ص ۱۱۳ [۲] ایضاً ص ۱۱۹ [۳] ایضاً ص ۱۷۱ [۴] ایضاً ص ۲۵،

وانی اذا ما قلت قولاً فعلته　　　　واعرض عما لیس قلبی بفاعل[1]

میں جب کوئی بات کہتا ہوں تو کر گذرتا ہوں اور جس کام کو دل نہیں چاہتا ہے اس سے اعراض کرتا ہوں،

ومن مکرہی ان شئت الا اقولہ　　　　ومنع خلیل منہ غیر طائل

اگر میں نہ کہوں تو کوئی زبردستی کرنے والا نہیں، اور دوست کا کسی بات سے روکنا بیکار نہیں ہوتا،

عذر اور خیانت کی برائی،

یا جار من یغدر بذمۃ جارہٖ　　　　منکم فان محمدا لم یغدر[2]

اے پڑوسی! تم میں جو ہمسایہ سے دھوکا کرتا ہے سن لے کہ محمدؐ دھوکا نہیں کرتے،

ان تغدروا فالغدر منکم شیمۃ　　　　والغدر ینبت فی اصول السنجبر

تم اگر دھوکا کرتے ہو تو وہ تمھارا شیوہ ہے، دھوکا سنجر کی جڑوں سے نکلتا ہے،

وامانۃ المری حیث لقیتہ　　　　مثل الزجاجۃ صدعھا لم یجبر

مری کی امانت تم جہاں پاؤ اس شیشے کی طرح ہوگی جس کا شگاف درست نہیں ہو سکتا،

بری باتوں سے درگذر،

اعرض عن العوراء حیث سمعتہا　　　　واصفح کانک غافل لا تسمع[3]

بری بات سن کر اعراض کیا کرو اس طرح کہ تم نے اسکو سنا ہی نہیں،

ذلت کی زندگی بسر کرنا،

کرھوا الموت فاستبیح حماھم　　　　واقاموا فعل اللئیم الذلیل[4]

اُنھوں نے موت کو ناپسند کیا، اس بنا پر ان کی آبروریزی ہوئی،

امن الموت تھربون فان الموت　　　　موت الھزل لی غیر جمیل

---

[1] حماسہ بحتری ص۲۳۳ [2] ایضاً ص۳۱ [3] ایضاً ص۱۷۲ [4] ایضاً ص۲۶،

اگر تم موت سے بھاگتے ہو؟ تو کمزوری کی موت اچھی نہیں ہوتی،

متفرق چیدہ کلام | حضرت حسانؓ کے متفرق چیدہ اشعار حسب ذیل ہیں،

قوم اذا حاربوا ضروا عدوھم ۔۔۔ او حاولوا النفع فی اشیاعھم نفعوا

سجیۃ تلک منھم غیر محدثۃ ۔۔۔ ان الخلائق فاعلم شرھا البدع

علم معانی میں بدیع کی ایک قسم نہایت لطیف ہے جو بالکل وجدانی ہے وہ یہ کہ کلام کے تمام اجزا متحد اور ایک دوسرے میں داخل ہوں، ہر لفظ کا ربط نہایت شدید ہو، یہانتک کہ پورا جملہ موتی کی ایک لڑی معلوم ہو، مذکورۂ بالا شعر اسی صفت کا ہے اور اس میں تقسیم نے اور بھی لطف زیادہ کر دیا ہے[1]،

وان سنام المجد من آل ھاشم ۔۔۔ بنو بنت مخزوم ووالدک العبد

مقصود یہ ہے کہ جس کی ہجو کی ہے اسکو غلام ثابت کریں، اور یہ بیان کریں کہ اس کا غلام ہونا سب پر روشن ہے، اس کو "العبد" کے الف لام نے ظاہر کر دیا ہے، اگر والدک عبد کہتے تو صرف خبر معلوم ہوتی، غلامی کا آشکارا و ہویدا ہونا سمجھ میں نہ آسکتا[2]،

اھوی حب بیت البند مات فی فلق الصبح وصوت المغنی والعزد

یہ شعر اس درجہ موثر ہے کہ بعض اہل مدینہ کا بیان ہے کہ میں جب پڑھتا ہوں، جذبات شجاعت برانگیختہ ہو جاتے ہیں[3]،

دیوان | حضرت حسانؓ کے اشعار، عرصہ تک لوگوں کی زبانوں اور سینوں میں محفوظ رہے لیکن بعد میں زینت وہ سفینہ بھی ہو گئے، ابو سعید سکری نے ان کو جمع کر کے ان کی شرح کی اصابہ میں اس کے حوالے جابجا موجود ہیں[4]، بعد میں کسی دوسرے شخص نے اس کی شرح

---

[1] دلائل الاعجاز ص۳۱ [2] ایضاً ص۵ و دلائل الاعجاز ص۱۳۲ [3] طبقات الشعر والشعراء ص۱۷ [4] اصابہ ج۳ ص ۔۔ ایضاً

لکھی، ان کا دیوان ہندوستان اور تونس میں طبع ہوا ۱۹۱۰ء میں انگلستان کے مشہور ادارے گب میموریل سیریز نے لندن، برلن، پیرس، اور سینٹ پیٹرسبرگ کے متعدد قلمی نسخوں و نیز مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کرکے بڑے اہتمام سے اس کو چھاپا،

لیکن باایں ہمہ اس کی صحت کے متعلق قطعی رائے نہیں دیجا سکتی، احادیث، لغت اور ادب کی کتابوں میں جو اشعار منقول ہیں وہ بے شبہہ صحیح ہیں، باقی اشعار کے متعلق اطمینان مشکل ہے

حضرت علیؓ کے دیوان میں پہلا شعر،

الناس فی صورۃ التشبیہ اکفاء   ابوھم آدم والام حواء

ہے، لیکن عبد القاہر جرجانی کہ ادب کے امام اور علم معانی و بیان کے موجد تھے اسرار البلاغۃ میں لکھتے ہیں کہ یہ اشعار محمد بن ربیع موصلی کے ہیں[۱]،

دیوان حسان کو بھی اسی پر قیاس کیجئے، صاحب استیعاب لکھتے ہیں[۲]،

قال الاصمعی حسان احد فحول	اصمعی نے کہا کہ حسان نہایت زبردست
الشعراء فقال له ابو حاتم یاتی	شاعر تھے، ابو حاتم بولے بعض اشعار تو بہت
له اشعار لینة فقال الاصمعی	کمزور کہتے تھے، اصمعی نے جواب دیا کہ بہت سے
تنسب الیه اشیاء لا تصح عنه	شعر ان کے نہیں بلکہ لوگوں نے منسوب کر دیئے ہیں،

اصمعی، دوسری صدی ہجری میں تھا اور تیسری صدی میں انتقال کیا، جب تیسری صدی تک میں اس قدر آمیزش ہوگئی تھی، تو ۱۳ صدیاں گذرنے پر خدا جانے کتنے انقلاب ہوئے ہونگے

اخلاق و عادات | ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ دربار نبوی کے شاعر تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کفار کی مدافعت میں اشعار کہتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] کتاب مذکور ص ۲۱۶ [۲] استیعاب ص ۱۳۰ ج ۱

نے ان کے لئے دعا فرمائی کہ خدایا روح القدس سے ان کی مدد کر، اس بناپر بارگاہ رسالت میں ان کو خاص تقرب حاصل تھا،

طبیعت کی کمزوری کے باوجود اخلاقی جرأت موجود تھی، ایک مرتبہ مسجد نبوی میں شعر پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ نے منع کیا تو جواب میں کہا کہ میں تم سے بہتر شخص کے سامنے پڑھا کرتا تھا[1] جاہلیت میں شراب پیتے تھے لیکن جب سے مسلمان ہوئے قطعی پرہیز کیا، ایک مرتبہ ان کے قبیلہ کے چند نوجوان مے نوشی میں مصروف تھے، حسانؓ نے دیکھا تو بہت لعنت ملامت کی، جواب ملا یہ سب آپ ہی کا فیض ہے، آپ کا شعر ہے،

ونشربها فتترکنا ملوکاً   واسدا ما ینهنهنا اللقاء

ہم اسی کے بموجب پیتے ہیں، فرمایا یہ جاہلیت کا شعر ہے خدا کی قسم جب سے مسلمان ہوا شراب منہ نہیں لگائی،[2]

---

[1] صحیح بخاری ص۹۰۶ ج۲، مسند ص۲۲۲ ج۵ [2] استیعاب ص۱۲۶ ج۱

حضرت حارثہؓ بن سراقہ

نام ونسب حارثہ نام، قبیلۂ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، حارثہ ابن سراقہ بن حارث بن عدی بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار، والدہ کا نام ربیع بنت نضر تھا، وہ جلیل القدر صحابیہ اور حضرت انسؓ بن مالکؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں،

اسلام والد ہجرت سے قبل فوت ہوگئے تھے، والدہ زندہ تھیں اور اسلام کے شرف سے مشرف ہوئیں ماں کے ساتھ بیٹے نے بھی دائرۂ اسلام میں شمولیت اختیار کی،

غزوۂ بدر کی شرکت اور شہادت غزوۂ بدر میں شریک تھے جس وقت کوچ کا حکم ہوا، سب سے پہلے گھوڑے پر سوار ہوکر نکلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ناظر ونگراں بنا کر ساتھ لیا، ایک حوض پر پانی پی رہے تھے کہ حبان بن عرقہ نے تیر مارا، اس نے اس تشنہ دہن کو شربت شہادت سے سیراب کیا، کہتے ہیں کہ انصار میں سب سے پہلے انہی کو شرف شہادت حاصل ہوا،

بدر سے واپسی کے وقت حارثہ کی ماں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! حارثہ سے مجھے جس قدر محبت تھی آپ کو معلوم ہے، اگر وہ جنت میں گئے ہوں تو نیز صبر کرونگی ورنہ آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں ارشاد ہوا کیا کہہ رہی ہو، جنت ایک نہیں بلکہ کثرت سے ہیں اور حارثہ تو جنت الفردوس میں ہیں،[3]

ربیع اس بشارت کو سنکر باغ باغ ہوگئیں مسکراتی ہوئی اٹھیں اور کہنے لگیں بخ بخ

---

۱ اسد الغابہ ص۲۲۶ ج ۱ ۲ صحیح بخاری ص۵۶۶ ج ۲ ۳ ایضاً ص۵۶۶،

یا حارثہ! یعنی واہ واہ اے حارثہ![1]

اخلاق | حضرت حارثہؓ اپنی ماں کے نہایت اطاعت گذار اور فرماں بردار تھے مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں،

کان عظیم البر بامہ[2] — ماں کے معاملہ میں نہایت نیکو کار تھے،

جوش ایمانی کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرف جارہے تھے کہ حارثہ سامنے آگئے، فرمایا حارث! صبح کیسی کی؟ بولے اس طرح کہ سچا مسلمان ہوں، فرمایا ذرا سوچ کر کہو، ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے، عرض کی، یا رسول اللہ دنیا سے منہ پھیر لیا ہے، رات کو رواں اور دن کو تشنہ دہن رہتا ہوں، اس وقت یہ حال ہے کہ اپنے کو عرش کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، جنتی جنت اور جہنمی دوزخ میں جاتے ہوئے مجھے معلوم ہو رہے ہیں، ارشاد ہوا جس بندے کا قلب خدا منور کر دے، وہ پھر خدا سے جدا نہیں ہوتا، حارثہؓ نے درخواست کی کہ میرے لئے شہادت کی دعا کیجئے، آپ نے دعا کی جس کی قبولیت غزوۂ بدر میں ظاہر ہوئی،

---

[1] اسد الغابہ ص۳۵۶ ج ۱، [2] ایضاً ص۳۵۵،



حضرت حارث بن صمہؓ

نام ونسب حارث نام، ابوسعید کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے، حارث بن صمہ بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن عامر (مبذول) بن مالک بن نجار

اسلام ہجرت سے قبل اسلام لائے،

غزوات اور دیگر حالات صہیب رومیؓ سے جو راہ خدا میں سخت سے سخت مصیبتوں کا مقابلہ کر چکے تھے، اخوت قائم ہوئی،

غزوۂ بدر میں شریک تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ روحا نام ایک مقام پر پہونچے تھے کہ چوٹ آگئی، اس لئے آپ نے ان کو مدینہ واپس کر دیا، اور غنیمت واجر میں شامل فرمایا،

غزوۂ احد میں جبکہ تمام لوگ منتشر ہو گئے تھے، حارث نے نہایت پامردی سے داد شجاعت دی، اور عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کو قتل کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تمام سامان ان کو دیدیا، انکے علاوہ اس غزوہ میں اور کسی مسلمان کو کسی کافر کا سامان نہیں ملا،

اسی معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث سے پوچھا کہ تم نے عبدالرحمن بن عوفؓ کو دیکھا ہے؟ بولے پہاڑ کی طرف مشرکین کے نرغہ میں تھے، میں نے چاہا جاؤں لیکن حضور پر نظر پڑ گئی تو اس طرف چلا آیا، ارشاد ہوا ان کو فرشتے بچا رہے ہیں، حارث حضرت عبدالرحمن بن عوف کے پاس گئے، دیکھا تو ان کے سامنے سات آدمی بچھڑے

پڑے ہوئے ہیں، پوچھا یہ سب تمھیں نے مارے ہیں؟ بولے ارطاط اور فلاں فلاں کو تو میں نے قتل کیا، باقی ان لوگوں کے قاتل مجھ کو نظر نہیں آئے، حارثؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل صحیح فرمایا تھا،

وفات | بیر معونہ کے معرکہ میں عمرو بن امیہ کے ساتھ کسی درخت کے نیچے بیٹھے تھے، کہ چیلیں اور دوسرے پرند نظر آئے، یہ عمرو کو ساتھ لے کر اسی سمت چلے، دیکھا تو مسلمانوں کی لاشیں خاک وخون میں غلطاں ہیں، عمروؓ سے کہا بولو! کیا ارادہ ہے، انھوں نے جواب دیا یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، کہا تو پھر کیا دیکھتے ہو؟ جہاں منذر مارے جائیں، میں کس طرح وہاں سے ہٹ سکتا ہوں اور عمرو کو ساتھ لے کر کفار کی طرف بڑھے، انھوں نے تیروں کی بوچھار کردی جو بدن میں ہر جگہ پیوست ہوگئے اور حارثؓ کی روح مطہر نے داعی اجل کو لبیک کہا، دوسرے ساتھی عمرو اسیر ہوگئے،

اولاد | دو بیٹے یادگار چھوڑے، سعد اور ابوجہم یہ دونوں کے دونوں صحابی تھے،

فضل وکمال | اشعار ذیل حضرت حارثؓ کے طبعزاد ہیں،

یا رب ان الحارث بن صمہ   اقبل فی مہامہ مہمہ

یسوق بالنبی ہادی الامہ

حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر

نام ونسب حنظلہ نام، غسیل الملائکہ لقب، قبیلۂ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، حنظلہ بن ابی عامر، عمرو بن صیفی بن مالک بن امیہ بن ضبیعہ ابن زید بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس، والدہ کا نام معلوم نہیں، اتنا معلوم ہے کہ عبد اللہ بن ابی رئیس خزرج کی ہمشیر تھیں،

ابو عامر (حنظلہ کا باپ) قبیلۂ اوس میں نہایت شریف اور با اثر شخص تھا، بعثت نبوی سے کا قائل تھا، اسی جذبۂ مذہبی نے رہبانیت کی طرف مائل کیا، ریاست ودنیاوی سے دست کش ہو کر مذہبی سیادت حاصل کی اور پلاس پہن کر گوشۂ عزلت اختیار کیا، راہب اسی وجہ سے لقب پڑا،

لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور مدینہ میں خلافت الٰہی کی بنا ڈالی گئی، تو ابو عامر اور ابن ابی دونوں کی سیادت میں رخنہ پڑا تو ابن ابی نے منافقانہ طرز عمل اختیار کیا اور مدینہ ہی میں مقیم رہا، ابو عامر کا پیمانۂ صبر زیادہ لبریز تھا، وہ مدینہ میں نہ ٹھہر سکا، اور مکہ کی سکونت اختیار کی، غزوۂ احد میں قریش مکہ نہایت سروسامان سے اٹھے تو ابو عامر بھی جوش حسد میں ان کے ساتھ آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے فاسق کا لقب تجویز کیا، جس سے تاریخ اسلام میں وہ اب تک مشہور ہے،

احد کے بعد پھر مکہ کو مراجعت کی اور وہیں مقیم رہا، ۸ھ میں جب فضائے بطحا پر توحید کا

علم لہرایا تو اس پر یثرب میں بھی تنگ ہوگئی، مکہ سے نکل کر روم پہنچا، اور ہرقل کے دامن میں پناہ لی اور اسی جگہ ۹ھ یا ۱۰ھ میں مر گیا،

ابو عامر کی شدت کفر کا تو یہ عالم تھا، اس کے بیٹے (حنظلہ) کی حرارت ایمانی کا یہ حال تھا کہ انھوں نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حکم ہو تو اپنے باپ کا خاتمہ کر دوں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہیں کیا، عبد اللہ بن ابی کے فرزند حضرت عبد اللہؓ نے بھی یہی درخواست کی تھی، ان کو بھی یہی جواب عنایت ہوا،

غزوۂ بدر میں کسی سبب سے شریک نہ تھے، احد میں شرکت کی جو ان کے لئے پہلا اور آخری غزوہ ثابت ہوا،

شہادت | بیوی سے ہم بستر تھے کہ نفیر عام سنی، اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے نہانا تک یاد نہ رہا تھا شمشیر بکف میدان میں پہنچے، ابو سفیان بن حرب رئیس کفر سے مقابلہ ہوا، اس کو اکھاڑ کر دے مارنا چاہتے تھے کہ کام تمام کر دیں، کہ شداد بن اسود لیثی (ابن شعوب) نے دیکھ لیا، جھپٹ کر بڑھا، اور ایسا وار کیا، کہ حنظلہ کا سر دھڑ سے الگ ہو گیا، ابو سفیان کہتا ہے،

ولو شئت نجتنی کمیت طمرۃ ولم احمل النعماء لابن شعوب

بعض کا خیال ہے کہ ابو سفیان نے ابن شعوب کے ساتھ مل کر مارا تھا مار کر بولا حنظلۃ بحنظلۃ یعنی حنظلہ حنظلہ کے مقابلہ میں ہے،

بدر میں ابو سفیان کا ایک لڑکا حنظلہ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، یہ اسی کی طرف اشارہ تھا،

چونکہ حالت جنابت میں شہید ہوئے تھے ملائکہ نے ان کو غسل دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کی بیوی سے دریافت کرو، بات کیا تھی؟ بیوی نے واقعہ بیان کیا، فرمایا اسی وجہ سے فرشتے

(اصابہ ج ۲ ص ۴۵)

غسل دے رہے تھے، غسیل ملائکہ کا لقب اسی وجہ سے ان کو حاصل ہوا،

اولاد | حضرت عبداللہؓ ایک فرزند تھے، جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سات سات سال کی عمر تھی، سن شعور کو پہنچکر باپ کے خلف الرشید ثابت ہوئے، یزید بن معاویہ کی شرمناک حرکتوں سے بیزار ہو کر ان سے بیعت کی، اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے آستانہ خلافت پر سر نیاز خم کیا، شام سے فوجیں آئیں جنھوں نے مدینۃ الرسول میں حرہ کا خونین منظر رونما کیا، حضرت عبداللہؓ نے جرأت کرکے تمام مدینہ کو اُبھارا اور خود سپہ سالار بنکر میدان میں نکلے، انصار کثرت سے شہید ہوئے حضرت عبداللہؓ نے یکے بعد دیگرے اپنے آٹھ بیٹوں کو آگے بڑھایا، سب قتل ہوئے اور وہ اپنی آنکھوں سے یہ دردانگیز منظر دیکھتے رہے، آخر میں خود بھی مقابلہ کے لئے بڑھے جس میں وہ ردائے خونی بابوس بدن تھی، جس کو ان کے پدر بزرگوار جنگ اُحد میں اوڑھ چکے تھے، یہ واقعہ ذی الحجہ ۶۳ھ میں پیش آیا،

اخلاق | اخلاق وعادات کی عظمت و بلندی اس سے ظاہر ہے کہ " پدر فاسق " کا فرزند تقی " اپنی قوم کے ناصیہ کمال پر غرۂ عظمت بن کر چمکا، قبیلہ اوس ہمیشہ ان کے وجود باجود پر فخر کرتا تھا،

ایک مرتبہ انصار کے دونوں قبیلے اپنے فضائل فخریہ بیان کر رہے تھے، فریقین نے اس موقع پر اپنے اپنے عظیم المرتبت اصحاب کو پیش کیا تھا، جن میں سب سے پہلے حضرت حنظلہؓ کا نام نامی تھا،

(خ)

حضرت خبیبؓ بن عدی

نام ونسب نام نامی خبیب تھا، اور قبیلۂ اوس سے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے، خبیب بن عدی ابن مالک بن عامر بن مجدعہ بن حجبی بن عوف بن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک ابن اوس،

اسلام ہجرت سے قبل مسلمان ہوئے،

غزوات غزوۂ بدر میں شریک تھے، اور مجاہدین کے اسباب کی نگرانی سپرد تھی[۱] اس غزوہ میں انھوں نے حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا[۲]،

سنہ ۳ھ میں غزوۂ رجیع ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم بن ثابتؓ انصاری کو دس آدمیوں پر امیر بناکر جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا، عسفان اور مکہ کے درمیان میں ہذیل کا ایک قبیلہ لحیان رہتا تھا، اس کو خبر ہوگئی، اس کے سو تیر اندازوں نے اس مختصر جماعت کو گھیر لیا، ۷ آدمی اُسی جگہ لڑکر شہید ہوگئے، تین شخص جن میں ایک حضرت خبیبؓ بھی تھے، زندہ بچے، یہ تینوں جاں بخشی کے عہد و پیمان پر پہاڑی سے نیچے اُتر ئے تیر اندازوں نے کمانوں کے تار کھول کر اُن کے ہاتھ باندھے، ایک غیرت مند اس بے عزتی کو گوارا نہ کرسکا اور مردانہ وار لڑکر جان دی، اب صرف دو شخص باقی رہ گئے، ان کو لیجا کر مکہ کے بازار میں فروخت کیا، اسلام

---

[۱] صحیح بخاری ص ۵۶۸ ج ۲ [۲] ایضاً ص ۵۶۸،

کے اس یوسف کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے خریدا جسے غزوہ بدر میں اُنھوں نے قتل کیا تھا[1]

عقبہ بن حارث نے اپنے گھر میں لاکر قید کیا[2]، ہاتھ میں ہتھکڑیاں پہنائیں[3] اور موہب

کو نگرانی پر مقرر کیا[4]، عقبہ کی بیوی کھانا کھلاتے وقت ہاتھ کھول دیا کرتی تھی[5]،

کئی مہینہ قید رہے، اشہر حرم گذر گئے تو قتل کی تیاریاں ہوئیں[6]،

حضرت خبیبؓ نے موہب سے تین باتوں کی درخواست کی تھی[7]،

۱۔ آب شیریں پلانا،

۲۔ بتوں کا ذبیحہ نہ کھلانا،

۳۔ قتل سے پہلے خبر کر دینا،

یہ اخیر درخواست عقبہ کی بیوی سے بھی کی تھی، قتل کا ارادہ ہوا تو اس[8] نے ان کو

آگاہ کر دیا، اُنھوں نے طہارت کے لئے اس سے استرہ مانگا، اس نے لاکر دیدیا،

اس کا بچہ کھیلتا کھیلتا ان کے پاس چلا آیا، اُنھوں نے اس کو اپنی ران پر بٹھایا، ماں کی

نظر پڑی تو دیکھا ننگا استرہ ان کے ہاتھ میں ہے اور بچہ ان کے زانو پر ہے، یہ منظر دیکھ کر

کانپ اٹھی، حضرت خبیبؓ نے فرمایا! کیا تمھارا خیال ہے کہ میں اپنے خون کا اس بچہ

سے انتقام لونگا، حاشا یہ ہماری شان نہیں[9]،

پھر مزاح میں فرمایا کہ اب اللہ نے تم پر مجھکو قادر کر دیا، بولی کہ تم سے تو یہ امید نہ تھی،

اُنھوں نے استرہ اس کے آگے ڈال دیا، اور کہا کہ میں مذاق کر رہا تھا[10]،

حضرت خبیبؓ کی باتوں کا اس پر خاص اثر ہوا، کہتی تھی کہ میں نے خبیبؓ سے بہتر

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۶۸ ج ۲ [2] استیعاب ص ۱۶۲ ج ۱ [3] بخاری ص ۵۶۸ ج ۲ [4] طبقات ابن سعد ص ۳۹ [5] استیعاب ص ۱۶۲ ج ۱ [6] طبقات ابن سعد ص ۳۹ [7] ایضاً [8] استیعاب ج ۱ [9] بخاری ص ۵۶۸ ج ۲ [10] استیعاب ص ۱۶۲ ج ۱

کسی قیدی کو نہ دیکھا میں نے بارہا ان کے ہاتھ میں انگور کا خوشہ دیکھا حالانکہ اس زمانہ میں انگور کی فصل بھی نہ تھی، اس کے علاوہ وہ بندھے ہوئے تھے، اس لئے یقیناً وہ خدا کا دیا ہوا رزق تھا، جو خزانہ غیب سے ان کو ملتا تھا۔[ا]

شہادت | حضرت خبیبؓ کے قتل میں مشرکین کے بڑا اہتمام کیا، حرم سے باہر تنعیم میں ایک درخت پر سولی کا پھندا لٹکایا گیا[۲]، آدمی جمع کئے گئے، مرد عورت، بوڑھے بچے، امیر وغریب وضیع وشریف، غرض ساری خلقت تماشائی تھی، جب لوگ عقبہ کے گھر سے ان کو لینے کے لئے آئے تو فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ، دو رکعت نماز پڑھ لوں[۳]، زیادہ پڑھونگا تو کہوگے کہ موت سے گھبرا کر بہانہ ڈھونڈھ رہا ہے، نماز سے فارغ ہوکر مقتل کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں یہ دعا زبان پر تھی اللھم احصھم عددا واقتلھم بددا ولا تبق منھم احدا!

پھر یہ شعر پڑھتے ہوئے ایک بڑے درخت کے نیچے پہونچے،

وذالک فی ذات الالہ وان یشأ	یبارک علی اوصال شلو ممزع
یہ جو کچھ ہو رہا ہے خدا کی محبت میں اگر وہ چاہے	تو ان کٹے ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا
ولست ابالی حین اقتل مسلما	علی ای جنب کان للہ مصرعی
اگر مسلمان رہ کر میں مارا جاؤں تو مجھے	غم نہیں کہ کس پہلو پر خدا کی راہ میں پچھاڑا جاتا ہوں

عقبہ بن حارث اور میسرہ عبدری نے گلے میں پھندا ڈالا، چند منٹ کے بعد سر اقدس دار پر تھا[۴] یہ کیسا عجیب منظر تھا، اسلام کے ایک غریب الوطن فرزند پر کیسے ظلم وستم ہو رہے تھے، بطلی کفر کا خونی قاتل، توحید کو کس طرح ذبح کر رہا تھا، یہ سب کچھ تھا لیکن مجسمہ اسلام اب بھی پیکر صبر ورضا بنا ہوا تھا، اور بغیر کسی اضطراب کے نہایت سکون کے ساتھ جان دی،

ا بخاری ص۵۸۵ ج ۲ ۲ استیعاب ص۱۶۱ ج ا ۳ بخاری ص۵۸۶ ج ۲ ۴ استیعاب ص۱۶۱ ج ا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فاجعۂ عظمیٰ کی خبر وحی کے ذریعہ سے ہوئی تو فرمایا اے خبیب! تجھ پر سلام[1] اور عمرو بن امیہ ضمری کو اس شہید وفا کی لاش کا پتہ لگانے کے لئے مکہ بھیجا، عمرو رات کو سولی کے پاس ڈرتے ڈرتے گئے، درخت پر چڑھ کر رسی کاٹی، جسد اطہر زمین پر گرا، چاہا کہ اتر کر اٹھا لیں، لیکن یہ جسم زمین کے قابل نہ تھا، فرشتوں نے اٹھا کر اس مقام پر پہنچایا جہاں شہیدان راہ خدا کی روحیں رہتی ہیں! عمرو بن امیہ کو سخت حیرت ہوئی، بولے کہ کیا زمین تو نہیں نگل گئی؟[2]"

قتل کرتے وقت مشرکین نے قبلہ رخ نہیں رکھا تھا لیکن جو چہرہ قبلہ کی طرف پھر چکا تھا، وہ کسی دوسری طرف کیونکر پھر سکتا تھا، مشرکین نے بار بار پھیرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی،[3]

حضرت خبیبؓ نے جو دعا کی تھی، اس کا اثر ایک سال کے اندر ظاہر ہوگیا، جو لوگ ان کے قتل میں شریک تھے، نہایت بے کسی کی حالت میں مارے گئے،[4]

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را | چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

---

[1] فتح الباری ج ۷، ص ۲۹۵ [2] اصابہ ص ۱۱۱ ج ۲ [3] ایضاً [4] فتح الباری ص ۲۹۵ ج ۷،

حضرت خارجہ رضؓ بن زید بن ابی زہیر

تام ونسب | خارجہ نام، قبیلۂ خزرج کے خاندان اغر سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، خارجہ ابن زید بن ابی زہیر بن مالک بن امرء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج ابن حارث بن خزرج اکبر، رئیس قبیلہ اور کبار صحابہ میں تھے،

اسلام | عقبہ میں بیعت کی،

غزوات اور عام حالات | ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ آکر انہی کے ہاں قیام کیا تھا[1] اور انہی سے مواخاۃ ہوئی،

بدر میں شریک تھے، اور امیہ بن خلف کو کئی آدمیوں کے ساتھ مل کر مارا تھا، امیہ کے بیٹے صفوان نے اپنے باپ کے قاتلوں کو تاڑ لیا تھا، چنانچہ دوسرے سال جب غزوہ احد واقع ہوا تو اس کو ان لوگوں کے قتل کی فکر ہوئی،

شہادت | حضرت خارجہؓ نہایت بہادری سے لڑے اور دس سے اوپر نیزوں کے زخم کھا کے، زمین پر گر گئے، صفوان نے اُن کو شناخت کرکے ناک، کان، اور دیگر اعضاء کاٹے اور کہا کہ اب میرا کلیجہ ٹھنڈا ہوا، میرے باپ کے عوض محمدؐ کے بڑے بڑے بہادر کام آئے،

ان کے بھتیجے سعد بن ربیعؓ بھی اس معرکہ میں دادِ شجاعت دیکر شہید

---

[1] بعض کا خیال ہے کہ خبیبؓ بن اساف کے ہاں ٹھہرے تھے،

شہید ہوئے تھے، چچا بھتیجے دونوں ایک قبر میں دفن کئے گئے،

اولاد | دو اولادیں چھوڑیں، ایک زید جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں انتقال کیا،

دوسری جلیبہؓ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منسوب تھیں، ام کلثوم بنت ابی بکر ان ہی کے بطن سے تولد ہوئیں، اس بنا پر حضرت خارجہؓ، حضرت ابوبکرؓ کے اسلامی بھائی ہونے کے ساتھ خسر بھی تھے[1]

[1] از اسد الغابہ ص۸۰ ج ۲ و اصابہ ص۸۳ ج ۲ و استیعاب ص۱۶۳ و ۲۲ ج ۱،



حضرت خزیمہؓ بن ثابت

نام ونسب خزیمہ نام، ابو عمارہ کنیت، ذو الشہادتین لقب، سلسلۂ نسب یہ ہے
خزیمہ بن ثابت بن فاکہ بن ثعلبہ بن ساعدہ بن عامر بن غیان بن عامر بن خطمہ
(عبد اللہ) بن جشم بن مالک بن اوس، والدہ کا نام کبشہ بنت اوس تھا اور قبیلۂ
خزرج کے خاندان ساعدہ سے تھیں،

اسلام ہجرت سے پیشتر مشرف باسلام ہوئے، اور عمیر بن عدی بن خرشہ کو لیکر
اپنے قبیلہ (خطمہ) کے بُت توڑے،

غزوات اور شہادت بدر اور تمام غزوات میں شریک تھے، فتح مکہ میں بنو خطمہ کا علم ان کے
پاس تھا، جناب امیر علیہ السلام کی دونوں لڑائیوں میں ان کے ساتھ تھے، جنگ جمل میں محض
رفاقت کی، صفین میں اولاً خاموش رہے لیکن جب حضرت عمارؓ بن یاسر افواج شام کے ہاتھ
سے شہید ہوئے، تو حضرت خزیمہؓ نے تلوار نیام سے نکالی اور حسب ذیل رجز پڑھتے ہوئے
میدان میں آئے،

اذا نحن بایعنا علیا فحسبنا ابو حسن مما نخاف من الفتن

جب ہم نے علی سے بیعت کرلی، تو یہ بالکل کافی ہے، اور اب ہم کو کسی چیز کا خوف نہیں

وفیہ الذی فیھم من الخیر کلہ وما فیھم بعض الذی فیہ من حسن

علی میں اہل شام کی تمام بھلائیاں جمع ہیں، لیکن شامیوں میں علی کی بعض خوبیاں بھی موجود نہیں،

[1] مسند ج ۵ ص ۲۱۴

اور فرماتے جاتے تھے کہ اب گمراہی آشکارا ہو گئی، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ عمار کو باغی گروہ قتل کریگا، چنانچہ اس معرکہ میں لڑکر شہادت حاصل کی، یہ ۳۷ھ کا واقعہ ہی

اولاد | حسب ذیل اولاد چھوڑی، عمارہ، عمرو، ہمرہ،

فضل وکمال | احادیث مرویہ کی تعداد ۳۸ ہے، حضرت جابرؓ بن عبد اللہ، عمارہ بن غثمان، ابن حنیف عمرو بن میمون اودی، ابراہیم بن سعد بن ابی وقاص، ابو عبد اللہ جدلی، عبد الرحمن بن ابو لیلیٰ، عطاء بن یسار، راویان حدیث کے زمرہ میں ہیں،

اخلاق | جوش ایمان اور حب رسول، بیاض اسلام کے چمکتے ہوئے حروف ہیں، جوش ایمان کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدو سے گھوڑا خریدا اور دام طے کرکے چلے آئے لوگوں کو اس کی خبر نہ تھی، اس لئے خریداری کے لئے اس کی قیمت بڑھا کر دی، اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی کہ لینا ہو تو لو، ورنہ میں دوسرے سے سودا کر چکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو میرے ہاتھ فروخت کر چکے ہو، بولا واللہ میں نے نہیں بیچا اگر بیچا ہو تو کوئی گواہ لاؤ، مسلمان اس گفتگو کو سن کر جمع ہو گئے اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچ کہتے ہیں، حضرت خزیمہؓ بھی پہنچ گئے اور کہا میں گواہ ہوں تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ فروخت کیا تھا، اس جرأت پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیرت ہوئی، فرمایا بم تشہد؟ تم کس طرح گواہی دیتے ہو، عرض کی بتصدیقک یا رسول اللہ! آپ کی بات کی تصدیق کر رہا ہوں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز سے خزیمہ کی شہادت دو آدمیوں کی شہادت کے برابر کر دی اور ذو الشہادتین ان کا لقب پڑ گیا،

(مسند ابن حنبل، ج ۵، ص ۲۱۵)

صحیح بخاری میں بھی ضمناً اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ جب ہم نے مصاحف نقل کئے، تو سورۂ احزاب کی ایک آیت جس کو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے، نہیں پائی، یہ آیت خزیمہؓ انصاری کے پاس تھی، جن کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کے برابر کی تھی[1] وہ آیت یہ ہے۔

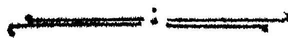
من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ

اوس وخزرج میں جب باہم مفاخرت ہوئی تو اوسیوں نے حضرت خزیمہؓ کا نام بھی فخر کے طور پر پیش کیا تھا،[2]

ان کے فخر وفضیلت کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین مبارک کا بوسہ لے رہا ہوں، اسکو انھوں نے آپ سے بیان کیا، تو فرمایا کہ تم اپنے خواب کی تصدیق کرسکتے ہو، چنانچہ حضرت خزیمہؓ نے اٹھ کر پیشانی اطہر کا بوسہ لیا،[3]

بعض روایتوں میں ہے کہ سجدہ کرتے دیکھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جبینِ مقدس سے ان کی پیشانی مس کی[4] اس طرح پر اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی،

[1] صحیح بخاری ص۵۰ ج ۳ [2] اصابہ ص۱۱۱ ج ۲ [3] مسند ص۲۱۴ ج ۵ [4] ایضاً ص۲۱۵،



حضرت خوات رضی اللہ عنہ بن جبیر

نام ونسب خوات نام، ابو عبداللہ وابو صالح کنیت، قبیلہ اوس سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے خوات بن جبیر بن نعمان بن امیہ بن امراء القیس (برک) بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس،

اسلام ہجرت سے قبل اسلام لائے، بدر میں شریک تھے، صفراء پہونچ کر پیر میں پتھر لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ واپس کیا، اور مجاہدین کے ساتھ غنیمت میں حصہ لگایا، احد اور باقی غزوات میں شرکت کی،

جناب امیر علیہ السلام کی خانہ جنگیوں میں سے صفین میں شریک تھے،

وفات ۴۰ھ میں بمقام مدینہ انتقال کیا، اس وقت ۷۴ سال کا سن تھا،

حلیہ حلیہ یہ تھا، قد میانہ، مہندی کا خضاب لگاتے تھے، آنکھیں جاتی رہی تھیں،

اولاد ایک بیٹا یادگار چھوڑا، صالح نام تھا،

فضل وکمال عبداللہ بن ابی لیلیٰ بسر بن سعد، صالح وغیرہ نے ان سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، امام بخاری نے ان کا یہ حکیمانہ مقولہ نقل کیا ہے،

نوم اول النھار خرق و	دن کے پہلے حصہ میں سونا بے تمیزی
اوسطہ خلق و آخرہ	درمیانی حصہ میں مناسب اور آخری
حمق	حصہ میں بے وقوفی ہے

نہایت شجاع تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا سوار بنایا تھا[1]
زندہ دلی کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کو جا رہے تھے، حضرت
ابو عبیدہؓ اور عبد الرحمن بن عوفؓ بھی ساتھ تھے، لوگوں نے فرمائش کی کہ ضرار کے شعر
گاؤ، حضرت عمرؓ نے کہا نہیں اپنے شعر سنائیں، چنانچہ تمام رات گاتے رہے، جب سحر
نمودار ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا خوات بس کرو، اب صبح ہوگئی[2]

[1] اسد الغابہ صفحہ ۱۲۶ ج ۲ [2] اصابہ ص ۱۳۳ ج ۲،



حضرت خلاد بن بیوؓ

نام ونسب خلاد نام، قبیلۂ خزرج سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، خلاد بن سوید بن ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ بن امراء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج بن الحارث ابن الخزرج الاکبر،

اسلام عقبۂ ثانیہ سے قبل مسلمان ہوئے، اور بیعت میں شرکت کی،

غزوات اور شہادت بدر، احد، خندق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، قریظہ کی جنگ میں غزوہ کی نیت سے نکلے، ایک قلعہ کے نیچے کھڑے تھے، بنانہ نام ایک یہودی عورت نے دیکھ لیا اور اس زور سے پتھر مارا کہ سر پھٹ گیا، اسی کے صدمہ سے انتقال ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا، لڑائی ختم ہونے کے بعد جب قبیلۂ قریظہ اسیر ہوکر سامنے آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو ڈھونڈھ کر قتل کروا دیا، اس واقعہ میں عورتیں قتل سے محفوظ رہی تھیں،

اولاد دو لڑکے چھوڑے اور دونوں صحابی تھے، ان کے اسماے گرامی یہ ہیں، ابراہیم، سائبؓ[1]

---

[1] اسد الغابہ ص[۱۲] ج ۲، اصابہ ص[۱۴] ج ۲،

(۱۸)

حضرت رافع بن مالک رضؓ بن عجلان

نام و نسب رافع نام، ابو مالک و ابو رفاعہ کنیت، قبیلۂ خزرج سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن عامر بن زریق بن عامر بن عبد حارثہ بن مالک ابن غضب بن جشم بن خزرج۔

اسلام انصار مدینہ میں اگرچہ خوش نصیبوں کی ایک جماعت ہے، جس کا شمار ... تک ہے لیکن ان میں بھی الاقدم فالاقدم کے لحاظ سے ترتیب اور اختلاف مدارج ہے، انصار میں بنو نجار اور قبیلۂ خزرج سبقت ایمانی میں سب سے پیش پیش تھا لیکن اس کا یہ تمام تقدس یہ تمام شرف اور یہ تمام فضیلت صرف دو ہستیوں کے شرف و عظمت پر منحصر ہے، اور یہ دونوں بزرگ حضرت معاذؓ بن عفراء اور حضرت رافع بن مالکؓ ہیں۔

قبیلۂ خزرج کے ۶ آدمی جن میں یہ دونوں آدمی بھی تھے، عمرہ کی غرض سے مکہ گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے قیامگاہ پر تشریف لائے، اور اسلام کی تبلیغ کی، تو سب سے پہلے اس دعوت کو انہی دونوں نے لبیک کہا[1]۔

یہ اسد الغابہ کی روایت ہے، طبقات میں ہے کہ صرف دو شخص گئے تھے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ملی تو خدمت میں حاضر ہو کر مذہب اسلام اختیار کرنے کا

---

[1] اسد الغابہ صفحہ ۱۵۶ ج ۲،

شرف حاصل کیا[۵]

ان دونوں بزرگوں میں بھی جیساکہ سعد بن عبدالحمید کا قول ہے، حضرت رافعؓ نے پہلے بیعت کی تھی،

اسلام قبول کرکے پلٹے تو مدینہ میں نہایت سرگرمی سے اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی، مصنف اسد الغابہ لکھتے ہیں،

فلما قدموا المدینۃ ذکروا لقومھم	یعنی جب یہ لوگ مدینہ آئے اور اپنی قوم
الاسلام ودعوھم الیہ ففشا	میں اسلام کا چرچا کیا اور اس کی دعوت
فیھم فلم تبق دار من دور الانصار	دی تو اسلام تمام انصار میں پھیل گیا اب
الا وفیھا ذکر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کوئی گھر نہ تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۶]

دوسرے سال حضرت رافعؓ ۱۲ آدمیوں کے ساتھ اور تیسرے سال ۷۰ آدمیوں کے ساتھ مکہ گئے، اور اس اخیر بیعت میں بنو زریق کے نقیب منتخب ہوئے،

صحیح بخاری میں رافعؓ کے عقبہ میں شریک ہونے کا ذکر آیا ہے، چنانچہ انکا قول ہے

ما یسرنی انی شھدت بدرا بالعقبۃ	یعنی مجھے یہ خوش نہیں آتا کہ عقبہ کے مقابلہ میں بدر میں

غزوات | حضرت رافعؓ کی اسلامی زندگی کے دوران میں صرف دو لڑائیاں پیش آئیں، بدر اور احد، بدر میں ان کی شرکت مشکوک ہے، ابن اسحاق نے ان کو اصحاب بدر میں شمار نہیں کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ نے امام ابن شہاب زہری سے نقل کیا ہے کہ وہ شریک تھے، اس باب میں بہترین حکم خود ان کا قول ہو سکتا ہے، ابھی بخاری کی جو عبارت اوپر گذری ہے کہ مجھے یہ خوش نہیں آتا کہ عقبہ کے مقابلہ میں بدر میں شریک ہوتا اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شریک بدر نہ تھے

[۵] طبقات ابن سعد ص ۱۴۶ ج ۳ قسم ۲ [۶] اسد الغابہ ص ۱۵۷ ج ۲ [۷] صحیح بخاری ص ۵۶۹ ج ۲

شہادت شوال ۳ھ میں غزوۂ احد میں شہادت پائی،

خدمات مذہبی اشاعتِ اسلام کے علاوہ اور بھی متعدد مذہبی خدمتیں انجام دیں، سورۂ یوسف مدینہ میں سب سے پیشتر انہی نے پہنچائی، مسجد بنی زریق میں مدینہ کی تمام مسجدوں سے قبل قرآن مجید پڑھا گیا، اس کے پڑھنے والے یہی بزرگ تھے، بیعت سے واپسی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں جس قدر قرآن نازل ہوا تھا، لکھ کر ساتھ لیتے آئے تھے، اور اپنی قوم کو جمع کرکے سنایا تھا،

ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ میں مقیم ہوگئے تھے، جب سورۂ طٰہٰ نازل ہوئی تو لکھ کر مدینہ لائے، غرض یہ عظیم الشان کارنامے انصار کے اس جلیل المنزلت بزرگ کے تھے جس نے دولت ایمان کے لازوال خزانے کو سب سے پہلے اپنے آغوش میں جگہ دی، فنصر اللہ عبداً نصر الاسلام بنفسہ وماله ودمه،

———— ٭٭٭ ————

حضرت رفاعہ بن رافع زرقیؓ

نام ونسب | رفاعہ نام، ابو معاذ کنیت، سلسلۂ نسب یہ ہے، رفاعہ بن رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن غضب بن جشم بن خزرج، والدہ کا نام ام مالک بنت ابی بن سلول تھا، بنو حبلی سے تھیں، اور عبد اللہ بن ابی رأس المنافقین کی ہمشیر تھیں،

اسلام | حضرت رفاعہؓ کے پدر بزرگوار حضرت رافعؓ قبیلہ خزرج کے سب سے پہلے مسلمان تھے، بیعت عقبہ سے دو سال پیشتر ۵-۶ آدمیوں کے ہمراہ مکہ جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، ماں بھی مسلمان ہو چکی تھیں، ان کا اخیافی بھائی عبد اللہ بن ابی مرجع کفر و نفاق تھا، لیکن بہن دودمانِ صداقت وراستی کا سراج منیر بنی ہوئی تھیں، حضرت رفاعہؓ اسی مبارک خاندان میں پلے تھے، عقبۂ ثانیہ میں اپنے باپ کے ساتھ مکہ جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی، اور دولت ایمان سے بہرہ یاب ہوکر مدینہ واپس آئے

غزوات | تمام غزوات میں شرکت کی، بدر کی شمولیت صحیح بخاری سے ثابت ہے[1]، غزوۂ احد، خندق، بیعت رضوان اور تمام اہم واقعات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی،

دیگر حالات | جنگ جمل اور صفین میں جناب امیر کرم اللہ وجہہ کے ہمرکاب تھے، جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی باہمی شرکت نے معاملہ کو نازک تر بنا دیا تھا

---

[1] کتاب مذکور ص ۵۶۹ ج ۲،

ام الفضل بنت حارث (حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی) کا مکہ سے خط پہنچا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بصرہ گئے ہیں، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ ان سے تعجب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ہم اہل بیت نبوت ہونے کی وجہ سے خلافت کا سب سے زیادہ اپنے کو مستحق سمجھتے تھے، ہماری قوم کے لوگوں نے دوسروں کو خلیفہ بنایا، ہم فتنہ وفساد کے خوف سے چپ ہو رہے اور صبر کیا، خدا کا شکر ہے کہ اس کا نتیجہ نہایت اچھا رہا ہے، اس کے بعد لوگوں نے عثمانؓ پر خروج کر کے ان کو قتل کیا اور مجھ سے بلا جبر واکراہ بیعت کی جس میں طلحہؓ اور زبیرؓ بھی شریک تھے، ابھی ایک مہینہ نہیں گذرا کہ ان کے بصرہ لشکر لیجانے کی خبر پہنچ رہی ہے، اے خدا! تو اس فتنہ وفساد کو دیکھ۔

رفاعہ بن رافعؓ اس تقریر کو سن کر بولے یا امیر المومنین! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو ہم اپنے مرتبہ ونصرت دین کے لحاظ سے اپنے کو خلافت کے لئے سب سے زیادہ موزوں جانتے تھے، آپ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قریبی تعلقات اور سبقت ایمانی اور ہجرت جیسی فضیلتیں بیان کر کے ہم سے اس حق کو منوایا، ہم نے یہ خیال کر کے کہ حق پر عمل ہو رہا ہے، کتاب وسنت قائم ہیں، آپ لوگوں کے دعوی کو تسلیم کر لیا، اور خلافت قریش کے سپرد کر دی، اور ہمیں یہی کرنا چاہئے تھا، اب آپ کی بیعت کے بعد کچھ لوگ مقابلہ میں کھڑے ہو گئے ہیں جن سے یقیناً آپ افضل اور ہماری نگاہ میں پسندیدہ تر ہیں، اب فرمائیے آپ کا کیا ارشاد ہے؟ ہم لوگ صرف حکم کے منتظر ہیں،

رفاعہ کی تقریر ختم ہوئی تو حجاج بن عزیہ انصاری نے بڑھ کر کہا، یا امیر المومنین! اس کا ابھی فیصلہ کر لیجئے، میں اس راہ میں جان تک دینے کے لئے تیار ہوں، اس کے بعد انصار کو مخاطب کر کے کہا جس طرح پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کر چکے ہو، اب امیر المومنین

کی مدد کرو، یہ اخیر اس پہلے سے بالکل مشابہ ہے اگرچہ پہلا افضل و اشرف تھا،

جناب امیرؓ ان تقریروں کے بعد ایک لشکر لے کر عراق روانہ ہوگئے، رفاعہؓ بھی ہمرکاب تھے،

سنہ ۴۱ھ یا سنہ ۴۲ھ میں وفات پائی، یہ امیر معاویہؓ کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا،

اولاد | دو لڑکے چھوڑے معاذ، اور عبید،

فضل و کمال | حضرت رفاعہؓ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں، صحیحین میں چند احادیث ہیں،

جن میں سے ۳ میں امام بخاری منفرد ہیں،

حضرت رفاعہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا حضرت ابوبکرؓ اور عبادہ بن صامت سے بھی حدیث سنی تھی، راویوں میں یحییٰ بن خالد (برادرزادہ) علی بن یحییٰ، معاذ، اور عبید (بیٹے) داخل ہیں،

حضرت رافعؓ بن خدیج

نام ونسب | رافع نام، ابوعبداللہ کنیت، قبیلۂ اوس سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، رافع ابن خدیج بن رافع بن عدی بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک ابن اوس، والدہ کا نام حلیمہ بنت عروہ بن مسعود بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ ہے۔

قبیلۂ اوس میں عبدالاشہل اور حارثہ دو برابر کی طاقتیں تھیں ان میں جنگ وجدل کا بازار گرم رہتا تھا، اسید بن حضیر کے دادا سماک بن رافع کو انہی لوگوں نے ایک معرکہ میں قتل کیا تھا، اور ان کے خاندان کو شہر بدر کردیا تھا، حضیر بن سماک نے بنو حارثہ کا محاصرہ کرکے اپنے باپ کا انتقام لیا اور ان کو شکست دے کر خیبر میں جلا وطن کردیا، بنو حارثہ ایک سال تک خیبر میں سکونت پذیر رہے، اس کے بعد حضیر کو رحم آیا، اور مدینہ میں بودوباش کرنے کی اجازت دی،

حضرت رافعؓ کے آباء واجداد بنو حارثہ کے رئیس اور سردار تھے، باپ اور چچا کے بعد یہ مسند حضرت رافعؓ کے حصہ میں آئی اور وہ تمام عمر اس پر متمکن رہے،

اسلام | ہجرت کے وقت صغیر السن تھے تاہم اسلام کا نقش دل میں گھر کرچکا تھا، اس کے علاوہ ان کے دو چچا ظہیر اور مظہر بھی شرف ایمان حاصل کرچکے تھے،

غزوات | غزوۂ بدر میں ۱۴ سال کا سن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لڑائی میں شریک ہونے کے ارادہ سے حاضر ہوئے، آپ نے کمسن خیال کرکے واپس کیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انصار کے لڑکے ہر سال پیش ہوتے تھے، جنابِ نجح دوسرے سال رافع بھی پیش ہوئے، اس وقت وہ پانزدہ سالہ تھے، اس لئے شرکت کی اجازت مل گئی تو ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا،

ایک اور صحابی سمرہ بن جندب بھی لڑکوں کی جماعت میں تھے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صغر سنی کی وجہ سے شامل نہیں فرمایا تھا، بولے کہ آپ نے رافع کو اجازت دی اور مجھ کو چھوڑ دیا، حالانکہ میں کشتی میں ان کو پچھاڑ دونگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کرایا سمرہ دیکھنے میں چھوٹے تھے لیکن طاقتور تھے، رافع کو پچھاڑ دیا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بھی میدان کی اجازت دیدی[2]

ہم نے یہ روایت طبری سے لی ہو اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے لیکن ان میں رافع کے نام کی تصریح نہیں[3]

اس غزوہ میں ان کے سینہ پر ایک تیر لگا جو ہڈیوں کو توڑ کر اندر گھس گیا، لوگوں نے کھینچا تو نوک اندر رہ گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھاری نسبت قیامت میں شہادت دونگا

غزوۂ خندق اور اکثر معرکوں میں شامل رہے

معرکۂ صفین میں جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ تھے

وفات تیر کی نوک جو اندر رہ گئی تھی ایک عرصہ کے بعد اس نے زخم پیدا کر دیا، اسی صدمہ سے جان بحق تسلیم ہوئے، نہلانے میں عصر کا وقت آگیا، حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ مغرب سے پیشتر نماز جنازہ پڑھ لینی چاہیے، جنازہ کفنا کر باہر لایا گیا، اور اس پر سرخ چادر ڈالی گئی، آنحضرت

---

[1] اسد الغابہ صفحہ ۱۵۲ ج ۲ [2] ایضاً [3] طبری صفحہ ۱۳۹۱ ج ۳ [4] مسند ابن حنبل صفحہ ۱۴۲ ج ۴

ابن عمرؓ نے نماز پڑھائی، جنازہ کے ساتھ آدمیوں کی بڑی کثرت تھی، عورتیں بین کرتی اور چیختی ہوئی نکلیں تو ابن عمرؓ نے کہا خدا کے لئے ان کے حال پر رحم کرو، یہ بیمرد عذاب الٰہی برداشت نہ کر سکیں گے،

وفات کے وقت ۸۲ برس کا سن تھا، سنہ وفات میں اختلاف ہے، امام بخاری نے تاریخ اوسط میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں انتقال کیا، باقی مورخین کی رائے ہے کہ ۸۴ھ کی ابتدا تھی اور عبد الملک بن مروان سریر خلافت پر تھا،

ترکہ میں حسب ذیل چیزیں چھوڑیں،

لونڈی، غلام، اونٹ، زمین[1]،

حلیہ | مفصل حالات معلوم نہیں، اتنا علم ہے کہ مونچھ باریک رکھتے تھے، اور زرد خضاب لگاتے تھے

اہل وعیال | حسب ذیل اولاد چھوڑی، عبداللہ، رفاعہ، عبدالرحمن، عبیداللہ، سہل، علیہ، ان میں اول الذکر اپنی مسجد کے امام تھے، عبید ام ولد سے تولد ہوئے تھے، باقی لڑکے دو بیویوں سے پیدا ہوئے، جن کے نام یہ ہیں، لبنیٰ بنت قرۃ بن علقمہ بن علاثہ، اسماء بنت زیاد بن طرفہ بن معاذ بن حارث بن مالک بن نمر بن قاسط بن ربیعہ،

ان لوگوں کی اولاد مدینہ اور بغداد میں سکونت پذیر تھی،

فضل وکمال | حدیث کی کتابوں میں ان کے سلسلہ سے ۸۰ روایتیں منقول ہیں، راویوں میں صحابہ و تابعین دونوں گروہ کے لوگ شامل ہیں، جن کے نام یہ ہیں،

ابن عمر، محمود بن لبید، سائب بن یزید، اسید بن حضیر، مجاہد، عطاء، شعبی، عبایہ بن رفاعہ، عمرہ بنت عبدالرحمن، سعید بن مسیب، نافع بن جبیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، ابوالنجاشی، سلیمان

---

[1] مسند ابن حنبل ص ۱۴۱ ج ۴

ابن یسار، عیسیٰ، عثمان بن سہل، ہریرہ بن عبدالرحمن، یحییٰ بن اسحاق، ثابت بن انس بن ظہیر، حنظلہ بن قیس، نافع، واسع بن حبان، محمد بن یحییٰ بن حبان، عبید اللہ بن عمرو بن عثمان،

اخلاق امر بالمعروف اور اطاعتِ رسول، معدنِ اخلاق کے تابناک جواہرپارے ہیں،

ایک مرتبہ نعمان انصاری کے غلام نے چھوہارے کا ایک چھوٹا سا درخت کسی کے باغ سے اکھیڑ دیا، مروان کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا، اس نے چوری کا جرم عائد کرکے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر لیا، تو رافع رضی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پھل میں قطع ید نہیں[1]،

عبداللہ بن عمر رضی اپنی زمین کرایہ پر اٹھاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی، حضرت عمر رضی، حضرت عثمان رضی اور امیر معاویہ رضی کے ابتدائی زمانہ خلافت تک اسی پر ان کا عمل رہا، بعد میں خبر ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، اور رافع رضی کے پاس اسکی حدیث ہے، چنانچہ نافع کو لیکر حضرت رافع کے پاس گئے اور حدیث سنی، اس کے بعد کرایہ لینا چھوڑ دیا، یہ مسلم کی روایت ہے مسند میں ہے کہ خود رافع رضی نے ان کو یہ حدیث سنائی تھی[2]،

مروان نے ایک مرتبہ خطبہ دیا، جس میں کہا کہ مکہ حرم ہے، رافع موجود تھے پکار کر کہا اگر مکہ حرم ہے، تو مدینہ بھی حرم ہے اور اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا ہے، میرے پاس یہ حدیث لکھی ہوئی موجود ہے، اگر چاہو تو دکھا سکتا ہوں، مروان نے جواب دیا ہاں وہ حدیث میں نے سنی ہے[3]،

اطاعتِ رسول کے لئے واقعاتِ ذیل کافی ہیں،

ایک مرتبہ ان کے چچا ظہیر نے آکر بیان کیا کہ آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کی ممانعت فرمائی ہے[4] حالانکہ ہم لوگوں کو اس سے کچھ آسانی تھی رافع نے جواب دیا عمِ محترم جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی حق ہے،

ایک روز بیوی سے ہمبستر تھے عین اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی، فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور غسل کرکے باہر نکل آئے[5]،

[1] مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۱۴۲ [2] مسلم ج ۲ ص ۱۳ و مسند ج ۴ ص ۱۴۲ [3] مسند ج ۴ ص ۱۴۱ [4] مسلم ج ۲ ص ۱۴ [5] مسند ج ۴ ص ۱۴۲

حضرت رویفع بن ثابتؓ

نام ونسب رویفع نام، قبیلۂ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، رویفع بن ثابت بن سکن بن عدی بن حارثہ،

غزوۂ حنین میں شریک تھے[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مصر کی سکونت اختیار کی اور وہاں ایک مکان بنالیا[۲]

صدارت طرابلس ۴۶ھ میں امیر معاویہؓ نے ان کو طرابلس کا حاکم بنا کر مغرب بھیجا، برقہ صدر مقام تھا، اسی میں قیام پذیر ہوئے،

ایک سال کے بعد (۴۷ھ) حضرت مسلمہ بن مخلد والی مصر وطرابلس نے افریقیہ (تونس والجزائر ومراکش) پر فوج کشی کی تو رویفع کو اس مہم پر مامور کیا، انھوں نے بہت سی فتوحات کیں، اور موجودہ جغرافیہ کی رو سے حدود ٹیونس کے اندر پہونچ کر قابس کے قریب جربہ نام ایک مقام فتح کیا، اور تقریر کی جس میں لونڈیوں، مال غنیمت، سواری اور دیگر ضروری باتوں کے متعلق ہدایت تھی[۳] اسی سال کے اندر سالماً وغانماً دار الحکومت میں واپس آئے[۴]

حضرت مسلمہؓ نے خراج کا محکمہ ان کے سپرد کرنا چاہا، لیکن انھوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے کہ حاکم خراج جنت میں داخل نہ ہوگا[۵]

تقریباً ۱۰ برس تک اپنا فرض منصبی انجام دیتے رہے،

۱؎ مسند ابن حنبل ص۱۰۸ ج۴ ۲؎ استیعاب ص۱۸۲ ج۱ ۳؎ مسند ص۱۰۸ ج۴ ۴؎ استیعاب ص۱۸۲ ج۱ ۵؎ مسند ص۱۰۸ ج۴

وفات | ۵۶ھ میں پیغام اجل پہنچا، برقہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے[۱]،

فضل وکمال | ان کے سلسلہ سے ۸ روایتیں مروی ہیں، بیان حدیث میں محتاط تھے، ایک مرتبہ مجمع عام میں ایک حدیث بیان کی تو فرمایا

ایھا الناس ! انی لم اقل فیکم الا ما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | لوگو! تم کو میں وہ باتیں سنا ہوں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہکو سنایا تھا

راویوں میں حنش صفانی، وفا بن شریح، شیم بن بیان، شیبان قتابی، ابو الخیر مرثد بن عبید اللہ حضرمی، ابو مرزوق وغیرہ تھے، جو ان کے ساتھ برقہ اور جنگ افریقیہ میں شریک رہے تھے،

اخلاق | صحبت رسول کا اثر ہر جگہ نمایاں رہتا تھا، غزوۂ مغرب میں متعدد مقامات پر خطبے دینے کا اتفاق ہوا، ان میں کتاب وسنت کی تمام لوگوں کی دعوت دی،

اوامر ونواہی کے امتثال واجتناب کا خاص اہتمام رہتا تھا، کہ حاکم اسلام کے لئے یہ سب سے زیادہ ضروری فریضہ ہے، اجتناب عن المنہیات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ محض ایک تہدیدی حدیث کی بدولت صاحب خراج کی خدمت قبول نہ فرمائی،

---

[۱] اسد الغابہ ص ۱۹۱ ج ۲۔

(ز)

حضرت زیدؓ بن ارقم

نام ونسب| زید نام، ابو عمر کنیت، قبیلۂ حارث بن خزرج سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، زید بن ارقم ابن زید بن قیس بن نعمان بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر،

والد نے صغر سنی ہی میں انتقال کیا تھا، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور ان کے رشتہ میں چچا ہوتے تھے، اپنے ظلِ عاطفت میں لیا، اور ان کی پرورش و پرداخت کی،

اسلام| ابن رواحہؓ عقبہ میں بیعت کر چکے تھے، زید کے ایمان لانے کا وہی سبب بنے،

غزوات اور دیگر حالات| احد میں صغیر السن تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ کے قصد سے باز رکھا، خندق کے معرکہ میں شریک ہوئے اور پھر تمام غزوات میں شرکت کی، صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۹ غزوے کئے جن میں سے میں ۱۷ میں شریک تھا[1]،

غزوہ موتہ میں چچا کے ساتھ گئے تھے، انھوں نے چند اشعار کہے جن میں شہادت کی تمنا ظاہر کی، دونوں ایک ہی اونٹ پر سوار تھے، زید نے اشعار سن کر رونا شروع کیا، ابن رواحہؓ نے درہ اٹھایا کہ تمھارا کیا حرج ہے، مجھے شہادت نصیب ہوگی،

[1] کتاب مذکور ص ۵۶۳ ج ۲،

خلفاے راشدین میں حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے دوستانہ مراسم تھے، جنگ صفین میں جناب امیرؓ کی حمایت میں شریک ہوئے،

کوفہ میں سکونت اختیار کرلی تھی اور بنو کندہ کے محلہ میں مکان بنایا تھا،[۱]

وفات: ۶۸ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا، یہ مختار بن ابی عبید ثقفی کا دور امارت تھا،

فضل و کمال: حضرت زیدؓ اپنے زمانہ میں مرجع علم و فضل تھے، لوگ دور دور سے استفادہ کیلئے آتے تھے، ایک شخص اقصائے قسطاس سے مسئلہ پوچھنے آیا تھا،[۲]

جہاں کہیں جاتے تو شائقین حدیث آپ کی جانب رجوع کرتے ایک مرتبہ بصرہ گئے تو حضرت عباسؓ نے درخواست کی کہ فلاں حدیث جس کو آپ نے روایت کیا تھا، اس کے سننے کا پھر مشتاق ہوں،[۳]

ایک مرتبہ عطیہ عوفی نے آکر کہا کہ آپ نے میرے داماد سے فلاں حدیث بیان کی تھی میں اس ارادہ سے حاضر ہوا کہ خود آکر آپ سے سنوں، انھوں نے حدیث بیان کی تو عطیہ بولے یہ بھی فقرہ تھا، فرمایا:

انما انا اخبرلت کما سمعت[۴] بھائی میں نے جو کچھ سنا تھا تم سے بیان کردیا

حدیثوں کے علاوہ، جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں اور یاد تھیں، وہ لوگوں کو بتلاتے تھے، ایک مرتبہ کہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا ھن ونحن نعلمکموھن[۵] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمکو سکھلاتے تھے ہم تم کو سکھلاتے ہیں،

لیکن آپ روایت حدیث میں بہت محتاط تھے،

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں،

---

[۱] طبقات ابن سعد ص ج ۶ [۲] مسند ص ج ۴ ص ۳ [۳] ایضاً ص ۳۶ [۴] ایضاً ص ۳ [۵] ایضاً ص ۳

كنا اذا جئناه قلنا حدثنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال انا قد كبرنا ونسينا والحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم شديد

یعنی ہم حدیث کی درخواست کرتے تو جواب ملتا کہ میں بڈھا ہوا اور بھول گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا بڑا کام ہے۔

ایک مرتبہ چند آدمی سماع حدیث کے لئے حاضر خدمت ہوئے، پہلے ان کی تعریف و توصیف کی کہ اللہ نے آپ کو بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے، آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال باکمال دیکھا، حدیث سنی، غزوات میں شریک ہوئے، نمازیں پڑھیں، اس سے بڑھ کر اور کیا شرف ہو سکتا ہے، فرمایا برادرزادے! میں بوڑھا ہوا، وہ زمانہ گذر چکا، بہت سی باتیں خواب و خیال ہو گئیں، حدیثوں کا بڑا سرمایہ نسیان و سہو کے نذر ہو گیا، اس لئے جو حدیث خود بیان کر دوں، اس کو سن لیا کرو، باقی روایت کی تکلیف دینا تو یہ مناسب نہیں[1]۔

اسی لئے روایتوں کی کل تعداد (۹۰) ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ سے حدیثیں سنی تھیں؛ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت انسؓ بن مالک (کتاب سے روایت کرتے تھے) عبداللہ بن عباسؓ، ابوالطفیلؓ، ابوعثمان ہندی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، عبد خیر ہمدانی، طاؤس، نضر بن انس، ابوعمر شیبانی، ابوالمنہال، عبدالرحمن بن مطعم، ابواسحاق سبیعی، محمد بن کعب قرظی، ابوحمزہ طلحہ ابن یزید، عبداللہ بن حارث بصری، قاسم بن عوف، یزید بن حیان زیادہ مشہور ہیں،

اخلاق وعادات، اسلام کی روحانی تربیت کا اثر، زندگی کے تمام شعبوں سے نمایاں ہے، سورۂ منافقین کی بعض آیات ان کے جوش ملی کی شاہد ہیں،

ایک غزوہ میں جو نہایت عسرت و تنگی کے زمانہ میں پیش آیا تھا، اپنے چچا کے ساتھ تھے

---

[1] مسند ج ۴ ص ۳۷۰، ایضاً ص ۳۷۲۔

عبداللہ بن ابی سرگروہ منافقین اپنی جماعت سے کہہ رہا تھا کہ مہاجرین کی مدد بالکل بند کردو تو وہ تنگ آکر خود بخود مدینہ سے چلے جائیں گے، اور ہیں یہاں سے چل کر ذلیل لوگوں کو شہر بدر کردونگا، یہ جملے ان کو نہایت ناگوار گذرے، گو ابن ابی ان کا ہم قبیلہ اور رئیس خزرج تھا، مگر انھوں نے اپنے چچا سے شکایت کی، ان کی غیرت ایمانی نے واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچایا، آپ نے زید اور ابن ابی کو بلاکر دریافت فرمایا، وہ اپنی جماعت کے ساتھ آیا، اور قسم کھائی کہ میں نے کچھ نہیں کیا، ابن ارقم جھوٹ بولتے ہیں، اس پر تمام انصار زید بن ارقمؓ کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بیان کیا، ان کے چچا بھی انصار کے ہم نوا ہوگئے کہ مفت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کردیا، حضرت زیدؓ کو سخت افسوس ہوا گھر میں جاکر بیٹھ رہے، اسی حالت میں نیند آگئی ابھی بیدار نہ ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ منافقین کی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں ان کی تصدیق اور منافقین کا سارا حال مذکور تھا، آپ نے آدمی بھیجا کہ زیدؓ کو بلا لاؤ، خدمت اقدس میں پہونچے تو آیتیں سناکر ارشاد ہوا کہ

ان اللہ صدقک یا زید[1] — اے زید! خدا نے تمھاری تصدیق فرمائی،

امر بالمعروف فرائض میں داخل تھا،

مسجد قبا میں کچھ لوگ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے، ادھر سے گذرے تو فرمایا کہ ان کو معلوم نہیں، کہ اوابین کا اس سے بہتر ایک وقت ہے، اور وہ جب ہے کہ گرمی کی شدت سے تلوے جلنے لگیں[2]،

---

[1] صحیح بخاری ص ۷۲۷، و ۷۲۸، ج ۲ [2] مسند ص ۳۶۶،

ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہؓ نے جناب امیر علیہ السلام کی شان میں نالائم الفاظ استعمال کئے، تو انھوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو برا کہنے سے منع کیا کرتے تھے، علیؑ کا انتقال ہوچکا اب ان کو برا کیوں کہتے ہو۔[1]

سنت نبوی کے تبع تھے،

جنازہ پر عموماً ۴ تکبیریں کہا کرتے تھے، ایک مرتبہ ۵ کہیں، ایک شخص نے ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ سہو تو نہیں ہوگیا، فرمایا یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اس کو میں کیونکر چھوڑ دیتا۔[2]

بارگاہ نبوی میں تقرب حاصل تھا، جب کبھی یہ بیمار پڑتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لیجاتے۔

ایک مرتبہ آنکھ میں درد اٹھا آپ عیادت کو تشریف لائے، صحت یابی کے بعد پوچھا کیوں ابن ارقم! اگر یہ باقی رہجاتا تو کیا کرتے؟ عرض کی صبر کرتا، اور اجر کا امیدوار رہتا فرمایا اگر ایسا کرتے تو خدا کے سامنے بے گناہ جاتے۔[3]

مصیبت میں لوگوں کی ہمدردی وغمگساری کرتے تھے،

حرہ کے واقعہ میں حضرت انسؓ کا ایک لڑکا اور بعض اعزہ مارے گئے تو ان کو تعزیت کا ایک خط لکھا کہ میں تم کو خدا کی ایک بشارت سناتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدایا! انصار، ان کی اولاد، اولاد در اولاد، ان کی عورتیں اور ان کی تمام اولاد کی مغفرت فرما۔[4]

مداہنت کے کمال کا اعتراف نہایت کشادہ دلی سے کرتے تھے اور سوال

---

[1] مسند ج ۴ ص ۳٦۹ [2] ایضاً ص ۳٦۷ [3] ایضاً ص ۳٧۵ [4] ایضاً ص ۳٧۴،

کرنے والوں کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے،

ایک مرتبہ ابوالمنہال بیع صرف کے متعلق ان سے مسئلہ دریافت کرنے آئے، انھوں نے کہا براءؓ سے پوچھو، وہ مجھ سے بہتر اور زیادہ عالم ہیں، جب وہ حضرت براء بن عازبؓ کے پاس گئے تو انھوں نے مسئلہ بتا کر کہا کہ اس کی تصدیق زیدؓ سے کرا لینا وہ مجھ سے بہتر اور زیادہ جاننے والے ہیں[1]،

امراء اور حکام سے ملتے رہتے تھے،

عہد نبوت میں تجارت پر بسر اوقات تھی[2]،

---

[1] مسند ج ۴ ص ۳۷۱ [2] ایضاً ص ۳۷۲،

حضرت زیدؓ بن ثابت

نام ونسب اور ابتدائی حالات

زید نام، ابوسعید، ابوخارجہ، ابوعبدالرحمن کنیت، مقری، فرضی، کاتب الوحی، جرالامت القاب، قبیلۂ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے

زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار، والدہ کا نام نوار بنت مالک بن معاویہ بن عدی تھا، جو حضرت انس بن مالکؓ کے خاندان سے تھیں،

انصار میں اسلام سے پہلے جو لڑائیاں ہوئی تھیں، ان میں یوم بعاث سب سے زیادہ مشہور ہے، حضرت زیدؓ کے والد اسی لڑائی میں قتل ہوئے، یہ واقعہ ہجرت سے ۵ سال قبل کا ہے، اس وقت ان کی عمر کل ۶ برس کی تھی،

حضرت زیدؓ والدہ کے ظل عاطفت میں پرورش پاتے رہے، ۱۱ برس کے ہوئے تو اسلام کی آواز کان میں پڑی،

اسلام

اس زمانہ میں اسلام مدینہ میں مسافر کی حیثیت سے مقیم تھا، حضرت مصعب بن عمیرؓ مبلغ اسلام، توحید و رسالت کا وعظ کہہ رہے تھے، حضرت زیدؓ نے اسی صغر سنی میں اسلام قبول کیا، کسی انسان کا اگر بلوغ سے قبل ایمان لانا باعث فخر و مباہات ہو سکتا ہے، تو حضرت زیدؓ نے گیارہ سال کی عمر میں یہ فخر حاصل کیا، اور ابتدا ہی سے ان کا دامن شرک کے داغ سے پاک رہا،

غزوات اور عام حالات | حضرت زیدؓ نے مسلمان ہوتے ہی قرآن پڑھنا شروع کیا، اس بنا پر لوگ ان کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہ ۱۷ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے، لوگ ان کو آپ کی خدمت میں لے گئے اور کہا کہ یہ بنی نجار سے ہیں اور ۱۷ سورتیں پڑھ چکے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سُن کر بہت خوش ہوئے، زیدؓ نے قرآن سنایا تو آپ کو بڑا تعجب ہوا،

ابھی حضرت زیدؓ کا سن ۱۳ سال کا تھا کہ غزوہ بدر پیش آیا، انصار و مہاجرین کا مجمع جب میدانِ جنگ کو روانہ ہوا تو ۱۳ برس کے اس بچہ نے بھی لڑائی کا عزم بالجزم کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذبرو بچوں کی ایک جماعت کے ساتھ پیش ہوئے، آپؐ نے ان کی کم سنی پر نظر فرما کر واپس کر دیا،

غزوۂ احد کی شرکت کے متعلق بھی اختلاف ہے، بعض کا خیال ہے کہ غزوۂ خندق جو ۵ھ میں واقع ہوا تھا حضرت زیدؓ کا پہلا غزوہ تھا اس وقت ان کا سن ۱۷ سال کا تھا اور وہ شرکت جہاد کی عمر کے مطابق ہو چکے تھے،

غزوہ خندق میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ معرکہ کارزار میں موجود تھے اور خندق کھودنے والی جماعت میں شامل تھے، اور مٹی نکال کر باہر لاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو فرمایا کیسا اچھا لڑکا ہے، اتفاق سے ان کو نیند آگئی، عمارہ ابن حزم نے دیکھا تو مذاق سے اُن کے ہتھیار اُتار لئے، زیدؓ کو خبر نہ ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاس تھے مزاحاً فرمایا، یا ابا رقاد یعنی اے نیند کے باپ اُٹھو، اور لوگوں کو منع فرمایا کہ اس قسم کا مذاق نہ کیا کریں،

غزوۂ تبوک میں ان کے قبیلہ مالک بن نجار کا علم عمارہ بن حزم کے ہاتھ میں تھا بعد

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بڑھکر زیدؓ کو عطا فرمایا، عمارہؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مجھ سے کون سی خطا ہوئی، فرمایا، کچھ نہیں، مجھے قرآن کا لحاظ مد نظر ہے، زید تم سے زیادہ قرآن پڑھ چکے ہیں،

جنگ یمامہ میں جو حضرت ابوبکرؓ کے عہد مبارک میں مسیلمہ کذاب سے ہوئی تھی، حضرت زیدؓ شامل تھے، اس میں ان کو ایک تیر لگا لیکن جسم کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا،

اعمال عظیمہ حضرت زیدؓ بن ارقم کی عظیم الشان زندگی اعمال صالحہ کا ایک مجموعہ ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

قرآن مجید اسلام کا اصل الاصول ہے، اس کے جمع کرنے کا فخر جس مقدس انسان کو حاصل ہوا، وہ حضرت زید بن ثابتؓ انصاری کاتب الوحی ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک قرآن مجید، ہڈی، کھال، کھجور کی شاخ اور مسلمانوں کے دلوں میں محفوظ تھا، صحابہ میں بہت سے بزرگ تھے، جن کو حفظ قرآن کا شوق پیدا ہو گیا تھا، وہ قرآن کے حافظ ہو چکے تھے، حضرت زیدؓ بھی انہی حفاظ میں تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کا ایک گروہ مرتد ہو کر مسیلمہ کذاب سے مل گیا، جس نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اس پر فوج کشی کی اور مسیلمہ شکست کھا کر مارا گیا، لیکن اس غزوہ میں ۷۰ حفاظ نے جام شہادت پیا، اس بنا پر حضرت عمرؓ کو قرآن جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا، انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اگر حفاظ کی شہادت کی یہی حالت رہی تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائیگا، اس لئے قرآن مجید کو جمع کر لیجئے، حضرت ابوبکرؓ نے منظور کیا اور حضرت زیدؓ کو بلا کر کہا کہ تم عقلمند اور جوان آدمی ہو، تمھاری طرف سے سب کو اطمینان ہے، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ

میں وحی لکھی تھی، اس لئے تم ہی اس کام کو انجام دو، حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ یہ کام مجھ پر ایک پہاڑ سے بھی زیادہ گراں تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ وہ کام کرنا چاہتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، یہ سچ ہے، لیکن کار خیر میں کیا مضائقہ؟ حضرت زیدؓ کو پھر بھی اس کام کو انجام دینے میں تامل ہوا، لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے مختلف پہلوؤں سے سمجھایا تو وہ آمادہ ہو گئے۔[1]

حضرت ابوبکرؓ نے اس کام کے لئے ان کے ساتھ صحابہؓ کی ایک جماعت مامور کی جنکی تعداد ۷۵ تک بیان کیجاتی ہے، ان میں حضرت ابی بن کعبؓ اور سعید بن عاصؓ بھی تھے، حضرت زیدؓ نے قرآن مجید کو جو کھجور کی شاخوں اور پتلے پتلے پتھروں پر لکھا ہوا تھا، جمع کیا، حفاظ سے قرآن سنا، اس کے ماسوا، وہ خود بھی حافظ قرآن تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن جمع کر چکے تھے،[2]

آیات کی صحت کے لئے بعض بعض موقعوں پر مباحثہ کی بھی نوبت آجاتی تھی، ایک مقام پر پہونچ کر زیدؓ نے کہا کہ اس کے بعد یہ آیت (آیت رجم) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا،[3]

غرض اس کد و کاوش کے ساتھ حضرت زیدؓ نے یہ اہم کام انجام دیا، اور پورا قرآن لکھ لیا گیا، مگر ایک آیت کے متعلق ثبوت نہ ملتا تھا، (ثبوت کا یہ طریقہ تھا کہ دو آدمی گواہی دیتے تھے)[4] وہ آیت ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی

[1] مسند ج ۵ ص ۱۸۸، و بخاری ص ۵۰۷، ج ۲، [2] بخاری ج ، ص ۷۴۸، باب القراء، و مسند ج ۵ ص ۱۸۵، اصل الفاظ یہ ہیں بینا نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نولف القرآن من الرقاع، [3] مسند ج ۵ ص ۱۸۳، [4] فتح الباری ج ۹ ص ۱۲،

شہادت دو آدمیوں کے برابر قرار دی تھی[1]، اس لئے حضرت زیدؓ نے گواہی کی ضرورت نہ سمجھی اس کے ماسوا، حضرت زیدؓ کو وہ آیت خود بھی معلوم تھی،

قرآن مجید کا یہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پاس رکھا، ان کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد حضرت حفصہ بنتؓ عمر ام المومنین رضی اللہ عنہا کے مکان میں موجود رہا[2]،

عہد عثمانی میں جب اختلاف قرأت رونما ہوا، تو حضرت حذیفہؓ بن یمان نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ قبل اس کے کہ اسلام میں یہود و نصاریٰ جیسا اختلاف پیدا ہو، آپ اس کا جلد تدارک کیجئے، انھوں نے بھی اس ضرورت کو محسوس کیا اور حضرت زیدؓ کا لکھا ہوا مصحف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے طلب کیا، اور چار بزرگوں کو جن میں ایک زید بھی تھے، کتابت قرآن پر مامور کیا، ان بزرگوں نے مصحف صدیقی کی پانچ نقلیں لیں، حضرت عثمانؓ نے ان کو ممالک اسلامیہ میں بھجوا دیا، اور مصحف صدیقی کو حضرت حفصہؓ کے پاس باحتیاط واپس کیا[3]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمی تھے وحی لکھنے کا کام مختلف صحابہ کرام کے متعلق کیا تھا، متعدد صحابہ اس شرف سے بہرہ اندوز ہوتے تھے، ان میں حضرت زیدؓ بن ثابت کا نام نامی نہایت ممتاز تھا،

حضرت زیدؓ، قلم، دوات، کاغذ، چوڑی ہڈی یا پتلے پتلے پتھر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ جاتے تھے، جب وحی آتی، آپ بولتے اور وہ لکھتے جاتے تھے، جہاں کہیں تحریر کے متعلق کوئی خاص ہدایت دینا ہوتی تو آپ فرما دیتے، اور زیدؓ اس کی تعمیل کرتے، چنانچہ ایک آیت میں جب غیر اولی الضرر کے بڑھانے کی ضرورت ہوئی تو اسکو

---

[1] بخاری ج۲ باب جمع القرآن و [2] بخاری باب جمع القرآن ج۲ [3] ایضاً، مسند ج ۵ ص ۱۸۹،

ہڈی کے شگاف کے پاس لکھا،[۵] (ہڈی ایک جگہ سے شق تھی)

اصلاح امت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی انصار میں خلافت کا مسئلہ پیش ہوگیا، سقیفہ بنی ساعدہ میں تمام انصار جمع تھے، اور رئیس انصار سعد بن عبادہ مجلس کے صدر نشین تھے، انہی کے انتخاب پر لوگوں کی تقریریں ہو رہی تھیں، انصار کی بڑی جماعت ان کی تائید میں تھی، حضرت زید بن ثابتؓ بھی جلسہ میں موجود تھے، مگر رجحان عام کے خلاف آواز بلند کرنا اس وقت کوئی آسان کام نہ تھا، اس لئے خاموش تھے،

اس کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابو عبیدہؓ سقیفہ میں پہونچے، اور مہاجرین کی طرف سے حضرت عمرؓ نے خلافت کی بحث شروع کی، تو سب سے پہلے جس انصاری نے اُن کی تائید کی وہ حضرت زید بن ثابتؓ تھے، انصار کی تقریریں ختم ہونے کے بعد اُنھوں نے ایک مختصر مگر پرمعنی تقریر کی جس کا ایک فقرہ یہ تھا،

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے
کان من المهاجرين وانما الامام	تھے، اسلئے امام کا بھی مہاجرین میں سے انتخاب
یکون من المهاجرين ونحن انصاره	ہونا چاہئے، اور ہم اس کے انصار رہیں گے
کما کنا انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۱]	جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے

ان کی یہ صدا ان کی قوم کے خلاف تھی، تاہم اس کو کوئی دبا نہ سکتا تھا، حضرت زیدؓ کی تقریر ختم ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر تحسین کی، اور کہا خدا تم کو جزائے خیر دے، اگر اس کے علاوہ کوئی بات پیش کیجاتی تو غالباً ہم لوگ ماننے کے لئے تیار نہ ہوتے،[۲] حضرت زیدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا، اور انصار سے کہا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرو،

---

[۵] مسند ص ۱۹۱ ج ۵، [۱] ص ۱۸۶، [۲] ایضاً ص ۱۸۶، [۳] ایضاً ص ۱۸۶،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سلاطین و والیان ملک کے خطوط وقتاً فوقتاً موصول ہوتے تھے، جو اکثر سریانی میں ہوتے تھے، مدینہ میں سریانی جاننے والے صرف یہود تھے، جن کو اسلام سے شدید بغض وعناد تھا، اس بنا پر مصلحت اور دور اندیشی کا تقاضا تھا کہ خود مسلمان اس زبان کو سیکھیں،

حضرت زید بن ثابت نہایت ذکی اور فطین تھے، ۵ھ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس لوگوں کے خطوط آتے ہیں جن کو میں کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا، اس کے سوا مجھ کو یہود پر اطمینان بھی نہیں، اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم عبرانی سیکھ لو، چنانچہ حضرت زید رض نے ۱۵ دن میں عبرانی اور سریانی میں اس قدر مہارت پیدا کر لی کہ خطوط پڑھ لیتے اور جواب لکھ دیتے تھے[1]،

ان کی اسی ذہانت اور علم کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کتابت کے عہدہ پر سرفراز فرمایا تھا، جس پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک فائز رہے،

حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں بھی انکا یہ منصب بحال رہا لیکن اب کام کی کثرت ہو گئی تھی اس لیے معیقب دوسی ان کے مددگار مقرر کئے گئے،

قضا حکومت اسلامیہ کا ایک جلیل القدر منصب قضا ہے جو حضرت فاروق رض کے عہد میں قائم ہوا[2]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رض کے زمانہ تک اس محکمہ کا مستقل وجود

[1] مسند ج ۵ ص ۱۸۲ [2] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قضا حضرت عثمان رض کی ایجاد ہے لیکن یہ صحیح نہیں، حضرت عمر رض نے اپنی خلافت کے درمیانی عہد میں محکمہ قضا کو وجود کا لباس پہنا دیا تھا، چنانچہ یزید بن اخت النمر کو محکمہ قضا کے چند چھوٹے چھوٹے کام سپرد کئے تھے، (ج ۵، کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۳) اسکے ماسوا بعض روایتوں کے بموجب حضرت علی رض کو بھی قضا کا کام کاروبار تفویض کیا تھا، کنز بحوالہ جامع عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۷۵،

نہ تھا، حضرت عمرؓ نے اس کی بنیاد قائم کی اور حضرت زیدؓ کو مدینہ کا قاضی مقرر کیا، طبقات ابن سعد اور اخبار القضاۃ میں ہے،

ان عمر استعمل زیداً علی القضاء — یعنی حضرت عمرؓ نے زید کو قاضی بنایا اور

وفرض لہ رزقاً، — ان کی تنخواہ مقرر کی،

اس وقت تک قاضی کے لیے عدالت کی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی، اس لئے زیدؓ کا گھر دار القضا کا کام دیتا تھا، مکان فرش سے آراستہ تھا، اس کے صدر میں حضرت زیدؓ فیصلہ کے وقت متمکن ہوتے تھے، دار الخلافت اور تمام قرب وجوار کے مقدمات حضرت زیدؓ کے پاس آتے تھے، یہاں تک کہ خود خلیفۂ وقت (حضرت عمرؓ) پر بھی یہاں دعوی داخل کئے جاتے تھے، اور اس کا فیصلہ بھی یہیں ہوتا تھا،

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ میں کچھ نزاع ہوئی، حضرت زیدؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر ہوا، حضرت عمرؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے، حضرت زیدؓ نے جیسا کہ آج بھی امرا ورؤساء کو کرسی دینے کا دستور ہے حضرت عمرؓ کے لئے اپنی جگہ خالی کر دی، لیکن مساوات کا جو اصول اسلام نے قائم کیا تھا، صحابہؓ اس پر نہایت شدت سے عمل پیرا تھے، خصوصاً حضرت عمرؓ نے اس کو نہایت عام کر دیا تھا، اس بناء پر حضرت عمرؓ نے زید سے فرمایا، کہ یہ آپ کی پہلی ناانصافی ہے، مجھ کو اپنے فریق کے ساتھ بیٹھنا چاہیئے، چنانچہ دونوں بزرگ عدالت کے سامنے بیٹھے، مقدمہ پیش ہوا، حضرت ابیؓ مدعی تھے، اور حضرت عمرؓ کو انکار تھا، شرعاً منکر پر قسم واجب ہوتی ہے لیکن حضرت زیدؓ نے خلافت کے ادب واحترام کی بناء پر مدعی سے درخواست کی کہ اگرچہ یہ قاعدہ نہیں تاہم آپ امیر المومنین کو قسم سے معاف کر دیجئے، حضرت عمرؓ نے کہا اس رعایت کی ضرورت نہیں، فیصلہ میں عمر اور ایک

عام مسلمان آپ کے نزدیک برابر ہونے چاہئیں[۵]،

بیت المال کی افسری | ممالک اسلامیہ میں اگرچہ بہت سے مقامی بیت المال قائم تھے لیکن سب سے بڑا خزانہ دارالخلافہ مدینہ منورہ میں رہتا تھا، حضرت زیدؓ اس کے افسر تھے ۳۱ھ میں حضرت عثمان رضؓ نے یہ عہدہ ان کو تفویض فرمایا تھا، بیت المال کے عملہ میں زید کا ایک غلام وہیب بھی تھا وہ نہایت ہوشیار تھا، اور بیت المال کے کاموں میں مدد دیتا تھا، ایک دن وہ بیت المال میں گنگنا رہا تھا، کہ حضرت عثمانؓ آگئے، پوچھا یہ کون ہے؟ زید نے کہا میرا مملوک ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، اس کا ہم پر حق ہے، کیونکہ یہ مسلمانوں کی مدد کرتا ہے (بیت المال کے کام کی طرف اشارہ تھا) چنانچہ ۲ ہزار اس کا وظیفہ مقرر کرنیکا ارادہ ظاہر فرمایا، لیکن حضرت زیدؓ کے مزاج میں عصبیت تھی وہ حر و عبد کو ایک نگاہ سے دیکھ نہ سکتے تھے حضرت عثمانؓ سے کہا، ۲ ہزار نہیں بلکہ ایک ہزار مقرر کیجئے، حضرت عثمانؓ نے ان کی درخواست منظور کرلی اور اس کا ایک ہزار وظیفہ مقرر کردیا،

مجلس شوریٰ کی رکنیت | حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں انصار و مہاجرین کے ممتاز اصحاب کی جو مجلس شوریٰ تھی، حضرت زیدؓ بھی اس کے ایک رکن تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اسکا جماعت کو باضابطہ کونسل قرار دیا تھا، حضرت زیدؓ اس کے بھی ممبر تھے[۶]

امارت مدینہ منورہ | حضرت زیدؓ میں علمی و دینی کمالات کے ساتھ انتظامی قابلیت بھی تھی، اور ان پر اتنا اعتماد تھا کہ حضرت عمرؓ نے جب مدینہ سے سفر کیا تو اپنا جانشین انہی کو مقرر کیا، حضرت عثمانؓ کا بھی یہی طرز عمل رہا، وہ جب حج کو مکہ معظمہ روانہ ہوتے تو زیدؓ کو کاروبار خلافت سپرد کرجاتے تھے،

۵؎ کنز العمال ج ۳ ص ۳۱ بحوالہ بخاری و مسلم ۶؎ طبقات ابن سعد ص ۱۱۵ ج ۲ قسم ۲

خلافت فاروقی میں زید کو ۳ مرتبہ حضرت عمرؓ کی ہم نشینی کا فخر حاصل ہوا، سنہ ۱۶ھ اور سنہ ۱۷ھ میں دو مرتبہ حضرت عمرؓ کے حج کے موقع پر، تیسری مرتبہ ان کے شام کے سفر کے زمانہ میں شام پہونچ کر زیدؓ کو آپ نے جب خط لکھا تو اس میں زید کا نام اپنے نام سے پہلے تحریر کیا، یعنی الی زید بن ثابت من عمر بن الخطاب ہر دفعہ حضرت زیدؓ نے خلافت کی ذمہ داریوں کو نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے انجام دیا، حضرت عمرؓ ان کے انتظام سے بہت خوش ہوتے اور واپس آکر ان کو کچھ جاگیر دیدیتے تھے،

تقسیم مال غنیمت

ایمان کے ۷۰ سے اوپر شعبے اور شاخیں ہیں، امانت، ایمان کا ایک ضروری جزو ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،

لا ایمان لمن لا امانة له — جس میں امانت نہیں اسمیں ایمان بھی نہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جو مال غنیمت آتا تھا، اکثر آپ خود تقسیم فرماتے تھے، اس سے اس کام کی اہمیت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے، حضرت عمرؓ کے عہد میں یرموک کا واقعہ نہایت اہم اور مشہور ہے، اس میں مال غنیمت کی تقسیم حضرت زیدؓ کے سپرد تھی، اس کے ماسوا حضرت عمرؓ نے جب صحابہ کے وظائف مقرر کئے تو انصار کے وظائف کی تقسیم بھی انہی کو تفویض کی، انھوں نے عوالی سے تقسیم شروع کی، اس کے بعد عبد الاشہل کا نمبر رکھا، اس کے بعد اوس کے محلہ کا، پھر قبائل خزرج کا، اور سب سے اخیر میں اپنا حصہ لیا[1]

[1] کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۶

سیاسی خدمت

حضرت زید بن ثابتؓ بارگاہِ خلافت کے مقربین خاص میں تھے، حضرت عمرؓ کے احباب میں ان کا ممتاز درجہ تھا، حضرت عثمانؓ کے بھی وہ معتمد خاص تھے، خلافت عثمانی میں جب آتش فتنہ و فساد مشتعل ہوئی تو وہ خلیفۂ وقت کے طرفدار تھے، اور اس

شورش و انقلاب کے زمانہ میں اُنھوں نے ایک دن انصار کو مخاطب کرکے ایک تقریر کی، جس کا ایک بلیغ فقرہ یہ تھا،

یا معشر الانصار کونوا انصار اللہ مرتین، | یعنی اے انصار خدا کے دو مرتبہ انصار بنو،

بدقسمتی سے بعض صحابۂ کرامؓ حضرت عثمانؓ سے بدظن تھے، اُن میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے اُنھوں نے کہا تم عثمانؓ کی مدد پر صرف اس وجہ سے لوگوں کو آمادہ کرتے ہو کہ اُنھوں نے تم کو بہت سے غلام دیئے ہیں، حضرت ابوایوبؓ بھی با اثر بزرگ تھے، اس لئے زیدؓ کو خاموش ہو جانا پڑا،

خانگی حالات اور اہل وعیال حضرت زیدؓ کی خانگی زندگی نہایت پرلطف تھی، ان بیوی کا نام جمیلہ اور کنیت ام سعد اور ام العلاتھی، سعد بن ربیع انصاری مشہور صحابی کی بیٹی تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں،

حضرت زیدؓ کی اولاد میں خارجہ جو سب سے زیادہ مشہور اور فقہائے سبعہ میں تھے جمیلہ ہی کے بطن سے تھے؛

حضرت زیدؓ کے دوسرے بیٹے اور پوتے بھی اپنے زمانہ میں مشہور اور علم حدیث میں مرجع انام رہے تھے، ان کا مختصر شجرہ یہ ہے،

زید بن ثابتؓ

زید، خارجہ، یحییٰ، سلیمان، عمارہ، سعد، اسماعیل، اسمٰعیل، سلیط، عبدالرحمن، عبداللہ

- سلیمان بن عمارہ
- سعید بن سعد
- قیس بن اسماعیل
- اسمٰعیل ← یعقوب ← اسمٰعیل ← زکریا

حضرت زیدؓ کے آزاد غلام جن کو موالی کہا جاتا ہے، بہت سے تھے، لیکن ان میں سے دو زیادہ مشہور ہیں، ثابتؓ بن عبید، وہیبؓ،

وفات | پچپن۔ چھپن سال کا سن مبارک تھا کہ پیام اجل آگیا، اور ۴۵ھ میں وفات پائی، اس وقت تخت حکومت پر امیر معاویہؓ متمکن تھے، اور مروان بن حکم مدینہ منورہ کا امیر تھا، وہ حضرت زیدؓ سے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا، چنانچہ اسی نے نماز جنازہ پڑھائی، تمام لوگ سخت غمگین تھے، حضرت ابوہریرہؓ نے موت کی خبر سن کر کہا آج حبرالامۃ اٹھ گیا،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور سعید بن مسیبؒ بھی جنازہ میں شریک تھے، قبر میں لاش اتاری گئی تو حضرت ابن عباسؓ نے نہایت حسرت سے کہا دیکھو! علم اس طرح جاتا ہے، آج علم کا بڑا حصہ دفن ہو گیا، حسان بن ثابتؓ نے مرثیہ میں یہ شعر لکھا،

فمن للقوافی بعد حسان وابنہ ۔۔۔ ومن للمعانی بعد زید بن ثابتؓ

حسان اور اس کے بیٹے کے بعد ۔۔۔ اور زید بن ثابتؓ کے بعد معنی فہمی کا خاتمہ ہے

علم وفضل | قرأت، فرائض، قضا اور فتویٰ میں وہ نہایت ممتاز تھے، قرآن مجید میں علماء کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ راسخین فی العلم ہوں، حضرت زید بن ثابتؓ راسخ فی العلم تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو صحابہ میں دریائے علم کہلاتے تھے، حضرت زیدؓ کو راسخین فی العلم شمار کرتے تھے،

قرأت | اسلام نے جن علوم وفنون کی بنیاد قائم کی ان میں قرأۃ ایک ممتاز علم ہے حضرت زیدؓ کو اس فن میں جس قدر دخل تھا، اس کا اعتراف صحابہ اور تابعین کے ہر فرد کو تھا، امام شعبیؒ جو علامۃ التابعین تھے کہا کرتے تھے کہ زیدؓ فرائض کی طرح قرأت میں

بھی تمام صحابہ سے فوقیت دے گئے تھے"

قرآن مجید کے ساتھ حضرت زیدؓ کو جو شغف تھا، اس کا ظہور ان کے قبول اسلام کے وقت ہو چکا تھا، صرف ۱۱ برس کے سن میں وہ ۱۷ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے، باقی زندگی کتابتِ وحی میں گذری تھی، مبلغ وحی پر قرآن کا جتنا حصہ اُترتا، ان کو معلوم ہو جاتا تھا، اور وہ اس کو یاد کر لیتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں انکو پورا قرآن حفظ ہو گیا تھا،

اس بنا پر جب حضرت ابوبکرؓ نے قرآن لکھوایا تو اس خدمت کے لئے حضرت زیدؓ ہی کو منتخب فرمایا، اور حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب اس کی نقلیں کرائیں تو اس میں حضرت زیدؓ کی شرکت بھی ضرورت سمجھی،

حضرت عمرؓ ابی بن کعبؓ کے مقابلہ میں جو قاریوں کے سردار تھے حضرت زیدؓ کی قرأت کو ترجیح دیتے تھے،

حضرت زیدؓ کا سلسلۂ قرأت دور دور تک پھیلا ہوا تھا، اور چونکہ قرأت قریش کے مطابق پڑھتے تھے، اس لئے لوگوں کا رجحان انہی کی قرأت کی طرف تھا، حضرت ابی ابن کعبؓ کی زندگی تک اگرچہ وہ مرجع انام نہ ہو سکے، لیکن ان کی وفات کے بعد تمام عالم اسلامی ان ہی کی طرف رجوع کرتا تھا، مدینہ منورہ میں حضرت زیدؓ کی ذات اقدس تمام اکناف و اطراف کی قبلۂ حاجات بنی ہوئی تھی،

حضرت زیدؓ سے جو قرأت قائم ہوئی تھی، وہ ۱۳۰۰ برس گذرنے پر بھی باقی ہے" ابن عباسؓ، ابو عبد الرحمن سلمی، ابو العالیہ ریاحی، ابو جعفر، یہ سب ان کے شاگرد تھے، اور آج تک روے زمین کی ۴۰ کروڑ مسلم آبادی معنوی طور سے ان کے آشانہ پر

زانوے تلمذ تہ کرتی ہے،

حدیث قرآن کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے، حضرت زیدؓ اگرچہ اور بزرگوں کی طرح کثیر الروایہ نہ تھے تاہم فن حدیث میں ان کا امتیاز یہ ہے کہ درایت سے کام لیتے تھے حضرت رافع بن خدیجؓ نے لوگوں سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیت کرایہ پر اٹھانے کی ممانعت کی ہے، زید ابن ثابتؓ سنا تو کہا "خدا رافع کی مغفرت کرے مجھکو ان سے زیادہ روایت کی حقیقت معلوم ہے واقعہ یہ تھا کہ دو شخص آپس میں جھگڑ رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہی حالت ہے تو کھیتوں کو کرایہ پر نہ اٹھانا چاہئیے، رافع نے صرف اخیر کا ٹکڑا سن لیا،[1]

حضرت عائشہؓ نے حضرت زبیرؓ کی اولاد سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلعم نے ان کے یہاں عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی تھی، ان لوگوں نے اسے سنت سمجھ کر پڑھنا شروع کر دیا، حضرت زیدؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا، "خدا عائشہؓ کی مغفرت کرے، ہمکو ان سے زیادہ حدیث کا علم ہے، عصر کے بعد نماز پڑھنے کا سبب یہ تھا کہ دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کچھ اعراب آگئے تھے، وہ سوال کرتے تھے، آپ جواب دیتے تھے، یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا، آنحضرت صلعم نے ظہر پڑھی اور صرف فرض پڑھ کر مسائل بتانے کو ان کے پاس بیٹھ گئے، جب عصر کا وقت آیا تو ان سے فارغ ہوئے اور مکان جا کر یاد آیا کہ ظہر کے فرض کے بعد سنت نہیں پڑھی تھی، اس لئے ان کو عصر کے بعد تمام کیا، خدا عائشہؓ کی مغفرت کرے مجھے ان سے زیادہ معلوم ہے، کہ آنحضرت صلعم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے[2]،

جو احادیث صحیح ہوتیں، اگر ان کی نسبت کوئی سوال کرتا، تو تصدیق فرماتے تھے، حضرت ابو سعید خدریؓ نے مروان کے سامنے فضیلت صحابہ پر حدیث پڑھی مروان نے کہا تم جھوٹ

[1] مسند ج ۵، ص ۱۸۲، [2] ایضاً ص ۱۸۵،

سکتے ہو زیدؓ اور رافع بن خدیجؓ مروان کے برابر تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، ابو سعیدؓ نے کہا تم ان سے پوچھ سکتے ہو مروان کو برا معلوم ہوا ان کے مارنے کو درہ اٹھایا دونوں بزرگوں نے ابو سعیدؓ کی تصدیق کی،[1]

حضرت زیدؓ کی زیادہ روایات آنحضرت صلعم سے ہیں، آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ سے بھی روایت کی ہے،

ان کے رواۃ حدیث اور تلامذہ کا بڑا گروہ ہے جن میں مخصوص حضرات کے نام نامی یہ ہیں،

حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت سہلؓ بن حنیف حضرت ابن عمرؓ، حضرت سہلؓ بن سعد، حضرت عبد اللہؓ بن یزید خطمی (یہ لوگ صحابہ ہیں) سعید بن مسیب، قاسم بن محمدؒ بن ابی بکر، ابانؒ بن عثمان، خارجہ بن زید، (حضرت زیدؓ کے بیٹے اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں تھے) سہل بن ابی حثمہ، ابو عمرہ، مروان بن حکم، عبید بن سباق، عطار بن یسار، بسر بن سعید بجر بدری، طاؤس، عروہ، سلمان بن زید، ثابت بن عبید، ام سعدؓ (زوجہ تھیں)

حضرت زیدؓ کی احادیث مرویہ کی تعداد نہایت قلیل ہے، یعنی صرف (۹۲) جن میں ۵ متفق علیہ ہیں، اور یہ روایت میں سخت احتیاط کا سبب ہے،

ورنہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے، آپ سے ہزاروں حدیثیں سنی ہونگی، سینکڑوں قسم کے واقعات کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہوگا ،، اس قلت روایت کا سبب ایک حدیث نبوی تھی، جو حضرت زیدؓ جیسے ثقہ راویان حدیث کو روایت کے وقت محتاط کردیتی تھی،

فرائض اگرچہ فقہ میں حضرت زیدؓ کو یہ کمال حاصل تھا، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مقدس میں

---

[1] مسند ص۱۸۵ ج ۵،

ہیں وہ منصب افتاء پر سرفراز تھے، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی وہ دار الخلافت کے مفتی رہے لیکن فقہ کے تمام ابواب میں فرائض کا باب، حضرت زیدؓ کا خاص فن تھا، رسول اللہ صلعم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے، افرض امتی زید بن ثابت، یعنی میری امت کے سب سے بڑے فرائض داں زید بن ثابت ہیں، حامل نبوتؐ کی زبان کا یہ فقرہ حضرت زیدؓ کی فرائض دانی کا سب سے بڑا ثبوت ہے،

حضرت زیدؓ کے عالم فرائض ہونے کا تمام صحابہؓ کو اعتراف تھا، حضرت عمرؓ نے خطبہ جابیہ میں ہزاروں آدمیوں کے سامنے حضرت زیدؓ کا نام اس حیثیت سے پیش کیا تھا کہ

من کان یرید ان یسأل	یعنی جس کو فرائض کے سوالات
من الفرائض فلیات زید	کرنا ہوں وہ زید بن ثابت کے
ابن ثابت،	پاس جائے"

ان کے کمالات کا اعتراف حضرت عمرؓ کو حضرت زیدؓ کی علمی قابلیت کا اس درجہ پاس تھا کہ مدینہ سے باہر ان کو کہیں نہ جانے دیتے تھے، مختلف مقاموں میں بڑے بڑے عہدے خالی ہوتے، امور مہمہ کی انجام دہی کی ضرورت ہوتی اور ان کے لئے لوگوں کے نام پیش کئے جاتے تو حضرت عمرؓ ان میں سے کسی کا انتخاب فرما دیتے، مگر جب زیدؓ کا نام پیش ہوتا تو حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے کہ زید میری نظروں سے گر نہیں گئے، لیکن کیا کروں؟ شہر والے ان کے محتاج ہیں، کیونکہ جو چیز ان کے پاس ہے کسی کے پاس نہیں ہے[1]،

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ زید خلافت فاروقی کے عالم اور حبر تھے، تمام لوگوں کو حضرت عمرؓ نے شہروں اور ملکوں میں پھیلا دیا تھا، اور فتوی یا رائے دینے سے منع کر دیا تھا،

---

[1] طبقات صفحہ ۱۱۶ ج ۲ قسم ثانی،

لیکن زید مدینہ میں بیٹھ کر اہل مدینہ اور تمام آنے جانے والوں کو فتویٰ دیتے تھے[1]

سعید بن مسیبؒ مجتہد ہونے کے باوجود فتوی اور فیصلوں میں حضرت زیدؓ کے پیرو تھے جب کوئی مشکل مسئلہ آجاتا اور لوگ دوسرے صحابہ کے اجتہادات بیان کرتے تو سعید ان سے پوچھتے کہ زیدؓ نے کیا کہا ہے، ؟ زید بن ثابتؓ فیصلوں کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے، اور جن مسائل کے متعلق حدیث وارد نہیں ہے، ان کے بتاتے وقت سب سے زیادہ بصیرت رکھنے والے تھے ان کا کوئی قول ہو تو پیش کرو[2]

امام مالک جو اپنے زمانہ میں، دارالہجرۃ مدینہ کے امام تھے، اور آج بھی فقہ و حدیث میں لاکھوں آدمیوں کے لئے امام مطلق ہیں، کہا کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کے بعد زید بن ثابتؓ مدینہ منورہ کے امام تھے، اور امام شافعیؒ نے فرائض کے تمام مسائل میں حضرت زیدؓ کی تقلید کی ہے

علم فرائض کی تدوین، فرائض کا فن نہایت مشکل ہے، قرآن مجید میں اگرچہ مجملاً فرائض کے تمام مہمات مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن ان کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و صحابہ کے قضایا اور فتاویٰ سے ہوتی ہے، قرآن مجید میں میراث و وصیت کے متعلق جو کچھ ہے وہ نہایت مختصر ہے میراث زوج، میراث زوجہ، اولاد ذکور، اولاد اناث، ماں، باپ، بھائی بہن، کلالہ اور دیگر چند قسم کے ورثاء کا تذکرہ آیا ہے اور ان کے حصوں کی مقدار کی تعیین کر کے کہدیا گیا ہے کہ جو شخص خدا کے ان حدود سے متجاوز ہوگا اپنے نفس پر ظلم کریگا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیصلوں میں اس اجمال کی تفصیل کی، آپ کے بعد زید بن ثابت نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ آگے چل کر اس پر کتابیں لکھی گئیں، اور فرائض ایک مستقل فن بن گیا،

---

[1] طبقات ص ۱۱۶ ج ۲ ق ۲ [2] ایضاً ص ۱۱۷،

حضرت زیدؓ سے فرائض میں جلیل القدر صحابہ فتویٰ پوچھتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جن کا فضل و کمال تمام صحابہؓ کو تسلیم تھا، حضرت زیدؓ سے استفسار کرتے تھے،

حضرت عمرؓ کے ایک غلام نے وفات پائی، تو ابن عمرؓ نے پوچھا کہ متروکہ میں عمر کی لڑکیاں بھی حصہ پائیں گی؟ حضرت زیدؓ نے کہا میرے نزدیک تو نہ دینا چاہیئے، لیکن تم چاہو تو دے سکتے ہو، ابن عمرؓ نے اس پر یہاں تک عمل کیا کہ حضرت عمرؓ کے جتنے غلام مرے کسی کے مال میں لڑکیوں کا حصہ نہیں لگایا[1]،

اہل یمامہ کے قتل میں حضرت ابوبکرؓ نے زید کے فتویٰ کے متعلق فیصلہ کیا تھا یعنی جو لوگ زندہ بچ گئے تھے ان کو مردوں کا وارث ٹھہرایا تھا، یہ نہیں کیا کہ مردوں کو باہم وارث بنا دیتے[2]،

طاعون عمواس میں جب خاندان کے خاندان صاف ہو گئے اس وقت حضرت عمرؓ نے بھی حضرت زیدؓ کی اسی رائے پر فیصلہ کیا تھا[3]، حضرت عبداللہ بن عباس جو صحابہؓ میں حبر اور بحر کہلاتے تھے حضرت زیدؓ کے جوابات سے تسکین پاتے تھے،

ایک روز اپنے شاگرد عکرمہ کو بھیجا کہ زید سے پوچھو کہ ایک شخص مر گیا ہے اور زوجہ اور والدین میں چھوڑے، ان میں ورثہ کیونکر تقسیم ہوگا، حضرت زیدؓ نے کہا بیوی کو نصف باقی نصف میں ماں کو ثلث اور باپ کو بقیہ، ابن عباسؓ کا خیال اس کے خلاف تھا، وہ ماں کو کل مال میں سے ثلث دلاتے تھے، چنانچہ کہلا بھیجا کہ یہ قرآن میں ہے یا آپ کی رائے ہے؟ حضرت زیدؓ نے کہا میری ذاتی رائے ہے یعنی استنباط ہے، میں ماں کو باپ پر فضیلت نہیں دے سکتا[4]،

دور دراز ممالک سے فتوی آتے تھے، اور حضرت زیدؓ ان کا جواب لکھ کر بھیجتے تھے امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک خط کے ذریعہ سے دادا کے متعلق استفتاء کیا تھا[5]،

---

[1] المدونۃ الکبریٰ امام مالک ج ۳ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳ [3] ایضاً ص ۴ [4] ایضاً ص ۱۱ [5] ایضاً ص ۱۱

حضرت زیدؓ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، لعبد اللہ معاویۃ امیر المومنین من زید بن ثابتؓ انی رأیت من نحو قسم امیر المومنین عمر بین الجد والاخوۃ واحدۃ قسم لہا الثلث ان کانا اختین مع الجد قسم لہا الشطر وللجد الشطر، فان کان للجد اخوات فانہ یقسم للجد الثلث، فان کانوا اکثر من ذالک فانی لم ارکہ حسبت ینقص الجد من الثلث شیئاً، ثم ما خلص للاخوۃ من میراث اخیھم بعد الجد فان بنی الاب والام ھم اولی بعضھم من بعض بما فرض اللہ لھم دون بنی العلۃ فلذالک حسبت نحوا من الذی کان امیر المومنین عمر یقسم بین الجد والاخوۃ من الاب ولم یکن یورث الاخوۃ من الام الذی لیس من الاب مع الجد شیئاً ثم حسبت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کان یقسم بین الجد والاخوۃ نحو الذی کتبت بہ الیک فی ھذہ الصحیفۃ[1]!

حضرت زیدؓ نے فرائض کے مسائل حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ترتیب دئیے، اور متعدد مسائل کا استنباط کیا، قرآن مجید نے وراثت کے متعلق جو کچھ بیان کیا وہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں حضرت زیدؓ کی فہم و عقل نے نئے نئے خیالات پیدا کئے، جو علم الفرائض کا جزو بن گئے، میراث موالی، میراث ولد الابن، میراث ولد ملاعنہ، میراث الولد من ابیہ و امہ، میراث الجد من لا میراث لہ، مانعین وراثت، اور اس قبیل کے دوسرے مسائل حضرت زیدؓ کی فکر رسا اور دماغ نکتہ سنج کی پیدا کردہ ہیں،

حضرت زیدؓ نے دادا کی میراث کی نسبت جو فیصلہ کیا تھا، صحابہ میں اس کے بہت سے مخالف موجود تھے، لیکن صحت اور اتفاق عام کا دامن حضرت زیدؓ ہی کے ہاتھ میں تھا،

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۵۲ ، اصل عبارت یہ ہے علماً واضحاً من زید بن ثابت لفظ نقص ؟ کنز العمال ص ۳ ج ۶،

دادا کی میراث، علم فرائض کا نہایت معرکۃ الآرا مسئلہ ہے، اور خود حضرت زیدؓ نے اسکی نسبت مختلف خیالات ظاہر کئے ہیں[1]، مگر جس رائے پر وہ اخیر وقت تک قائم تھے، فاروق اعظم اور حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کو قابل عمل تصور کیا،

اسلام میں دادا کا حصہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے لیا، ان کا ایک پوتا فوت ہوا تو وہ کل جائداد کا اپنے کو مستحق سمجھتے تھے، لوگوں نے اس کے خلاف رائے دی، حضرت عمرؓ حضرت زیدؓ کے گھر پہونچے، اس وقت وہ کنگھی کر رہے تھے، اور کنیز بال درست کرتی جاتی تھی، پوچھا آپ نے کیوں تکلیف کی مجھکو بلا لیا ہوتا، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ وحی نہ تھی، کہ جس میں گھٹنے بڑھنے کا احتمال ہوتا، ایک مسئلہ کے متعلق مشورہ کرنے آیا ہوں، اگر تمھاری رائے میرے موافق ہوگی تو عمل کرونگا ورنہ تم پر کوئی الزام نہیں، زیدؓ نے ایسی صورت میں رائے دینے سے انکار کیا، حضرت عمرؓ آزردہ چلے آئے ایک روز پھر گئے، زیدؓ نے کہا کہ میں اس کو لکھ کر پیش کرونگا، چنانچہ اس کو شجرہ کی شکل میں مرتب کرکے دیا، حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں خطبہ دیا اور کہا کہ زید بن ثابتؓ نے یہ لکھ کر میرے پاس بھیجا ہے میں اس کو نافذ کرتا ہوں[2]،

اگرچہ حضرت زیدؓ نے علم فرائض کی تدوین کی، اسکے مختلف جزئیات کا استخراج کیا، متعدد نئے مسائل پیدا کئے، لیکن ان کے لئے ان میں سب سے اہم اور اشرف مسئلہ عول کی ایجاد ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عول کے موجد حضرت عباسؓ ہیں جو روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے، اول تو اس واقعہ کی کوئی سند نہیں، اور ہم نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ سند صحیح سے مروی ہے یعنی عبدالرحمٰن ابی زناد نے خارجہ سے روایت کیا ہے جو خود حضرت زیدؓ سے روایت کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ حضرت عباسؓ کو فرائض اور حساب میں دخل نہ تھا اسلئے

---

[1] بخاری صفحہ ۹۹۵ ج ۲ [2] کنز العمال صفحہ ۱۶ ج ۶،

اس قسم کی ایجادیں، ان کی طرف منسوب کرنا، بداہۃً عقل کے خلاف ہے،

حضرت زیدؓ نے علم فرائض کی جو کچھ خدمت کی وہ مذکورۂ بالا واقعات سے واضح ہوگئی اور حامل نبوت کا یہ ارشاد کہ میری امت کے سب سے بڑے فرائض داں زید ہیں، حرف بحرف پورا اترا، حضرت زیدؓ کی اس غیر معمولی ذہانت و ذکاوت، جدت و فکر اور دماغ و دل پر اس دور کے علماء کو تعجب ہوتا تھا،

فقہ | فرائض کی طرح وہ فقہ میں بھی مجتہدین صحابہ میں تھے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فتوےٰ دیتے تھے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، اور امیر معاویہؓ کی خلافتوں میں بھی وہ مدینہ منورہ کے مفتی اعظم تھے، فقہائے صحابہؓ کے تین طبقے ہیں، حضرت زیدؓ کا پہلے طبقے میں شمار تھا، انھوں نے اپنی زندگی میں جس قدر فتوی دیئے ان کی تعداد نہایت کثیر ہے، اگر سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے، تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں[۲]،

حضرت زیدؓ کی فقہ انہی کے زمانہ میں قبول عام کی سند حاصل کر چکی تھی، حضرت سعید ابن مسیبؓ کہا کرتے تھے، کہ زید بن ثابت کا کوئی قول ایسا نہیں جس پر لوگوں نے بالاجماع عمل نہ کیا ہو، صحابہؓ میں سیکڑوں ایسے تھے، جن کے قول پر کسی نے عمل نہیں کیا، لیکن حضرت زیدؓ کے فتووں پر ان کی زندگی ہی میں مشرق و مغرب عمل پیرا تھے[۳]

لوگوں کا خیال ہے کہ علم فقہ کی شہرت و وسعت کا باعث صحابۂ کرام میں چار بزرگوں کی ذات تھی، زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ ابن عباسؓ، چنانچہ انہی کے تلامذہ سے آفاق عالم میں علم دین کی اشاعت ہوئی لیکن مدینہ منورہ جو اسلام کا سرچشمۂ اصلی اور نبوت کا دار القرار تھا، حضرت زیدؓ

[۱] طبقات ابن سعد صفحہ ، [۲] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۴ ابن قیم جوزی صفحہ ج ، [۳] طبقات ابن سعد صفحہ

کے اصحاب کی بدولت علوم و فنون کا مرکز بنا تھا،

فقہائے صحابہ کی دو مجلسیں تھیں ایک کے رئیس حضرت عمرؓ تھے اور دوسری کے حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ، حضرت عمرؓ کی مجلس میں شریک تھے، یہاں مسائلِ علمیہ پر بحث ہوتی تھی اور اہم اور مشکل مسائل طے کئے جاتے تھے[1]،

یوں تو حضرت زیدؓ کا فیض ہر وقت جاری رہتا تھا، تاہم اس کے لئے ایک وقت بھی مخصوص تھا، اور مسجد نبوی میں جو زیارت گاہ عام تھی، اور حضرت زیدؓ کے مکان سے ملحق تھی، فتوی دینے کے لئے بیٹھتے تھے[2]۔

حضرت زیدؓ کے مسائل فقہ کے اکثر ابواب پر حاوی تھے، ان کی تفصیل کے لئے ایک ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے، یہاں نمونہ کے طور پر ہم چند مسائل پر اکتفا کرتے ہیں،

کتاب الصلوۃ | فرض نماز کے علاوہ باقی نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے[3]،

ایک شخص نے پوچھا کہ ظہر و عصر میں قرأت ہے؟ فرمایا ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک قیام فرماتے تھے، اور آپ کے لب ہلتے رہتے تھے[4]، اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنا چاہئے، سوال کا تعلق امام سے ہے، جماعت سے نہیں، سائل کا منشاء یہ تھا کہ ظہر و عصر میں کچھ پڑھا جاتا ہے؟ حضرت زیدؓ نے اسی کا جواب دیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جماعت میں امام کا پڑھنا، تمام مقتدیوں کی طرف سے کافی ہوتا ہے، صحیح بخاری میں، خباب بن ارتؓ، زید بن ثابتؓ، ابو قتادہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ سے جو روایتیں مذکور ہیں کسی سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے،

کتاب الذبائح | ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر دانت مارا، لوگوں نے اس کو فوراً ذبح کر دیا،

---

[1] طبقات ابن سعد [2] مسند ج ۵ [3] ایضاً ص ۱۸۶ [4] ایضاً

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی[۱] (ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا گلا کاٹ دیا جائے، قرآن مجید میں ہے "الا ما ذکیتم" چنانچہ جب یہ شرط (ذبح) پائی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کھانا حلال کردیا)

کتاب الہبہ | ایک شخص نے اپنا مکان اپنی زندگی تک کسی شخص کو رہنے کے لئے دیا، تو اس کی وفات پر اس کی اولاد مالک سمجھی جائے گی، حضرت زیدؓ کی روایت میں اسی کا بیان ہے، کہ العمری للوارث[۲]

عمریٰ کی اجازت کے ساتھ رقبیٰ کی ممانعت وارد ہوئی ہے، رقبیٰ کی یہ صورت ہے کہ ایک شخص اپنی کوئی چیز دوسرے آدمی کو اس شرط پر دے، کہ اگر میں پہلے فوت ہوں تو تم مالک ہو اور تم پہلے مرو تو میری ملکیت پھر عود کرآئے گی، چونکہ ہبہ کے لئے تملیک ضروری ہے، اور یہاں وہ شرط فاسد کے ساتھ وابستہ ہے، اس بنا پر یہ ہبہ ناجائز قرار دیا گیا ہے،

کتاب المزارعہ | نصف، ثلث اور ربع منافع پر کسی سے زراعت کرانا منع ہے[۳]،

جب تک باغ میں پھل اچھی طرح نہ آئے ہوں، یا درخت پر رطب چھوہارے ہوں تو ان کو اٹکل سے بیچنے کی ممانعت ہے[۴] (مدینہ میں اسلام سے قبل پھل تیار ہونے سے پہلے فروخت کردیا جاتا تھا، اور نقصان ہونے کی صورت میں فریقین میں جھگڑے تک کی نوبت آجاتی تھی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو اس کو منع کردیا، البتہ عریہ والوں کو جو مسکین تھے، اور صرف صدقات کے چھوہاروں پر ان کی گذراوقات تھی، ناپ کر فروخت کرنے کی اجازت دیدی تھی)

ان مسائل کے بعد علوم شرعیہ کا حصہ ہم ختم کرتے ہیں، حضرت زیدؓ نے دنیا کے دوسرے علوم میں جو ترقی کی تھی، اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔

---

[۱] مسند ج ۵ ص۱۸۱ [۲] ایضاً ص۱۸۲ [۳] ایضاً ص۱۸۱ [۴] ایضاً ص۱۹۲

فارسی، رومی، عبرانی، سریانی قبطی، حبشی زبانیں، | حضرت زیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھی تھیں، ذہانت کا یہ حال تھا کہ پندرہ روز کی کوشش میں بلا تکلف خط لکھنے لگے تھے، بعد میں اس کو اور بھی ترقی دی یہانتک کہ توراۃ وانجیل کی زبانوں کے عالم بن گئے، یہ عام روایت ہے لیکن مسعودی نے لکھا ہے کہ ان کو فارسی رومی قبطی اور حبشی زبانیں بھی آتی تھیں، جن کو انھوں نے مدینہ میں ان زبانوں کے جاننے والوں سے سیکھا تھا[1]،

حساب | عرب میں حساب کا مطلق رواج نہ تھا اس لئے اسلام کے ابتدائی زمانہ میں خراج کا حساب رومی یا ایرانی کرتے تھے، عربوں کو ہزار سے اوپر گنتی بھی معلوم نہ تھی، عربی میں ہزار سے اوپر کے عدد کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے لیکن حضرت زیدؓ کو حساب میں اس قدر دخل تھا کہ فرائض کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل اس کے ذریعہ سے حل کر لیتے تھے، اس کے ماسوا مال کی تقسیم بھی کر سکتے تھے، چنانچہ غزوہ حنین میں جو ۸ھ میں ہوا تھا، اور جس میں تقریباً ۱۲ ہزار آدمی شریک تھے، انہی کی مردم شماری اور لگائے ہوئے حصوں کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال تقسیم فرمایا تھا، انھوں نے پہلے لوگوں کی تعداد معلوم کی پھر مال غنیمت کو اس عدد پر پھیلا دیا، چند سرداروں کو مستثنیٰ کر کے جن کو بڑی رقمیں دی گئی تھیں فی کس ۴ اونٹ اور چالیس بکری، حصہ میں پڑیں، سواروں کو اس کا تگنا، یعنی ۱۲- اونٹ اور ۱۲۰ بکریاں عطا کی گئیں[2]، جنگ یرموک کا مالِ غنیمت بھی جب مدینہ آیا تو حضرت زیدؓ ہی نے تقسیم کیا تھا

خط وکتابت | عرب میں اسلام سے قبل تحریر کا رواج کم تھا، قدیم سے قدیم روایتیں قوتِ حافظہ

---

[1] کتاب التنبیہ والاشراف ص ۲۸۲، [2] طبقات ابن سعد ص ۱۱۰ ق اول مغازی

کی بنا پر مشہور ہوتی تھیں، حضرت زیدؓ لکھنا جانتے تھے، اور اپنے زمانہ کے مشہور خطاط تھے، فرامین، عہدنامے، اور خطوط کے سوا نقشے عمدہ بناتے تھے،

حضرت عمرؓ کے عہد میں عرب کا مشہور قحط عام الرمادہ رونما ہوا تو اس کے انتظام کے لئے عمرو بن العاصؓ گورنر مصر کو فرمان لکھا کہ وہ مصر سے غلہ روانہ کریں، عمروؓ نے ۲۰ جہاز غلہ سے بھرے ہوئے دار الخلافت روانہ کئے، حضرت عمرؓ کو جہازوں کی آمد کا سخت انتظار تھا، خود چند صحابہؓ کو لے کر جن میں زید بھی تھے، "جار" نامی ایک بندرگاہ پر جو مدینہ سے قریب واقع تھی، تشریف لے گئے، غلہ آیا تو جار میں دو گودام بنوا کر اس میں غلہ بھروا دیا اور زید بن ثابتؓ کو ہدایت کی کہ ایک نقشہ قحط زدوں کا تیار کریں جس میں ان کا نام اور غلہ کی مقدار لکھی ہو، اس حکم پر حضرت زیدؓ نے رجسٹر بنا کر ہر شخص کو کاغذ کی چکیں تقسیم کیں جن کے نیچے حضرت عمرؓ کی مہر ثبت تھی، اسلام میں چک اور اس میں مہر لگانے کا یہ پہلا واقعہ تھا، جو حضرت زیدؓ کی بدولت وقوع پذیر ہوا،

اخلاق و عادات اسلام کی غرض اصلی مکارم اخلاق کی تتمیم و تکمیل ہے، حضرت زیدؓ کا اخلاق جن محاسن و فضائل کا مجموعہ تھا، اس کے نمایاں اجزا، حب رسول، اتباع رسول، امر بالمعروف، نصیحِ امرا، حمیت ملی تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بنا پر حضرت زیدؓ دربار نبوت میں اکثر حاضر رہتے تھے، صبح کو بستر خواب سے اٹھ کر سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آجاتے بعض وقت اتنا سویرا ہوتا کہ سحری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھاتے، آپ ان کو اپنے حجرۂ شریف میں بلا لیتے تھے[1]

---

[1] مسند ص ۱۸۲ ج ۵،

ایک روز وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تو آپ سحری میں چھوہارے نوش فرمارہے تھے، ان سے شرکت کے لئے ارشاد ہوا، انھوں نے کہا کہ میں روزہ کا ارادہ کرچکا ہوں، آپ نے فرمایا میرا بھی تو یہی ارادہ ہے، غرض حضرت زیدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، تھوڑی دیر کے بعد جب نماز کا وقت آیا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد گئے، اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی،

حضرت زیدؓ اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھ جاتے تھے،[۲] آپ غایت بے تکلفی کی بنا پر اُن کی ران پر اپنا زانوئے مبارک رکھ دیتے، ایک روز اسی حالت میں وحی نازل ہوئی، حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ زانوئے مقدس اتنا گراں ہوگیا کہ میرے لئے اس کا تحمل دشوار ہوگیا، معلوم ہوتا تھا کہ میری ران چور چور ہو جائے گی، لیکن ادب کا یہ حال تھا کہ زبان سے اُف تک نہ کی، اور خاموش بیٹھے رہے،[۳]

ارشاد نبوی کی تعمیل کا یہ حال تھا کہ ایک بار وہ امیر معاویہؓ کے پاس شام گئے، اور ایک حدیث روایت کرنے کی نوبت آئی، امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے کہا کہ اس کو لکھ لو، حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قلمبند کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، یہ کہہ کر اس کو مٹا دیا،[۴]

امراء کے مقابلہ میں بھی سنت نبوی کی تبلیغ سے غافل نہ رہتے تھے، مروان بن حکم اموی مدینہ منورہ کا امیر تھا، وہ مغرب میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتا تھا، حضرت زیدؓ نے فرمایا ایسا کیوں کرتے ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو طویل سورتیں پڑھا کرتے تھے،[۵] صحابہ اور تابعین سے بھی اگر نادواقفیت کی بناء پر خلاف سنت کوئی فعل سرزد ہوجاتا تو زیدؓ ان کو

---

[۱] مسند ج ۵ ص ۱۹۲ [۲] ایضاً ص ۱۹۰ [۳] ایضاً ص ۱۹۱ [۴] ایضاً ص ۱۸۲ [۵] بخاری ج ۱ ص ۱۰۵ باب القرأت فی المغرب

تنبیہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ شرحبیل بن سعدؓ نے بازار میں ایک چڑیا پکڑی تھی، زید نے دیکھ لیا پاس جاکر ایک تھپیڑ مارا اور چڑیا چھین کر اڑا دی، اور کہا کہ او اپنے نفس کے دشمن تجھکو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے[۵۱]،

انہی شرحبیل کو ایک مرتبہ باغ میں جال لگاتے دیکھا، تو زور سے چلائے کہ یہاں شکار کھیلنے کی ممانعت ہے[۵۲]،

شام سے ایک شخص زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ لایا، بہت سے تاجروں نے معاملہ کیا، عبداللہ بن عمرؓ نے بھی بات چیت کی اور اس سے خرید لیا، مال ابھی وہیں رکھا تھا کہ دوسرا خریدار پیدا ہوگیا، اُس نے ابن عمرؓ سے کہا کہ اتنا نفع دیتا ہوں، مجھ سے سودا کر لیجئے، بات کے پختہ کرنے کے لئے ابن عمرؓ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارنا چاہتے تھے کہ پیچھے سے کسی نے ہاتھ پکڑ لیا، دیکھا تو زید بن ثابتؓ تھے، ابن عمرؓ سے کہا ابھی نہ بیچو، پہلے مال یہاں اٹھوا لو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے[۵۳]،

ایک مرتبہ دوپہر کے وقت جناب زید مروان کے محل سے نکلے، شاگردوں نے دیکھ لیا خیال ہوا کہ اس وقت کسی وجہ سے گئے ہوں گے، بڑھ کر پوچھا، حضرت زیدؓ نے کہا کہ اس وقت اُس نے چند حدیثیں پوچھی تھیں، میں نے اس سے کہا کہ تین خصلتوں سے مسلمان کے قلب کو کبھی انکار نہ ہوگا، خدا کے لئے عمل کرنا، ولاۃ الامر کو نصیحت کرنا، جماعت کے ساتھ رہنا[۵۴]،

حضرت زیدؓ اگرچہ غیر مسلم اقوام سے نفرت نہ کرتے تھے، تاہم اُن میں حمیت ملی اور پورے جوش کے ساتھ موجود تھی،

ایک مرتبہ حضرت عبادہ بن صامتؓ انصاری کہ بڑے رتبے کے صحابی تھے بیت المقدس

---

[۵۱] ج ۵ ص ۱۹۲، [۵۲] ایضاً ص ۱۹۰، [۵۳] ایضاً ص ۱۹۱، [۵۴] ایضاً ص ۱۸۳،

حضرت زیادؓ بن لبید

نام ونسب | زیادؓ نام، ابو عبد اللہ کنیت، قبیلۂ خزرج کے خاندان بیاضہ سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے، زیاد بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج،

اسلام | بیعتِ عقبہ میں شریک تھے، جب مدینہ میں مہاجرین کی آمد شروع ہوئی تو انصار کی ایک جماعت کہ چار آدمیوں سے مرکب تھی، مکہ پہونچی، جس میں ایک حضرت زیادؓ تھے، وہاں سے بہت سے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ واپس آئے، اس بنا پر یہ لوگ انصاری بھی تھے، اور مہاجر بھی،[1]

غزوات | بدر، احد، خندق، اور تمام غزوات میں شریک تھے،

۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنایا، یہ ملک ۵ حصوں پر تقسیم تھا،[2] حضرت زیادؓ حضر موت کے عامل تھے، صدقات کا محکمہ بھی ان کے زیر ریاست تھا،[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب اہل یمن مرتد ہوگئے، اور زکوٰۃ بند کردی، تو حضرت ابو بکرؓ نے زیادؓ کو اس بارہ میں لکھا، انھوں نے شاہان کندہ پر شبخون مار کر فتح حاصل کی، اشعث بن قیس کا محاصرہ کرکے شکست دی، اور اس کو دار الخلافت

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۵ ج ۳ قسم ۱ [2] استیعاب ص ۴۶۲ ج ۱، حالات معاذ بن جبل [3] یعقوبی ص ۸۱ ج ۲،

روانہ کیا، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :۔

وکان لہ بلاء حسن فی قتال	یعنی انھوں نے مرتدین کی جنگ میں بڑی
اھل الردۃ[1]	جانبازی دکھائی،

خلافت صدیقی[2] اور فاروقی میں بھی اسی خدمت پر ممتاز رہے[3]، اس فرض سے سبکدوشی کے بعد کوفہ کی سکونت اختیار کی بعض کا خیال ہے کہ شام میں قیام کیا تھا،

وفات سنہ ۴۱ھ میں انتقال ہوا، یہ امیر معاویہ کی حکومت کا پہلا سال تھا،

فضل وکمال زیادؓ فقہائے صحابہ میں تھے[4] صحیح ترمذی میں ہے، کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب علم کے اٹھنے کا وقت آپہونچا، زیادؓ نے عرض کی، یہ کیسے ہوسکتا ہے، اب تو علم لوگوں کے رگ وپے میں سرایت کر چکا ہے، ارشاد ہوا :۔

ثکلتک امک یا زیاد ان کنت	یعنی اے زیاد تیری ماں تجھکو روئے میں
لاراک من افقہ رجل بالمدینۃ	تجھ کو نہایت سمجھ دار شخص خیال کرتا تھا،
اولیس الیھود والنصاریٰ	کیا دیکھتے نہیں کہ یہود ونصاریٰ تورات و
یقرؤن التوراۃ والانجیل	انجیل پڑھتے ہیں، لیکن ان سے کچھ نفع
ولا ینتفعون لشیٔ	نہیں اٹھاتے،

حضرت عبادہؓ نے اس حدیث کو سنا تو فرمایا سچ ہے سب سے پہلے خشوع اٹھ رہا ہے[5] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند حدیثیں روایت کیں، حلقۂ روایت میں عوف بن مالک جبیر بن نفیر سالم بن ابی الجعدان کی مسند فضل وکمال کے حاشیہ نشین ہیں،

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۳۰۲ ج ۳ [2] طبری ص ۲۱۴۶ ج ۴ [3] یعقوبی ص ۱۴۷ ج ۲ [4] تہذیب ص ۳۰۲ ج ۳ [5] اصابہ ص ۲۰ ج ۳

حضرت زیدؓ بن دثنہ

نام نامی حضرت زیدؓ ہے، قبیلۂ خزرج کے خاندان بیاضہ سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ
زید بن دثنہ بن معاویہ بن عبید بن عامر بن بیاضہ بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک
ابن غضب بن جشم بن خزرج،

بدر اور احد میں شریک تھے، غزوۂ احد کے بعد قبیلۂ عضل اور قارہ کے کچھ لوگوں
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ چند صحابہ
جو قرآن اور فقہ کی تعلیم دے سکیں، ہمارے یہاں بھیجئے، ان اطراف میں اسلام
پھیل رہا ہے، ان کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیبؓ اور زیدؓ
اور بعض اور لوگوں کو روانہ فرمایا، راستہ میں بیر معونہ پر معرکہ پیش آیا، حضرت خبیبؓ
اور زیدؓ مشرکین کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے، وہ لوگ ان بزرگوں کو ہاتھ باندھ کر
مکہ لائے، اور صفوان بن امیہ کے ہاتھ فروخت کیا، صفوان نہایت خوش تھا کہ اپنے
باپ کے عوض ان کو قتل کروں گا،

شہادت: رائے ومشورہ کے بعد تنعیم مقتل قرار پایا، صفوان نے اپنے غلام کو جس کا نام
نسطاس تھا، حکم دیا کہ ان کو تنعیم لے چلو،

قتل گاہ پہنچے تو عجیب آزمایش کا وقت تھا، ابوسفیان نے پوچھا زید تمھیں خدا کی قسم
سچ سچ بتانا، اگر تمھارے بجائے محمدؐ ہوں، اور ہم ان کی گردن ماریں، اور تم اپنے گھر محفوظ رہو

تو تم اس کو پسند کرتے ہو، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ مجھے یہ بھی منظور نہیں کہ محمدؐ کے کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر میں بیٹھا رہوں ابوسفیان اس فقرہ کو سنکر دنگ رہ گیا، اور اسی عالم میں زبان سے نکلا کہ محمدؐ کے اصحاب ان سے جسقدر محبت کرتے ہیں دنیا میں کسی کے دوست ایسے گرویدہ نہیں، اس کے بعد ان کو قتل کر دیا گیا، یہ ۳ھ کا افسوسناک واقعہ ہے،

